تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ

تاریخِ اسلام

جلد دوم

جس میں (۱) حضرت عثمانؓ و حضرت علیؓ کے زمانۂ خلافت (۲) بنو امیہ کے زمانۂ خلافت اور (۳) بنو عباس کے زمانۂ خلافت کے مستند تاریخی حالات تشریح و تبصرہ کے ساتھ درج کیے گئے ہیں

مؤلفہ

مرتضیٰ احمد خان

ناشران

تاج کمپنی لمیٹڈ

لاہور ــــــ کراچی ــــــ ڈھاکہ

استشہاد

اس جلد کی تالیف کے سلسلے میں حسب ذیل اربابِ علم و فضل کی تصنیفات و تالیفات سے استفادہ کیا گیا:-

طبری - ابن اثیر - ابن خلدون - سر ولیم میور - پروفیسر براؤن - البنداری - رشید الدین - فضل اللہ - بیہقی - فرید الدین عطار - حضرت علی ہجویری - ناصر خسرو - الجوینی - اور متعدد دیگر مورخین و مصنفین کی کتب جو وقتاً فوقتاً مؤلف کے مطالعہ سے گزرتی رہیں -

تمام شد جلد دوم

تاریخِ اسلام

جلد دوم

تیسری کتاب

دورِ فتن

حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کا زمانۂ خلافت

سنہ ۲۴ھ سے سنہ ۴۰ھ تک

۶۴۵ء ۶۶۱ء

حضرت عثمانؓ ابن عفانؓ کا عہدِ خلافت

۲۴ھ سے ۳۵ھ تک
۶۴۵ء سے ۶۵۶ء

خلیفۂ سوئم کا انتخاب

خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اپنی وفات سے پہلے مدینہ کے اکابر صحابۂ کرامؓ سے مشورہ کرکے اس امر کا اطمینان حاصل کر لیا تھا کہ ان کی وفات کے بعد اُمّتِ مسلمہ کی امامت و قیادت اور حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت و خلافت کی ذمہ داریاں حضرت عمر فاروقؓ اپنے کندھوں پر اُٹھائیں گے۔ خلیفۂ اوّل کی وفات کے بعد ساری ملت نے حضرت عمرؓ کے ہاتھ پر بیعت کرکے انہیں اپنا امیر المومنین بنا لیا۔ اور اس حُسنِ انتخاب کے خلاف ایک آواز بھی بلند نہ ہوئی۔ حضرت عمرؓ کو جب زخمی ہونے کی حالت میں اس امر کا یقین ہو گیا کہ وہ جانبر نہ ہو سکیں گے تو انہیں بھی

ملت کے مستقبل سے متعلق فکر لاحق ہوئی۔ لیکن وہ خلیفہ اول کی طرح کسی ایک شخصیت کے متعلق اکابر ملت کو وصیت نہ کر سکے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت عبدالرحمان بن عوف رضؓ سے ذمہ دار؟) کا یہ منصب بلند سنبھالنے کے لئے کہا لیکن انہوں نے معذرت پیش کردی۔ اس پر حضرت عمرؓ نے وصیت کی کہ میری وفات کے بعد اُمتِ مسلمہ کے چھ اکابر یعنی عبدالرحمان بن عوف رضؓ۔ عثمان ابن عفان رضؓ۔ علی رضؓ ابن ابی طالب۔ سعد ابن وقاص رضؓ۔ زبیرؓ اور طلحہؓ (رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین) باہمی مشورت کرکے آپس میں سے کسی ایک کو خلیفہ منتخب کرلیں۔ حضرت عمرؓ نے مقدادؓ نامی ایک صحابی کو اس کام پر مامور کردیا۔ کہ وہ ان اکابر کو جمع کریں اور انہیں اس وقت تک جلسہ گاہ سے باہر نہ آنے دیں جب تک کہ کسی ایک کو ملت کا امیر اور مسلمانوں کا خلیفہ منتخب نہ کرلیں۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کو بھی اس مجلسِ مشاورت میں شامل ہونے کے لئے کہا گیا تھا لیکن حضرت عمرؓ نے شرط لگادی کہ وہ خود خلیفہ بننے کے اُمیدوار نہ ہوں اور انہیں وصیت فرمادی تھی کہ وہ حضرت عبدالرحمان بن عوف رضؓ کے ساتھ ووٹ دیں یعنی جو اُن کی رائے ہو اس رائے کی تائید کریں۔

حضرت عمرؓ کی وفات کے اگلے دن مقدادؓ نے حضرت عمرؓ کے نامزد کردہ اکابر ملت کو بیت المال میں جمع کیا جو اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے حجرے کے قریب ہی واقع تھا۔

ابوطلحہؓ پچاس آدمیوں کی ایک جمعیت کے ساتھ بیت المال کے باہر
پہرہ دینے لگے۔ دو دن بحث ہوتی رہی اور مجلس مشاورت کسی فیصلہ
پر نہ پہنچی۔ تیسری رات حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نہیں سوئے اور
لوگوں سے مل کر رائے عامہ کا رجحان دریافت کرتے رہے۔ تیسرے روز
ابوطلحہؓ نے چیلنج دے دیا کہ آج ضرور فیصلہ ہو جانا چاہیئے۔ مجلس مشاورت
کے ارکان نے عبدالرحمٰنؓ بن عوفؓ کو حکم مان لیا۔ حضرت علیؓ نے
کہا کہ میں بھی اس شرط پر آپ کو حکم مانتا ہوں کہ آپ بلا رُو و رعایت کتاب
و سُنّت کے مطابق فیصلہ صادر کریں گے۔ حضرت زبیرؓ نے حضرت علیؓ
کو خلیفہ بنانے کے حق میں رائے ظاہر کی۔ حضرت طلحہؓ اس دن کے
اجلاس میں شامل نہ ہوئے۔ حضرت سعد ابن وقاصؓ نے رائے دینے
سے اجتناب کیا۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے اسی روز مسجد نبوی میں
مدینہ کے عام لوگوں کو جمع کیا۔ اور تقریر کی کہ آج مجھے حکم ہونے کی حیثیت
میں فیصلہ کرنا ہے کہ کس شخص کو مسلمانوں کا امیر بنایا جائے حضرت عبدالرحمٰنؓ
نے کہا کہ حاکم۔ فوجی سالار اور سردار اس اجتماع سے باہر چلے جائیں
تاکہ عام لوگوں کی رائے دریافت کی جا سکے۔ یہ لوگ باہر چلے گئے عبدالرحمٰنؓ
نے لوگوں سے اظہار رائے کے لئے کہا۔ عمارؓ اور مقدادؓ نے حضرت علیؓ
کو خلیفہ بنانے کے لئے اپیل کی۔ ابوسرح اور ابی ربیعہ نے حضرت عثمانؓ
کا نام پیش کر دیا۔ اس پر حاضرین جلسہ اور محرکین کے درمیان تیز کلامی
ہونے لگی۔ حضرت عمارؓ کو خاندان بنی امیہ کے بعض افراد نے کہا کہ

قریش کے معاملے میں دخل دینے والے تم کون ہو؟" حضرت عمارؓ اس امر پر اصرار کرتے رہے کہ "خلافت خاندانِ نبوت میں رہنی چاہیئے" قبیلوی عصبیت اور خاندانی طرفداری کا یہ پہلا مظاہرہ تھا جو مسلمانوں کی ملت میں حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد پبلک طور پر ظاہر ہوا۔ جو بعد میں انتہائی شدت اختیار کر کے اُمتِ مسلمہ میں طرح طرح کے فتنے پیدا کرنے کا موجب بنا۔ صدیقؓ اور فاروقؓ کے عہد میں اگر کچھ لوگ اس قسم کے احساسات اور خیالات رکھتے بھی تھے تو انہیں کھلے طور پر اپنے ایسے کے اظہار کی جرأت نہ ہوتی تھی۔

حضرت عبدالرحمٰن رضؓ نے لوگوں کو خاموش کرایا اور پہلے حضرت علیؓ سے مخاطب ہو کر پوچھا کہ اگر میں آپ کو مسلمانوں کا امیر منتخب کر دوں تو کیا آپ قرآن، سنتِ رسول اور شیخین یعنی ابوبکرؓ اور عمر فاروقؓ کے مسلک پر چلیں گے؟ حضرت علیؓ نے جواب دیا۔ کہ اگر مجھے امیر بنا لیا جائے تو میں اپنی علمی استعداد اور عملی صلاحیت کے مطابق چلوں گا۔ لیکن شیخین کے مسلک کا پابند نہ رہوں گا۔ صرف ان معاملات میں اُن کا تتبع کروں گا جن میں ان سے متفق ہوں۔ اس کے بعد حضرت عبدالرحمٰن نے حضرت عثمان رضؓ سے بھی یہی سوال کیا۔ حضرت عثمانؓ نے جواب دیا کہ میں قرآن، سنتِ رسولؐ اور مسلک شیخین کی پوری پوری پابندی کروں گا۔

حضرت علیؓ اور حضرت عثمان رضؓ کے یہ جوابات سن کر حضرت عبدالرحمٰن

بن عوف نے حضرت عثمان رضؓ کا ہاتھ پکڑ لیا اور آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر دُعا کی کہ "اے خدا! سُن اور دیکھ گواہ رہ کہ میں نے اپنی گردن کا بوجھ عثمانؓ کی گردن پر ڈال دیا ہے۔ اس کے بعد عام بیعت کا سلسلہ شروع ہو گیا اور حضرت عثمانؓ ابن عفان مسلمانوں کے امیر اور خلیفہ منتخب ہو گئے۔

یہ واقعہ یکم محرم الحرام سنہ ۲۴ ہجری کا ہے۔ اس کے بعد دو تین دن تک بیعت کا سلسلہ جاری رہا۔ اس فیصلے سے بنو ہاشم اور ان کے مداحوں کو بڑی مایوسی ہوئی لیکن حضرت علیؓ نے بھی حضرت عثمان رضؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ روایت ہے کہ حضرت علیؓ نے حضرت عبدالرحمانؓ ابن عوف کو طعنہ دیا کہ تم خلافت کے اقتدار سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کو الگ رکھنے کے مرتکب ہوئے۔ اس پر حضرت عبدالرحمانؓ نے جواب دیا کہ "سنبھل کر بات کیجئے ایسا نہ ہو کہ آپ کی باتیں آپ ہی کے خلاف پھل لانے کا موجب بن جائیں اور آپ کو پچھتانا پڑے۔"

حضرت علیؓ نے کہا "خدا میرا مددگار ہے اس مکر سے جو تم کر رہے ہو۔"

عہدِ عثمانؓ کی مُہمّیں اور فتوحات

مشرق وسطیٰ کی مُہمّیں

سنہ ۲۴ھ سے سنہ ۳۲ھ ۶۴۴ء سے سنہ ۶۵۳ء تک

حضرت عمر فاروقؓ کی وفات کے وقت تک عرب مسلمانوں کے لشکر

ایران کی ساری مملکت پر قابض ہو کر کابلستان اور زابلستان کی ہندو ریاستوں کی حدوں کے ساتھ اور ان سے اوپر ترکوں اور تاتاریوں کی مملکت سے کے ساتھ جا ٹکرائی تھیں۔ ایران اور شام میں اسلام کے علمبرداروں کو زرتشتی دین اور دینِ مسیحیت کے پیروؤں سے مقابلہ پیش آیا تھا کابلستان زابلستان اور سندھ کی حدوں پر پہنچ کر انہیں ایک ایسی قوم سے سابقہ پڑا جو ظہورِ اسلام سے پہلے کے عربوں کی طرح مشرک اور بت پرست تھے۔ ترکستانات میں ان کا واسطہ ایسی قوم سے پڑا جو مظاہر پرست تھی اور اس عقیدہ کی مالک تھی کہ موجودات کی ہر شئے ایک باطنی روح رکھتی ہے۔ اچھی روحیں انسان کو مدد دیتی ہیں اور بری روحیں اسے دکھوں اور مصیبتوں میں مبتلا کرتی رہتی ہیں۔ لہذا اُن کو خوش رکھنے کے لئے اُن کی بندگی کرنی چاہیئے۔

سنہ ۲۳ھ مطابق سنہ ۶۴۳ء میں عرب مسلمانوں کے ایک لشکر نے کابلستان کی ریاست پر چڑھائی کی کیونکہ اس ریاست کے ہندو حکمران ایران کی سرحد پر مسلمانوں کے ساتھ چھیڑ خانی کرنے لگے تھے۔ ہندوؤں نے مسلمانوں سے اس لشکر کو شکست دی اور عرب مسلمانوں کا لشکر پسپا ہو گیا۔ یہ مہم ناکام رہی۔

زرتشتی ایران کا شہنشاہ یزدجرد مرو کے ترک حکمران کے ہاں پناہ گزین تھا اور وہاں بیٹھ کر مسلمانوں کے خلاف ریشہ دوانیاں کرنے لگا۔ یزدجرد نے خاقانِ تاتار کی امداد سے خراسان کے علاقے پر ایک حملہ بھی کیا لیکن

شکست کھائی۔ اس کی ریشہ دوانیوں کی بدولت ایران کے بعض صوبوں میں شورشیں بھی برپا ہوئیں اور جو عرب فاتحین نے کرڑے ہاتھوں سے دبادیں کوفہ اور بصرہ کی چھاؤنیاں، ایران کی بغاوتیں اور شورشیں دبانے کے لئے مؤثر اقدامات کرتی رہیں۔ سنہ ۳۱ھ مطابق سنہ ۶۵۲ء میں یزدجرد ایک مہم سے شکست کھا کر جو بھاگا تو ایک پن چکی میں پناہ گزین ہوا۔ پن چکی کے تاتاری مالک نے اسے قتل کر دیا۔ اس مہم میں تاتاری خاقان بھی عربوں کی طاقت سے ڈر کر یزدجرد کا ساتھ چھوڑ بیٹھا تھا۔ یزدجرد کی موت کے بعد ایران میں امن قائم ہوگیا' اور عام لوگ زرتشتی دین چھوڑ کر مسلمان بننے لگے۔

سنہ ۳۲ھ مطابق سنہ ۶۵۳ء میں عرب مسلمانوں کے ایک لشکر نے ترکستان کی ولایت خزر کے ترکوں پر چڑھائی کی۔ کیونکہ وہ بھی ایران کی سرحدوں پر چھیڑ چھاڑ کرتے رہتے تھے۔ کابلستان کی مہم کی طرح اس مہم کو بھی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا کیونکہ خود اسلامی لشکر میں خانہ جنگی واقع ہو جانے کا خطرہ لاحق ہونے لگا۔ اسلامی لشکر ولایت خزر سے پسپا ہوا۔ شامی اور کوفی عربوں کے لشکر اپنی چھاؤنیوں میں چلے گئے۔ بدوی عربوں۔ اور قریش کے درمیان رقابت کی جو حس عہد عثمانؓ میں پیدا ہو کر ترقی کر رہی تھی یہ اُس کا پہلا افسوسناک مظاہرہ تھا جو ایک بیرونی مہم کی ناکامی پر منتج ہوا۔ حضرت عثمانؓ بنو امیہ کے خاندان سے تھے اس لئے اُن کے عہد میں بنو امیہ اور دیگر قبائل قریش اپنے

آپ کو دُنیائے اسلام کا حکمران طبقہ سمجھنے لگے تھے۔ بدوی قبائل کے لوگ قریش کے اس قبیلوی غرور کو پسند نہیں کرتے تھے۔ شام کے مُلک میں معاویہ ابن ابوسفیان رضؓ حضرت عمر رضؓ کے عہد سے حکمراں چلے آرہے تھے۔ معاویہ رضؓ بھی بنواُمیہ کے ایک معزز خاندان کے فرد تھے جو فتح مکہ سے پہلے مشرکین مکہ میں سب سے زیادہ سربرآوردہ گھرانا تھا۔ معاویہ رضؓ کے والد ابوسفیان رضؓ قریش مکہ کے سردار تھے جنھوں نے حضرت رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اس وقت قبول کی جبکہ دس ہزار قدسیوں" کے لشکر نے مکہ کے قریب پہنچکر ڈیرے ڈالدیئے تھے۔ ابوسفیان اور ان کے گھرانے کے افراد نے اسی موقع پر اسلام قبول کیا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اسلام قبول کر لینے کے بعد بھی اس خاندان کے لوگ اپنے آپ کو ممتاز حیثیت والے شمار کرتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ عربوں کی سرداری کرنے کا حق قریش کا اور قریش میں سے بنواُمیہ ہی کا ہے۔ معاویہ رضؓ نے شام کا حاکم ہونے کے باعث اپنی قبیلوی طاقت کو بڑھانے کے لئے عربوں کے انہی خاندانوں کو شام میں آباد کرنے کی ترجیحی پالیسی اختیار کی جو قریش تھے یا اُن سے نسبی علاقہ رکھتے تھے۔ کوفہ کی چھاؤنی میں عرب کے عام بدوی قبائل آباد ہوئے جنھوں نے شیخین رضؓ کے عہد میں اسلام کی جانبازانہ خدمات انجام دیں۔ ولایت خزر میں شام کے فوجیوں نے کوفہ کے سالار کے زیر کمان لڑنے سے جو انکار کیا تو اس کا پس منظر وہ تھا جو سطور

بالا میں بیان کر دیا گیا ہے۔ یہ واقعہ ۳۲ھ میں یعنی حضرت عثمانؓ کے خلیفہ بننے کے آٹھ سال بعد رونما ہوا۔

مشرقِ ادنیٰ کی مہمیں

۲۵ھ سے ۲۸ھ تک
۶۴۶ء سے ۶۴۹ء تک

حضرت عثمانؓ کی خلافت کے دوسرے سال یعنی ۲۵ھ میں ایشیائے کوچک کے رومی لشکر نے شام پر چڑھائی کی۔ شام کے حاکم معاویہؓ نے مقابلے کے لئے فوج بھیجی اور کوفہ (عراق) کی چھاؤنی سے آٹھ ہزار سپاہ کی کمک بھی بروقت پہنچ گئی۔ رومی فوج کو شکست ہوئی اور وہ ایشیائے کوچک کی طرف پسپا ہو گئی۔ اسلام کے لشکر ان کے تعاقب میں ایشیائے کوچک کے مُلک میں یلغار کرتے ہوئے ارمنستان تک پہنچ گئے۔ اور ان فوجوں سے جا ملے جو ولایت خزر میں بحیرہ خزر (کیسپین) کے کنارے ترکوں سے لڑ رہی تھیں۔ یہ افواج مل کر طفلس کی طرف بڑھیں اور بحیرۂ اسود کے ساحل تک پہنچ گئیں۔ (۳۱) طرح ایشیائے کوچک اور ملک قفقاز کا ایک حصہ اور ارمنستان بھی اسلام کی وسیع مملکت میں شامل ہو گئے۔

مشرقِ ادنیٰ میں اس بڑی مہم کے علاوہ لبنان۔ لیونانٹ اور

ایشیا سے کوچک کے جنوبی ساحلی علاقہ پر فوج کشی جاری رہی اور اسلامی مملکت کے حلقۂ اثر کو ان اطراف میں بھی بہت توسیع دیگئی ساحلی مہموں میں مسلمانوں کا بحری بیڑہ بھی حصہ لیتا رہا جو مصر میں تیار کیا گیا تھا۔

سن ۲۸ھ مطابق ۶۴۹ء میں حضرت عثمانؓ نے معاویہؓ حاکم شام کو جزیرہ قبرص کی بحری مہم اختیار کرنے کی اجازت دے دی معاویہؓ نے حضرت عمرؓ سے بھی بحری بیڑہ تیار کرنے اور قبرص پر چڑھائی کرنے کی اجازت مانگی تھی۔ جو انہوں نے نہیں دی تھی۔ کیونکہ حضرت عمرؓ بحری مہم اختیار کرنے کے معاملے میں احتیاط کے مسلک پر عمل پیرا تھے۔ معاویہؓ نے ایک بحری بیڑا تیار کیا۔ اور قبرص پر چڑھائی کر دی۔ مصر سے وہاں کے حاکم عبداللہ بن ابی سرح نے بھی ایک بحری بیڑا بھیجا۔ ابوقیس نامی ایک شخص امیر البحر مقرر کیا گیا۔ اسلامی لشکر نے جزیرہ قبرص کو سر کر کے اس پر قبضہ جما لیا۔ چونکہ قبرص کے باشندوں سے جان و مال کی حفاظت کا مستقل بندوبست کرنا یقینی امر نہ تھا۔ اس لئے ان سے جزیہ نہ لیا گیا صرف خراج لینے پر اکتفا کر لیا گیا۔ ابوقیس نے بحیرۂ ایجیئن کے دوسرے جزیروں کو بھی مملکت اسلامی میں شامل کرنے کے لئے مہیں اختیار کیں جن کی مجموعی تعداد پچاس بتائی جاتی ہے۔ اسلام کا یہ پہلا امیر البحر یونان کی ایک بندرگاہ میں فروکش تھا کہ ایک یونانی عورت نے اسے شاہانہ طریق سے خیرات کرتے ہوئے دیکھا اور پہچان لیا۔ عورت نے شور مچایا۔ لوگ جمع ہو گئے۔ جنہوں نے حملہ کر کے ابوقیس کو شہید کر دیا۔

افریقہ کی مہمیں

۲۵ھ سے ۳۱ھ تک
۶۴۶ء سے ۶۵۲ء تک

حضرت عثمانؓ کے خلیفہ بننے کے وقت عمرو ابن العاص رضؓ مصر کے حاکم تھے۔ جنھوں نے خلیفۂ دوم کے عہد میں مصر کی مملکت سرکر کے اس کے طول وعرض میں اسلام کی حکمرانی قائم کی تھی۔ ۲۵ھ میں بازنطینی رومیوں کے ایک بحری لشکر نے اسکندریہ کی بندرگاہ پر حملہ کردیا۔ اور شہر پر قبضہ جما لیا۔ عمرو ابن العاصؓ نے جوابی حملہ کر کے رومیوں کو سمندر میں دھکیل دیا۔ رومی بھاگ گئے اور عمروؓ نے شہر کی فصیل گرادی۔ تاکہ آئندہ رومیوں کو ساحل پر اُتر کر قلعہ نشین ہونیکا موقع نہ ملے۔ عمرو ابن العاص رضؓ نے یہ مہم سرکر کے خلیفہ وقت کے ایک رشتہ دار عبداللہ ابن ابی سرح کو شمالی مصر کی ولایت کا حاکم مقرر کردیا۔ یہ عبداللہ ابن ابی سرح وہی شخص تھا جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کاتبین وحی میں سے ایک شخص تھا۔ لیکن اس نے ایک دفعہ وحی کی کتابت کرتے وقت خیانت سے کام لیا۔ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ نے اسے دھتکار دیا تھا۔ فتح مکہ کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس خائن کو موت کی سزا دینا چاہتے تھے۔ لیکن حضرت عثمانؓ نے

سفارش کرکے اسے بچا لیا۔ عبداللہ بن ابی سرح شمالی مصر کا حاکم مقرر ہو جانے کے بعد مصر کے حاکم اعلیٰ عمرو ابن العاص رضؓ سے باغی ہو گیا۔ اس نے کوئی جھگڑا کھڑا کر کے دربار خلافت میں عمرو ابن العاص رضؓ کے خلاف رپورٹیں بھیجیں۔ حضرت عثمان رضؓ نے دونوں کے بیانات سُننے کے بعد عمرو ابن العاص کو خاطی قرار دے دیا۔ اور ملکی اختیارات اس کے ہاتھ سے چھین کر عبداللہ ابن ابی سرح کو سارے مصر کا حاکم مقرر کر دیا۔ عمرو ابن العاص نے خلیفۂ وقت کے حکم کو قبول کرتے ہوئے ان سے کہہ دیا کہ آپ عبداللہ بن ابی سرح کو حاکم بنا کر گائے کے سینگوں سے دودھ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اور اس کے نتائج اچھے نہ ہوں گے۔

مصر میں مقیم مسلمانوں کو عبداللہ ابن ابی سرح کا حاکم بنایا جانا ناپسند تھا۔ کیونکہ یہ شخص دربار رسالت کا معتوب تھا۔ لیکن خلیفہ کے حکم پر کسی نے حرف گیری نہ کی۔ سنہ ۲۶ ہجری مطابق سنہ ۶۴۷ء میں ابن ابی سرح حاکم مصر نے شمالی افریقہ کے ساحل کے ساتھ ساتھ مغرب کی طرف بڑھنے کی مہم اختیار کر لی۔ تاکہ لوگوں کی توجہ اس طرف لگ جائے اور اس کے تعزر کے خلاف جوش نہ پھیلے۔ برقہ اور طرابلس تو عمرو ابن العاص نے خلیفہ دوم کے عہد ہی میں سر کر لئے تھے۔ عبداللہ ابن ابی سرح نے قرطاجنہ (کارتھیج) یعنی تیونس پر چڑھائی کی۔ شمالی افریقہ کا یہ ملک بھی قسطنطنیہ کی بازنطینی رومی سلطنت کا ایک جزو تھا۔ جرجیس (گرگوری) نامی رومی جرنیل ایک لاکھ بیس ہزار کا لشکر جرار لے کر عربوں کے مقابلے

کے لیے آیا۔ عرب سے محمد ابن ابوبکر عبداللہ ابن عباس اور عبداللہ ابن زبیر بھاری کمک لے کر عبداللہ ابن ابی سرح کی امداد کے لیے پہنچ گئے شدید معرکہ آرائی ہوئی۔ گھمسان کا رَن پڑا۔ جرجیس کی جوان بیٹی سپاہیانہ لباس میں فوج کے ایک حصّے کی کمان کر رہی تھی۔ اور سپاہیوں کے دل بڑھا رہی تھی۔ جرجیس نے اپنی فوج میں اعلان کر دیا کہ جو سورما عرب لشکر کے سردار کا سر کاٹ کر لائے گا اُسے ایک لاکھ دینار انعام دیا جائے گا۔ عبداللہ ابن ابی سرح نے یہ سُن کر اپنے لشکر میں اعلان کر دیا۔ کہ جو مجاہد جرجیس کو قتل کرے گا اُسے ایک لاکھ دینار کے ساتھ جرجیس کی خوبرو بیٹی بھی انعام کے طور پر دی جائے گی۔ لڑائی کا میدان عربوں کے ہاتھ رہا۔ اور عبداللہ ابن زبیر نے جرجیس کو قتل کر کے انعام حاصل کیا۔ ابن زبیر جرجیس کی بیٹی کو مدینہ لایا۔ اس لڑکی نے دین اسلام قبول کر لیا۔ عبداللہ ابن زبیر نے اس کے ساتھ نکاح کیا اور اسے اپنی بیوی بنا لیا۔

عبداللہ ابن ابی سرح کی اس مہم کو مسلمانانِ مصر کا ایک طبقہ غیر اسلامی یا غیر شرعی قرار دینے لگا۔ ان کا اعتراض یہ تھا کہ ابن ابی سرح نے یہ مہم کسی شرعی ضرورت کے بغیر محض اظہار شجاعت کے لیے اختیار کی اور مسلمانوں کی جانیں فضول ضائع کیں اس کے علاوہ ان کا ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ مال غنیمت کا خُمس عبداللہ ابن ابی سرح نے بیت المال میں جمع نہیں کرایا۔ بلکہ اپنے پاس رکھ لیا اور غنیمت کا بہت سا

مال سمیٹنے والوں اپنے رشتہ دار مروان کے ہاتھ بیچ دیا۔ جو حضرت عثمانؓ کا کاتب یعنی سیکرٹری تھا۔ اور بہت سا مال اُسے مُفت دے دیا۔

قسطنطنیہ کے بازنطینی رومی قیصر قسطنطین دوم نے عربوں کو پریشان کرنے کے لئے پانچ چھ سو جہازوں کا ایک بحری بیڑا تیار کیا جو مصر و افریقہ کے ساحلی شہروں پر اکثر چھاپے مارتا تھا۔ عبداللہ ابن ابی سرح نے بھی ایک بحری بیڑا تیار کیا جس کے جہاز اگرچہ ہلکے تھے لیکن اس کے جانباز ملاح عرب تھے۔ سنہ ۳۱ھ مطابق سنہ ۶۵۲ء میں اسکندریہ کی بندرگاہ کے قریب رومیوں اور عربوں کے بحری بیڑوں کے درمیان جنگ ہوئی۔ رومی رات بھر اپنے جہازوں پر ناقوس اور گھنٹے بجاتے رہے۔ مسلمان اذانیں دیتے رہے۔ صبح کے وقت لڑائی ہوئی۔ رومی بیڑے نے شکست کھائی۔ قسطنطین ایک کشتی پر جزیرہ سسلی کے شہر سیراکوس (سَرَقوسہ) کی طرف بھاگ گیا جہاں لوگوں نے اُسے پکڑ کر قتل کر دیا۔ یہ قسطنطین اس ہرقل کا پوتا تھا جس نے حضرت رسول اکرمؐ صلی اللہ علیہ وسلم کا عہد پایا۔ اور جس نے شام اور فلسطین میں حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت میں اسلام کے لشکروں کا مقابلہ کیا۔ اور شکست کھائی۔

دیگر اہم واقعات اور اُمور

عہدِ عثمانؓ کے چند دیگر اہم واقعات جو مستند راوِیوں کی زبانی

ہم تک پہنچے ہیں درج ذیل ہیں:۔

(۱) قتلِ ہرمزان کا خون بہا:۔

حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد ابھی حضرت عثمانؓ خلیفہ منتخب نہیں ہوئے تھے کہ عبیداللہ ابن عمرؓ نے ایرانی سردار ہرمزان کو جو مسلمان ہو چکا تھا اور سعدؓ بن ابی وقاص کے عیسائی غلام کو طیش میں آکر قتل کر دیا۔ وجہ اس قتل کی یہ ہوئی کہ کسی شخص نے عبیداللہ کو بتایا کہ حضرت عمرؓ پر قاتلانہ حملہ کرنے سے پہلے ابولولو ہرمزان اور سعدؓ کے عیسائی غلام کے ساتھ مشورہ کرتا ہوا دیکھا گیا تھا۔ یہ تینوں سرگوشیاں کر رہے تھے کہ ایک شخص اُدھر جا نکلا۔ اُسے دیکھ کر یہ تینوں ایکا ایکی منتشر ہو گئے۔ اور ایک خنجر وہاں گر پڑا جو بالکل ویسا ہی تھا جس کے ساتھ حضرت عمر پر حملہ کیا گیا۔ عبیداللہ ابن عمرؓ نے یہ بات سُن کر ہرمزان اور سعد کے عیسائی غلام کو قتل کر دیا۔ سعدؓ نے حضرت عثمانؓ کے خلیفہ بن جانے پر استغاثہ پیش کیا۔ حضرت عثمانؓ نے کہا کہ یہ واقعہ میرے خلیفہ بننے سے پہلے کا ہے۔ اس لئے اس مقدمہ کا فیصلہ میں نہیں کر سکتا۔ حضرت علیؓ کی رائے یہ تھی کہ ہرمزان مسلمان تھا۔ اس لئے قتل مسلم کی پاداش میں عبیداللہ ابن عمرؓ پر قصاص جاری کیا جائے۔ لوگوں نے کہا کہ کل امیر المومنین مارے گئے۔ آج ان کے بیٹے کو قتل کر دو۔ حضرت عثمانؓ نے ہرمزان اور عیسائی غلام دونوں کے قتل کا خون بہا اپنی گرہ سے ادا کر دیا۔ لیکن معترض پھر بھی

یہ کہتے رہے کہ خلیفہ نے شریعت کا حکم جاری نہ کیا۔

(۲) ترتیبِ قرآن :۔

حضرت عثمان رضؓ کے عہد میں قرآنِ مجید کے متن اور اس کی قرأت کے متعلق بہت سے اختلافات رونما ہونے لگے۔ لوگوں کے پاس قرآن کریم کے نامکمل سے نسخے تھے۔۔ اور مختلف اقطاع کے لوگ اپنے اپنے لہجے کے مطابق اس کی قرأت کرنے لگے تھے۔ حذیفہ اور مسعود نے خلیفۂ وقت کو توجہ دلائی کہ قرآن پاک کو اختلاف سے بچانا چاہیئے۔ چنانچہ قراء کی ایک مجلس بٹھائی گئی جس نے فیصلہ کیا کہ قرآن پاک کو قریش کے لہجہ کے مطابق پڑھا جائے۔ اور جمع کیا جائے اور اسے اس نسخہ کے مطابق ترتیب دیدی جائے جو امّ المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے پاس خلیفہ اوّل کے وقت سے محفوظ رکھا ہے۔ اور جس کی ترتیب خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق ہے۔ چنانچہ اسی اصول کی بنا پر قرآن جمع کیا گیا اور اس کی سورتوں اور آیتوں کی ترتیب حضرت حفصہ رضؓ کے نسخہ کے مطابق مسلّم مان لی گئی۔ حضرت عثمان رضؓ نے حکم جاری کر دیا۔ کہ تمام مسلمان اپنے اپنے نسخوں کو حضرت حفصہ رضؓ کے نسخے کے مطابق مکمل اور مرتب کر لیں۔ اور نامکمل اور غیر مرتب نسخے تلف کر دیئے جائیں۔ حضرت عثمان رضؓ نے قرآن پاک کے مکمل نسخوں کی اشاعت اپنی مہر لگا کر کی۔

معترضین نے حضرت عثمان رضؓ کے خلاف اس امر کو بھی وجہ اعتراض

بنا لیا۔ کہ انہوں نے قرآن پاک کے نامکمل نسخے جو لوگوں کے پاس
کے پاس تھے آگ میں جلا دئے۔ بعد میں کوفہ میں حضرت علیؓ نے
یہ اعتراض سُنا تو ارشاد فرمایا کہ "خاموش! عثمانؓ نے ہم سب کی رائے
کے مطابق عمل کیا اگر میں خلیفہ ہوتا۔ تو میں بھی یہی کرتا" جمع و ترتیب
قرآن کا حکم سنہ ۳۰ ہجری میں جاری و نافذ ہوا۔

(۳) حرم کعبہ کی توسیع :۔

حضرت عثمانؓ نے حرم کعبہ کی توسیع کے لئے مکانات کو خرید کر گروانے کا کام جو حضرت عمرؓ نے شروع کیا تھا۔ جاری رکھا بعض لوگ اپنے مکان بیچنے پر رضامند نہ ہوتے تھے۔ ان کو حراست میں لے لیا گیا۔ اور ان کے مکانوں پر قبضہ جا کر حرم کعبہ کی توسیع کر دی گئی مکانوں کی مناسب قیمت مالکوں کے نام پر بیت المال میں جمع کر دی گئی۔ جو انہوں نے غصہ فرو ہونے پر لے لی۔ یہ واقعہ سنہ ۲۶ھ کا ہے۔

(۴) مسجدِ نبوی کی از سرِ نو تعمیر :۔

حرم کعبہ کی طرح حضرت عثمانؓ نے مدینہ شریف میں حرم نبوی کو بھی وسیع تر بنایا۔ اور مسجد نبوی ؐ کو از سرِ نو تعمیر کرایا۔ لکڑی کے ستونوں کے بجائے پتھر کے ستون لگائے گئے۔ دیواریں پختہ بنوائیں جن میں جا بجا قیمتی پتھر جڑے گئے۔ (سنہ ۳۲ھ مطابق سنہ ۶۵۲ء)

(۵) خاتم رسول ؐ کی گمشدگی :۔

سنہ ۲۹ھ میں حضرت عثمانؓ چاہ زمزم کی صفائی کرا رہے تھے

کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی جو حضرت عثمانؓ نے خلیفۃ الرسول ہونے کے باعث اپنی انگلی میں پہن رکھی تھی کنوئیں کے اندر گر پڑی۔ اور تلاش کرنے پر بھی نہ مل سکی۔ حضرت عثمانؓ کو دوسری انگوٹھی بنوانی پڑی۔ اس حادثے سے عامۃ المسلمین بہت متافر اور آزردہ خاطر ہوئے۔ اور بہت لوگوں کے دل حضرت عثمانؓ سے بیزار ہو گئے۔

فتنوں اور فسادوں کا ظہور

یہ صحیح ہے۔ کہ خلیفہ ثانی حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی وفات پر اکابر امت کا ایک طبقہ حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو مسندِ خلافت پر متمکن کرانے کا آرزومند تھا۔ لیکن جب عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے حکم ہونے کی حیثیت میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امیر المومنین بنانے کا فیصلہ صادر کر دیا۔ تو سب لوگوں نے صدق دل سے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اور ان کی اطاعت و امداد کرنا اپنا دینی و ملی فریضہ سمجھنے لگے۔ لیکن حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں حالات و کوائف نے کچھ ایسی رنگت اختیار کر لی۔ کہ عامۃ المسلمین میں ذہنی خلفشار پیدا ہونے لگا۔ جو ترقی کرتے کرتے خلیفۂ ثالث کے اندازِ حکمرانی سے بیزاری پیدا کرنے کی کیفیت پیدا کرنے پر منتج ہوا۔ اور یہ بیزاری بالآخر مظاہروں۔ شورشوں۔

بغاوتوں - اور فسادوں کی صورت اختیار کر کے نہایت ہی مکروہ حالات میں حضرت عثمانؓ کی شہادت پر منتج ہوئی - جن فتنوں کشمکشوں اور اختلافوں کی بنیادیں اس عہد میں رکھی گئیں - وہ مسلمانوں کی تاریخ کے بہت سے اوراق کو مسلمانوں ہی کے خون کی سُرخیوں سے رنگین بناتی چلی گئیں - اس عہد کی گود میں پرورش پانیوالے فتنوں نے اسلام کی تاریخ کا دھارا ہی بدل دیا - اور نہایت قلیل عرصے کی کشمکش کے بعد مسلمانوں کی قوم بھی جو نوعِ انسانی کو شرفِ انسانیت کا خلعت پہنانے کا بہت بڑا مشن لے کر اٹھی تھی اسی گردشِ ایام کی اسیر بن کر رہ گئی - جس میں دُنیا کی دُوسری قومیں نوعِ انسانی کے آغاز کے وقت سے لیکر آج تک مبتلا ہوتی چلی آئی ہیں - ان فتنوں اور فسادوں کے اسباب وعلل کو پرکھنے کے لئے جو بعد میں پے درپے ظہور پذیر ہوئے - ضروری ہے کہ عہد عثمانؓ کے حالات وکوائف اور اس دَور کے مسلمانوں کے رحجانات وخیالات کا جائزہ نظرِ غائر سے لیا جائے - اس لئے ہم کسی قدر تفصیل کے ساتھ ان حالات کو بیان کریں گے - جو اسلام کی تاریخ میں فتن کا باب کھولنے کا موجب بنے -

عوام میں بددلی اور بیزاری

اور اس کے اسباب وعلل

خلیفۂ ثانی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خطرات جو انہوں نے

بستر مرگ پر ظاہر کئے بے بنیاد نہ تھے۔ انہیں اندیشہ تھا کہ اگر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ امیرالمومنین بنائے گئے۔ تو بنو ہاشم اپنا خاندانی اقتدار قائم کرنے کے درپے ہو جائیں گے۔ اور اگر حضرت عثمان رضؓ خلیفہ بنے تو بنو امیہ اپنے خاندانی اقتدار کو امتِ مسلمہ کے سر پر مسلط کرنے کی کوشش میں لگ جائیں گے۔ اسی لئے حضرت عمر رضؓ نے حضرت علیؓ کو یہ وصیت کی کہ "اے علی! اگر آپ خلیفہ بنیں تو بنی ہاشم کی رعایت نہ کرنا" اور حضرت عثمان رضؓ کو تاکید فرمائی کہ "اے عثمان اگر آپ خلیفہ بنیں تو اپنے رشتہ داروں کو لوگوں کی گردن پر مسلط نہ کر دینا"۔ حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد خلیفہ بننے کا قرعۂ فال حضرت عثمان رضؓ کے نام پر نکلا اور ان کے عہد میں خاندانِ بنو امیہ کے افراد اپنے آپ کو عرب کے حکمران سمجھنے لگے بنی ہاشم کو چھوڑ کر باقیماندہ قریش قبیلے بھی استکبار کے اس احساس میں شریک ہو گئے۔ بنو امیہ اور قریش کا یہ حاکمانہ استکبار عام مسلمانوں میں بددلی اور بیزاری کے احساسات پیدا کرنے پر منتج ہونے لگا۔ کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مساوات کی تعلیم دی تھی اور انہیں بتایا تھا کہ تم میں سے واجب الاحترام وہی لوگ ہیں جو زیادہ پرہیزگار اور خدا ترس ہیں۔ قریش کی روش کو دیکھ کر وہ سوچنے لگے کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ قریش کی اس روش کے خلاف سب سے پہلے کوفہ اور بصرہ کی چھاؤنیوں میں بددلی کا احساس پیدا ہوا جن میں دوسرے عرب قبائل کے لوگ آباد تھے۔ بدوی زندگی کے خصائل ان لوگوں میں کوٹ کوٹ کر

بکھرے ہوئے تھے۔ اور یہ بہت آزاد منش لوگ تھے۔ جو کسی کا بے جا
رُعب یا ناروا اقتدار طبعاً برداشت نہیں کر سکتے تھے حضرت عمرؓ کے
عہد میں بھی ان چھاؤنیوں کے باشندے اپنے گورنروں کی شکایات
بارگاہِ خلافت میں بھیجا کرتے تھے۔ اور بعض گورنروں کو کسی نہ کسی خطا یا
قصور کی بناء پر معزول کرانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ عہد عثمانؓ کے
آغاز میں مغیرہ کوفہ کے حاکم تھے۔ حضرت عثمانؓ نے انہیں واپس بلا کر
سعد ابن ابی وقاصؓ فاتح مدائن کو پھر کوفہ کا حاکم بنا دیا۔ سعدؓ نے
بیت المال سے کچھ پیشگی رقم لے لی۔ بیت المال کے نگران ابن مسعود نے
اس رقم کی واپسی کا تقاضا کیا۔ معاملہ دربارِ خلافت تک پہونچا حضرت
عثمانؓ نے ایک سال کے بعد سعد کو واپس بلا لیا۔ اور ولید ابن عقبہ
کو ان کی جگہ کوفہ کا حاکم بنا دیا۔ یہ ولید حضرت عثمانؓ کا سوتیلا بھائی
تھا۔ ولید نے ایک سرکردہ کوفی پر قتل کے الزام میں قصاص کا حکم جاری
کیا اس پر کوفیوں کا ایک گروہ بگڑ گیا۔ اس نے ولید پر شراب خوری کا
الزام لگایا اور خلیفہ کے دربار میں اس الزام کو پایۂ ثبوت تک پہنچا دیا۔ حضرت
عثمانؓ نے ولید کو معزول کر دیا۔ اور اس کی جگہ سعید ابن العاص کو
کوفہ کا حاکم بنا دیا۔ سعید بھی حضرت عثمانؓ کا رشتہ دار تھا۔ سعید
نے کوفہ کی گورنری کا چارج لینے کے بعد دربار خلافت میں جو رپورٹ
بھیجی وہ بنو امیہ کے حاکمانہ استکبار کی ذہنیت کا اظہار کر رہی ہے۔
اس نے لکھا:۔

"کوفہ کے بدوی عرب بہت سرکش ہیں۔ نسب و شرافت کا امتیاز اُٹھ چکا ہے ہر شخص اپنی راہ چل رہا ہے۔"

سعید ابن العاص نے کوفہ کی مسجد میں جو پہلا خطبہ دیا اس میں بھی کچھ اسی قسم کا اندازِ گفتار اختیار کیا اور کہا:۔

"اے لوگو۔ تمہاری سرکشیاں لوہے کی لٹھ سے مٹا دی جائیں گی۔"

سعید کی اس روش اور پالیسی کا ردِ عمل کوفہ کے عوام پر یہ ہوا کہ لوگ ایک دوسرے سے یہ کہہ کر خلیفہ کی حکومت سے بیزاری کا اظہار کرنے لگے کہ ایک قریشی کے بعد دوسرا قریشی آجاتا ہے جو پہلے کی بہ نسبت بدتر ثابت ہوتا ہے۔ ہمارے احتجاج کا نتیجہ اس کے سوا اور کسی صورت میں برآمد نہیں ہوتا کہ بھاڑ سے نکلے چولھے میں گرے آسمان سے گرے کھجور میں اٹکے۔"

سعید عام عربوں کو حقیر اور قریش کو محترم اور ممتاز سمجھتا تھا۔ اس نے سواد (عراق عرب کی سرزمین کے زرخیز خطّہ (جو دریائے فرات کے بائیں کنارے پر تھا) میں قریش کے خاندانوں کو بھی آباد ہونے کی اجازت دے دی۔ اس سرزمین کو کوفہ کے غازی اپنی جاگیر تصور کرتے تھے۔ کیونکہ یہ سرزمین انہی کی تلواروں نے فتح کی تھی۔ ایک دن سعید نے محفل میں سواد کو حدیقتہ القریش (قریش کا باغ) کہہ دیا۔ نڈر اور بے باک کوفیوں نے فوراً اعتراض کیا اور کہا کہ گویا قریش نے یہ

زمین ہمارے نیزوں اور ہماری تلواروں کے بغیر ہی سر کرلی تھی"۔ اسی طرح ایک اور موقع پر محفل جمی ہوئی تھی۔ اور لوگ طلحہ کی شجاعت کا ذکر کر رہے تھے۔ سعید نے کہا۔ بلاشبہ وہ بہادر شہسوار ہے۔ بدؤں کے جھوٹے موتیوں میں ایک سچا موتی۔ اس جیسے تم میں چند اور لوگ ہوں تو ہم قریش اپنے گھروں میں جا بیٹھیں" اتنے میں بنی اسد کے ایک نوجوان نے ازراہِ تملق سعید سے کہا کہ دریا کے کنارے کوفہ کے قریب آپ کی زمین ہونی چاہیئے اس پر کوفہ کے بدوی بھڑک اُٹھے اُنہوں نے کہا کہ کیا سعید ہمارے سواد سے کاٹ کر زمین لے گا۔ اس پر حاضرین محفل میں بہت تُو تُو مَیں مَیں ہوئی اور سخت کلامی کی نوبت آگئی، قریب تھا کہ تلواریں میانوں سے باہر نکل آئیں۔ لیکن معاملہ رفع دفع کر دیا گیا۔ اس واقعہ کے باعث کوفہ کے لوگوں میں حاکم کے خلاف بہت جوش پھیل گیا۔ عوام علی الاعلان حاکم کے خلاف نفرت کا اظہار کرنے لگے۔ سعید نے دربارِ خلافت میں اطلاع بھیجی کہ کوفہ کی حالت بگڑ رہی ہے اور کوفہ والوں کے دس سرغنہ اشخاص کو گرفتار کر کے شام کے شہر دمشق کی طرف بھیج دیا گیا" تاکہ یہ لوگ وہاں کے حاکم معاویہ ابن ابی سفیان کی شان و شوکت دیکھیں اور اُن کے دلوں پر بنو اُمیہ اور قریش کے جاہ و جلال کا رعب طاری ہو جائے۔ معاویہ رضی نے ان لوگوں کو دمشق میں سینٹ ماری کے گرجے میں زیرِ حراست رکھا معاویہ رضی صبح و شام اس راہ سے شان و شوکت کے ساتھ گزرتا تھا

اور انہیں اس بات پر لعن طعن کرتا تھا کہ وہ قریش کے مسلمہ اور ناقابلِ تردید امتیازی حق سے گستاخی کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ دمشق سے یہ لوگ حمص بھیجے گئے۔ حمص کے حاکم سعد ابن خالد نے ان پر سختیاں کیں اور ان کی خوب تذلیل کی۔ تا آں کہ یہ لوگ تنگ آکر تائب ہو گئے۔ لیکن شرم کے مارے واپس کوفہ نہ گئے بلکہ ملک شام ہی کی سکونت اختیار کر لی۔ کوفہ میں عوام کا اضطراب اور جوش ترقی کرتا گیا۔ سعید بہت پریشان ہوا۔ اور دربار خلافت کو کوفہ کے لوگوں کی سرکشی کے حال سے اطلاع دینے اور مشورہ کرنے کی غرض سے مدینہ چلا گیا۔

کوفہ میں شورش

سعید کے مدینہ جانے پر اہلِ کوفہ نے اپنے لیڈروں کو ملک شام سے بلا لیا۔ ان میں ایک شخص مالک الاُشتر نامی بھی تھا۔ مالک الاشتر نے کوفہ پہنچکر مسجد جامع کے سامنے عام لوگوں کے ایک مجمع میں بڑی پرجوش تقریر کی اور انہیں یہ کہہ کر اشتعال دلایا کہ ظالم حاکم دربار خلافت میں تمہارے خلاف سازشیں کرنے کے لئے گیا ہے۔ اس کے واپس آنے پر تمہارے وظائف بند کر دئے جائیں گے اور سواد کی زمین کو قریش کا باغ بنا لیا جائے گا۔ جسے تمہاری تلواروں نے فتح کیا تھا۔ قائم مقام حاکم نے لوگوں کو صبر کی تلقین کی اور ان کا جوش ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔ لیکن کچھ اثر نہ ہوا قعقاع نے کہا کہ دریا طغیانی پر ہو تو اس کو

روکا نہیں جا سکتا۔ اسی طرح لوگوں کے اشتعال کو بھی روکا نہیں جا سکتا تا آن کہ اُن کا مطالبہ پورا کر دیا جائے۔ یزید نامی ایک شخص نے اسی مجمع میں جھنڈا گاڑ دیا اور کہا کہ جو لوگ ظالم حاکم کو روکنے کے لیے آمادہ ہیں وہ اس جھنڈے کے نیچے آ جائیں۔ ایک ہزار کے قریب آدمی جھنڈے کے گرد جمع ہو گئے۔ یہ جمعیت سعید کی راہ روکنے کے لئے قادسیہ تک گئی۔ اُدھر سے سعید واپس آ رہا تھا۔ اس نے کہا کہ ایک کے مقابلے میں ہزار کی جمعیت کے کیا معنی؟ اگر تم کچھ کہنا چاہتے تھے تو اپنے نمایندے بھیج دیتے۔ سعید کے خادم نے آگے بڑھنے کی کوشش کی۔ مالک الاشتر نے اُسے قتل کر دیا۔ سعید مدینہ کی طرف بھاگ گیا۔ حضرت عثمانؓ سعید کی رپورٹ سُن کر بہت مشوش ہوئے اور اُنھوں نے باشندگانِ کوفہ کا مطالبہ منظور کر لیا۔ اور سعید ابن العاص کی جگہ ابو موسٰی اشعری کو کوفہ کا حاکم بنا دیا۔ ابو موسٰی کوفہ پہنچے۔ سالار اور نائب حاکم نے استقبال کیا۔ ابو موسٰی نے بیعت لی۔ اور نماز کی امامت کرائی۔ شورش کا طوفان تھم گیا۔

بصرہ کی کیفیت

حضرت عثمانؓ کے خلیفہ بننے کے وقت ابو موسٰی اشعری بصرہ کی ولایت کے حاکم تھے اور لوگوں کو سادہ زندگی بسر کرنے اور سخت کوشی کی عادت ڈالنے کی تلقین کیا کرتے تھے۔ بصرہ کے مجاہد بدوی بھی

کوفہ والوں کی طرح آزاد منش لوگ تھے۔ انہوں نے حسبِ عادت دربارِ خلافت میں ابو موسیٰ کے خلاف شکایات کیں۔ اور اُن پر الزام لگائے کہ یہ حاکم دولت جمع کر رہا ہے۔ سرکاری زمین کی پیداوار خود کھا جاتا ہے۔ قریش سے رعایت کرتا ہے۔ اور عام عربوں کے ساتھ سختی سے پیش آتا ہے بلکہ اُن پر ظلم کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتا حضرت عثمان رضؓ نے دادرسی کرتے ہوئے ابو موسیٰ کو معزول کر دیا اور اُن کی جگہ عبداللہ ابن عامر کو بصرہ کا حاکم بنا دیا جو خلیفہ کا عم زاد بھائی تھا۔ خلیفہ کا فرمان پڑھ کر ابو موسیٰ نے بصرہ کے لوگوں سے کہا کہ اب تمہیں اپنی دلی خواہش کے مطابق ٹیکس لینے والا حاکم مل جائے گا جس کے بھائی اور بھتیجے۔ پھوپھیاں اور چچے بہت ہیں۔ وہ اِن سب کو تمہارے سروں پر مسلّط کر دے گا۔ ابو موسیٰ کا خیال صحیح ثابت ہوا اور عبداللہ ابنِ عامر نے وہی کیا جو ابو موسےٰ نے کہہ دیا تھا۔ ابن عامر بصرہ کا امن بحال رکھنے میں تو کامیاب رہا۔ لیکن عوام کے دلوں میں خلیفہ عثمان رضؓ کے نظم ونسق سے بیزاری کے احساسات بڑھتے چلے گئے۔

مصر (فسطاط) کی حالت

مملکتِ اسلامیہ کے پانچویں بڑے مرکز فسطاط (مصر) میں بھی عبداللہ ابن سرح کے حاکم بنائے جانے سے عوام میں بیزاری کی لہر پیدا ہو گئی۔ عبداللہ ابن ابی سرح دربارِ رسالت کا معتوب تھا

اس نے وحی لکھنے میں خیانت کی تھی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے دھتکار دیا تھا۔ یہ شخص بھی حضرت عثمانؓ کا رشتہ دار تھا۔ اُسے مصر کا حاکم بنا دیا گیا تو عام مسلمانوں نے اس تقرر کو سخت ناپسندیدگی کی نگاہوں سے دیکھا اور اس کے خلاف عام نفرت پھیلنے لگی عبداللہ ابن ابی سرح نے لوگوں کی توجہ کو دوسری جانب لگانے کے لئے جزیرہ قبرص کی بحری مہم اور تیونس کی بری مہم بھی اختیار کی۔ مسلمان ان مہموں میں اس جوش و خروش سے شامل ہوئے جس جوش و خروش سے وہ پہلے ایسی مہموں میں حصہ لیا کرتے تھے لیکن معترضین نے ابن ابی سرح کے اس اقدام کو بھی خلاف شریعت قرار دیا اور کہا کہ اُس نے کسی شرعی غرض و ضرورت کے بغیر محض اظہار شجاعت کیلئے مہمیں اختیار کیں اور مسلمانوں کی جانیں ضائع کرا دیں۔ غرض کوفہ اور بصرہ کی طرح فسطاط میں بھی حضرت عثمانؓ کے انداز حکمرانی اور طریق نظم و نسق کے خلاف عام بیزاری پھیلنے لگی۔ اور شکایت و اعتراض کی زبانیں بہت لمبی ہو گئیں۔ عام لوگ کھلم کھلا حضرت عثمانؓ پر اقربا نوازی جانب داری اور شیخینؓ کے مسلک سے انحراف کرنے کے الزامات عاید کرنے لگے۔ یہ تھا ردعمل۔ خاندان بنو اُمیّہ اور قریش کی متکبرانہ روش کا جو حضرت عثمانؓ کے خلیفہ بن جانے پر اپنے آپ کو حکمران طبقہ کے افراد سمجھنے لگے تھے اور عام مسلمانوں اور دوسرے عربوں سے یہ توقع کرتے تھے کہ وہ اُن کے مطیع و منقاد بن کر رہیں الائمۃ من القریش

کا پرانا مقولہ ہر وقت ان کے وردِ زبان رہتا تھا۔ یہ لوگ حضرت عثمانؓ کی خلافت کو اپنے خاندانی اقتدار کی اجارہ داری قائم کرنے کے لیے استعمال کرنے لگے۔ حضرت عثمانؓ جو ویسے بھی نرم طبع بزرگ تھے اور خلیفہ بنے تو ضعیف العمری کے باعث اور بھی نرم طبع بن چکے تھے۔ اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کے مشوروں پر انحصار کرنے لگے۔ لیکن ان کے یہ عزیز اور رشتہ دار ان کی طرح فرض شناس و دیندار لوگ نہ تھے۔ انہوں نے حضرت عثمانؓ کی طبعی کمزوری کو اپنی دنیوی شان و شوکت بڑھانے کیلئے استعمال کرنا شروع کر دیا۔ اور یہ بات اُمتِ مسلمہ میں طرح طرح کے فتنے پیدا کرنے کا موجب بن گئی جن کا ذکر آگے چل کر کیا جائے گا۔

ابن سبا کا پروپیگنڈا

اس قسم کے ماحول میں ابن سبا یا ابن سودا نامی ایک شخص مسلمانوں میں دینی معلم کی حیثیت سے نمودار ہوا یہ شخص یمن کا یہودی تھا۔ اس نے بصرہ میں آکر دین اسلام اختیار کر لیا۔ ابن سبا اپنے وقت کا جید عالم تھا۔ بصرہ میں رائے عامہ سے متاثر ہو کر یا کسی اور خیال سے اس شخص نے خلیفہ وقت کے خلاف وعظ و تلقین شروع کر دی۔ اور عوام الناس کی بیزاری کو جو بنو اُمیہ اور قریش کے استکبار کا نتیجہ تھی مذہبی معتقدات کا رنگ دینے لگا۔ اس نے مسلمانوں میں یہ نئے عقائد رائج کرنے کی کوشش کی کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح زندہ

ہو کر اُمت کی رہنمائی کے لئے آئیں گے۔ خلافت کے جائز حقدار حضرت علیؓ ہیں۔ حضرت عثمانؓ غاصب ہیں۔ اور ان کے مقرر کردہ حاکم کافر اور ظالم ہیں۔ حق و صداقت کی حمایت کا تقاضا یہ ہے کہ اُن کے اقتدار کا تختہ اُلٹ دیا جائے۔ یہ شخص بصرہ میں نہ ٹھہر سکا۔ وہاں سے کوفہ گیا۔ کوفہ میں بھی لوگوں نے اُس کے نئے دینی معتقدات کو قبول نہ کیا۔ اُس نے شام کی راہ لی۔ وہاں سے نکالا گیا تو یہ شخص مصر چلا گیا۔ مصر میں اُسے ٹھہرنے کا سہارا مل گیا۔ اِس نے اِن نئے معتقدات کے متعلق رسائل لکھ کر ملکتِ اسلام کے طول و عرض میں پھیلائے۔ اور دُور و نزدیک کے جو سرکردہ لوگ خلیفہ کے نظم و نسق سے بیزار تھے اُن سے خط و کتابت کی۔ اور ان کے ساتھ تعلقات بڑھائے۔

اب اسلام کی مملکت میں ایک گروہ ایسا بھی پیدا ہو گیا جو دینی عقیدہ کے طور پر حضرت عثمانؓ کی خلافت کو ناجائز سمجھنے لگا اور حضرت عثمانؓ نے جو اچھے اقدامات بھی کئے تھے اُنہیں بُرے رنگ میں ظاہر کرنے لگا۔ مثلاً جمع قرآن کی کوشش کے سلسلے میں مشتبہ اوراق کو آگ میں جلانے کے حکم کو کلام پاک کی بے ادبی ظاہر کیا گیا۔ خاتمِ رسولؐ کے گم ہو جانے کو حضرت عثمانؓ کی نااہلی خلافت کا قدرتی اشارہ بتایا گیا۔ حضرت عثمانؓ منبر کی دوسری سیڑھی پر کھڑے ہو کر خطبہ دینے لگے تھے۔ ان کے اس اجتہاد کو بھی شیخینؓ کے مسلک سے انحراف قرار دیا گیا جو خطبہ کے وقت منبر کے پہلے زینہ پر کھڑے ہوا کرتے تھے۔ اس کے

علاوہ ان پر ایک مسجد کے انہدام سنتوں میں چار رکعتوں کے اجبار بیت المال میں فضول خرچی وغیرہ کے الزامات بھی عاید کئے گئے۔ قصہ مختصر حضرت عثمانؓ کے عہد کے نظم ونسق کی خرابیوں کے خلاف عام بیزاری نے اس قدر شدت اختیار کرلی کہ کچھ لوگ مسلمانوں کو خلیفۂ وقت کے خلاف خروج کرنے پر آمادہ کرنے کے لئے ہر قسم کا پروپیگنڈا کرنے لگے اور خلیفۂ وقت کے خلاف نفرت بڑھتی اور پھیلتی چلی گئی۔

مدینہ میں اضطراب

اس عام بے چینی سے جو دمشق اور شام کو چھوڑ کر مملکت کے دوسرے مراکز کوفہ بصرہ اور فسطاط میں پھیل رہی تھی دارالخلافت مدینہ بھی متاثر ہونے لگا اور مدینہ کے لوگ بھی اس کیفیت بد کے خلاف کھلم کھلا شکایات کرنے لگے۔ جو دربارِ خلافت کی اقربا نوازی اور بنو امیہ اور قریش کے حاکمانہ استکبار کے باعث رونما ہو چکی تھی۔ مدینہ کے سرکردہ اشخاص جن میں سے صرف زید ابن ثابت حسان ابن ثابت۔ کعب بن مالک۔ اور ابو اُسید محتاط رہے۔ باقی سب شکایت کرنے لگے۔ بنو امیہ کو کوئی شکایت نہ تھی اس لئے وہ خلیفہ کی حمایت کا دم بھرتے تھے۔ مدینہ کے سرکردہ اشخاص نے خرابی اور بے چینی کو ترقی پذیر دیکھ کر حضرت علیؓ سے کہا کہ آپ حضرت عثمانؓ کو اس قبیح صورتِ حال سے آگاہ کریں۔ حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ کے پاس

گئے اور اُن سے کہا:۔

" لوگوں نے مجھے مجبور کیا ہے کہ میں اُمورِ خلافت میں آپ کے ساتھ حُجت کروں۔ لیکن میں آپ سے کیا کہہ سکتا ہوں۔ آپ رسول خدا (ص) کے داماد اور ان کے ساتھی ہیں۔ یہ بات آپ بھی جانتے ہیں میں بھی جانتا ہوں۔ آپ کے لئے راستہ کُھلا ہے۔ طریقِ کار واضح ہے لیکن آپ نے اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ رکھی ہے۔ آپ دیکھ نہیں رہے ہیں کہ کیا ہو رہا ہے؟ اگر ایک دفعہ خونریزی تک نوبت پہنچ گئی تو یہ قیامت تک جاری رہے گی۔ حق محو ہو جائے گا۔ باطل اور فریب سمندر کی موجوں کی طرح ٹھاٹھیں مارنے لگے گا۔"

حضرت عثمان رضؓ نے جواب دیا کہ آپ بھی یہ کہہ رہے ہیں؟ جہاں تک میرے مقدور میں ہے میں بہتر سے بہتر کر رہا ہوں۔ جن حاکموں کے متعلق آپ کہہ رہے ہیں اُن کی حقیقت یہ ہے کہ مغیرہ کو عمرؓ نے حاکم بنایا تھا۔ اگر میں نے بھی بنا دیا تو کیا ہوا۔ ابن عامر بلاشبہ میرا قریبی ہے لیکن سوال یہ ہے کہ کیا وہ اس منصب کا اہل نہیں؟"

حضرت علی رضؓ نے جواب دیا" لیکن عمرؓ اپنے نائبوں پر ضبط رکھتے تھے۔ اگر وہ غلطی کرتے تھے تو انہیں سزا دیتے تھے۔ اُن کے مقابلے میں آپ اپنے نائبوں سے نرمی کا برتاؤ کر رہے ہیں۔ کیوں کہ وہ آپ کے قریبی ہیں۔"

حضرت عثمان رضؓ نے کہا کہ" اور معاویہ! انہیں بھی عمرؓ ہی نے

شام کا حاکم بنایا تھا" حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ "یہ ٹھیک ہے۔ لیکن عمرؓ کا غلام عمرؓ سے اتنا خائف نہ تھا۔ جتنا معاویہؓ ان سے ڈرتا تھا۔ لیکن اب وہ کھلے بندوں جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اور برملا کہتا ہے کہ عثمانؓ مجھ سے مواخذہ نہیں کریں گے۔ آپ نے اسے اپنے حال پر چھوڑ رکھا ہے۔"

عوام و خواص مسجد نبوی میں جمع تھے۔ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ کی زبانی عوام کی شکایت کا حال سن کر مسجد میں آئے۔ اور منبر پر کھڑے ہو کر تقریر کی۔ آپ نے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:۔

"تم میرے خلاف باتیں بنانے لگے ہو۔ برے لیڈروں کی پیروی کر رہے ہو۔ میرا نام سیاہ کرنے کے خواہاں ہو۔ میرے قصوروں کو بڑھا چڑھا کر دکھاتے ہو۔ اور میری نیکیوں کو چھپاتے ہو۔ تم انہی باتوں پر مجھے مطعون کر رہے ہو جو تم عمرؓ کے ہاتھوں خوشی سے برداشت کیا کرتے تھے۔ عمرؓ تم پر سختی کرتے تھے۔ تمہیں دروں سے سزائیں دیتے تھے۔ برا بھلا کہتے تھے اور تم صبر و تحمل سے ہر پسند و ناپسند کو برداشت کر لیتے تھے۔ میں تم سے نرمی کا برتاؤ کرتا ہوں۔ اپنا جسم جھکا رہا ہوں۔ زبان کو قابو میں رکھتا ہوں۔ تمہیں سزائیں نہیں دیتا۔ لیکن تم مجھ سے سرکش ہو رہے ہو۔ میں نے تمہارے لئے بہت اچھے اچھے کام کئے۔ امن و خوشحالی کا دور لایا۔ لہذا ان باتوں سے

باز آجاؤ۔ نہ مجھے بُرا کہو۔ نہ میرے حاکموں کی بُرائی کرو۔ ورنہ تم اسلام کی سلطنت میں فتنہ و فساد اور بغاوت کی آگ مشتعل کردو گے۔"

مروان نے جو حضرت عثمانؓ کا رشتہ دار اور خلیفہ کا کاتب اور مُہر بردار تھا۔ کھڑے ہو کر کہا "اگر تم نے خلیفہ کی مخالفت جاری رکھی تو ہم تلوار سے نبٹ لیں گے"۔ حضرت عثمانؓ نے کہا "خاموش رہو۔ مجھے اپنے لوگوں سے نبٹنے دو کیا میں نے تمہیں خاموش رہنے کے لئے نہیں کہا تھا"۔ یہ کہہ کر عثمانؓ منبر سے اُتر آئے۔

اس خطبے کا کوئی اثر نہ ہوا۔ بیزاری اور اضطراب بڑھتا گیا عامۃ المسلمین کا مطالبہ یہ تھا کہ آپ خلافت سے دست کش ہو جائیں یا مروان کاتب ابن عامر حاکم بصرہ۔ اور عبداللہ ابن ابی سرح حاکم مصر کو معزول کردیں۔ مدینہ کے سرکردہ لوگ خفیہ جلسے کر کے آپس میں مشورے کرنے لگے کہ فتنہ پھیل رہا ہے اس کا علاج کیا جائے دربار خلافت نے محمد بن مسلمہ اسامہ بن زید۔ عبداللہ بن عمر اور عمار بن ثابت کو کوفہ۔ بصرہ۔ دمشق اور فسطاط کی طرف ولایات کا حال دریافت کرنے کے لئے بھیجا۔ تین معائنوں نے رپورٹ پیش کی کہ ان اطراف میں امن ہے۔ عمارؓ واپس نہ آئے بلکہ مصر کے شورش پسندوں کے ساتھ مل گئے۔ حضرت عثمانؓ نے ایک فرمان کے ذریعے اعلان جاری کیا کہ حج کے موقع پر سب حاکم جمع ہوں۔ لوگوں کو چاہیے کہ شکایات پیش کریں۔ صحیح شکایات کا ازالہ

کردیا جائے گا۔ اگر شکایات بے بنیاد ثابت ہوں تو لوگوں کو چاہیئے کہ تائب ہو جائیں۔ اس اپیل کا بہت اچھا اثر ہوا اور دردمند دل رکھنے والے اشخاص رو دیئے، اور خلیفہ کے لئے رحم کی دعائیں کرنے لگے۔

مدینہ میں حاکموں کا اجتماع

سنہ ۳۳ھ مطابق سنہ ۶۵۴ء

حج کے موقع پر مدینہ میں ولایات کے حاکموں کی کانفرنس منعقد ہوئی اور مندوبین نے مختلف رائیں اور مشورے دیئے۔ سعد ابن ابی وقاص رضؓ نے کہا کہ سازشیوں اور باغیوں کو قتل کردیا جائے۔ معاویہؓ کی رائے یہ تھی کہ شام کی طرح مضبوط ہاتھوں سے امن و آئین اور ضبط و نظم بحال کیا جائے۔ عبداللہ ابن ابی سرح نے مشورہ دیا کہ وظائف بند کردیئے جائیں۔ ابن عامر نے کہا کہ باہر کی مہمیں اختیار کی جائیں تاکہ لوگوں کی توجہ دوسری جانب لگ جائے۔ حضرت عثمان رضؓ نے کہا کہ میں سختی سے کام نہ لوں گا۔ جو ہونی ہے ہو کر رہے گی۔ البتہ تم کو باہر کی مہمیں اختیار کرنے کی اجازت ہے۔ معاویہ رضؓ نے کہا کہ میرے ساتھ دمشق تشریف لے چلیئے۔ عثمان رضؓ نے درخواست مسترد کردی اور فرمایا کہ میں اس مقدس شہر کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں۔ معاویہؓ نے پوچھا کہ تو کیا میں آپ کی حفاظت کے لئے شام سے فوج بھیجدوں۔ حضرت عثمان رضؓ نے جواب دیا کہ

"میں جیرانِ رسول اللہ پر لشکر قائم نہیں کرونگا" معاویہ بولا "تو آپ تباہی کے منہ میں جارہے ہیں" حضرت عثمانؓ نے جواب دیا "پروا نہیں خدا میرا نگہبان ہے اور وہی مجھے کافی ہے" معاویہؓ خلیفہ کو الوداع کہہ کر رخصت ہو گیا۔

معاویہؓ جارہا تھا کہ راستے میں اُسے قریش کے کچھ آدمی ایک جگہ کھڑے دکھائی دیئے۔ حضرت علیؓ اور زبیرؓ بھی ان میں تھے۔ معاویہؓ نے اُن کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ ہم دَورِ جاہلیت کی طرف سَر کے بَل جارہے ہیں۔ خدا منتقم ہے کمزور کی مدد کرے گا۔ اس بوڑھے خلیفہ کی حفاظت کرنا تمہارا کام ہے۔ اس کی مدد کرنا تمہارے لئے اچھا ہوگا۔ الوداع" معاویہؓ کے جانے کے بعد حضرت علیؓ نے فرمایا کہ "ایسا ہی ہوگا جیسا اُس نے کہا ہے" حضرت زبیرؓ بولے "آج ہمارے دلوں پر عثمانؓ کے بارے بڑا بار اور کوئی نہیں"

مدینہ میں باغیوں کا اجتماع

۳۴ھ مطابق ۶۵۵ عیسوی

مختلف اقطاع کے شورش پسندوں نے اجتماع اور حرکت کی بات خط و کتابت کے ذریعے طے کرلی۔ شکایات پیش کرنے کے بہانے سے کوفہ۔ بصرہ اور فسطاط سے قافلے چلے۔ رجب ۳۵ھ میں شورش پسندوں کی بھگدڑ مکمل ہو گئی۔ اور لوگ ہر جگہ سے عمرہ

سکے عزم کا اعلان کرتے ہوئے روانہ ہونے لگے۔ فیصلہ یہ تھا کہ خلیفہ کے سامنے اس مضمون کے مطالبات پیش کئے جائیں کہ تلافی مافات کی جائے اور گورنروں کو معزول کر دیا جائے۔ اگر یہ منظور نہیں تو خلیفہ کو معزول کر دیا جائے اور اس کی جگہ کسی اور شخص کو خلیفہ منتخب کر لیا جائے۔ عبداللہ ابن سرح نے مصر سے دربارِ خلافت میں انتباہی رپورٹ بھیجی کہ لوگ بُرے ارادے سے مرکزِ خلافت کی طرف چل پڑے ہیں۔ دربارِ خلافت سے جواب ملا کہ اُن کا تعاقب کرو اور انہیں روکو، ابن ابی سرح نے تعاقب کیا لیکن لوگ نکل گئے تھے۔ ابن ابی سرح کی عدم موجودگی میں ابن ابو حذیفہ نے مصر کا نظم و نسق سنبھال لیا۔ جو قافلہ مصر سے چلا اس میں محمد ابن ابوبکرؓ بھی تھے۔

عبداللہ ابن ابی سرح کی رپورٹ ملنے پر حضرت عثمانؓ نے خطبہ دیا اور فرمایا :-

" یہ لوگ میرے لئے آ رہے ہیں۔ وہ وقت نزدیک ہے جب تم میری خلافت کو یاد کرو گے اور کہو گے کاش اس کا ایک دن سال سال بھر کا ہوتا۔ کیوں کہ وہ دَور فتنوں خونریزیوں۔ بدامنی اور خدا ناترسی کا دور ہوگا۔ زمین فتنوں سے معمور ہو جائے گی "۔

قافلے مدینہ کے نزدیک آ کر فروکش ہو گئے۔ مصری الگ۔ کوفی الگ اور بصرہ والے الگ ٹھہرے۔ مدینہ کے لوگوں نے خلیفہ کی اپیل سے متاثر ہو کر ہتھیار باندھ لئے۔ اور دفاعی تیاریاں مکمل کر لیں۔ مدینہ کی

فضا اُن دنوں اُسی طرح مخدوش تھی۔ جس طرح کہ حضرت صدیق اکبرؓ کے خلیفہ بننے پر فتنۂ ارتداد کے باعث پُرخطر ہو گئی تھی۔

مظاہرین نے امہات المومنینؓ اور شہر کے سرکردہ اشخاص کے پاس نمائندے بھیجے کہ ہم حرم نبوی کی زیارت کرنا چاہتے ہیں۔ اور خلیفہ وقت کے سامنے اس مضمون کی درخواست پیش کرنے کے خواہاں ہیں کہ بعض حاکم معزول کر دیئے جائیں۔ ہمیں ان مقاصد کے لیے شہر میں داخل ہونے کی اجازت دی جائے۔ لیکن اُنہیں اجازت نہ دی گئی۔ مصریوں نے حضرت علیؓ کے پاس۔ کوفیوں نے حضرت زبیرؓ کے پاس اور بصرہ والوں نے حضرت طلحہؓ کے پاس نمائندے بھیجے۔ حضرت علیؓ نے اُنہیں ڈانٹا کہ تم باغی ہو۔ رسولِ خدا کے ملعون ہو۔ زبیرؓ اور طلحہؓ نے بھی اُنہیں ایسے ہی جواب دیئے۔ وہ اپنا سا منہ لے کر واپس چلے گئے۔ اب اُنہوں نے پیغام بھیجا کہ ہم خلیفۃ المسلمین سے صرف یہ وعدہ لینا چاہتے ہیں کہ وہ صورتِ حال کی اصلاح کر دیں گے۔ عثمانؓ اتنا کہہ دیں ہم واپس چلے جائیں گے۔ حضرت عثمانؓ نے یہ وعدہ کر لیا اور محمد بن ابی بکر کو مصر کا حاکم مقرر کر دیا۔ قافلے واپس جانے لگے۔

پُراسرار مکتوب اور مظاہرین کی اشتعال انگیزی

مصر کا قافلہ اپنے نئے حاکم محمد ابن ابی بکرؓ کی سرکردگی میں

واپس جاتا ہوا ابھی تیسری منزل تک پہنچا تھا کہ اس کے چند آدمیوں نے حضرت عثمانؓ کے غلام کو تیز رفتار ناقہ پر سوار مصر کی طرف جاتے ہوئے دیکھ پایا۔ اُنہیں کچھ شک ہوا اور اُنہوں نے اس غلام کو پکڑ لیا "تلاشی لی گئی تو اس سے حضرت عثمانؓ کا ایک فرمان جس پر خلافت کی مُہر لگی ہوئی تھی برآمد ہوا۔ یہ فرمان عبداللہ ابن ابی سرح حاکم مصر کے نام تھا اور اس میں لکھا تھا کہ" محمد بن ابوبکر جو فرمان اپنے حاکم مقرر ہونے کے بارے میں لا رہا ہے اُسے منسوخ سمجھو اور اُسے اس کے ساتھیوں سمیت "قتل کر دو"۔

مصری قافلہ یہ حال دیکھ کر غیظ و غضب سے معمور ہو گیا۔ اور اُسلٹے پاؤں مدینہ کی طرف لوٹا۔ دُوسرے قافلوں کو بھی اطلاع بھیجدی گئی وہ بھی لوٹ آئے۔ ان لوگوں نے مدینہ کے نواح میں پھر ڈیرے ڈال دیئے۔ حضرت علیؓ چند آدمیوں کو لے کر دریافتِ حال کے لئے اُن کے ڈیروں میں تشریف لے گئے۔ پُوچھا کیا بات ہے؟ انہیں خلیفہ کا فرمان دکھایا گیا۔ حضرت علیؓ بہت حیران ہوئے۔ سیدھے حضرت عثمانؓ کے پاس گئے اور انہیں معاملہ سے آگاہ کیا۔ حضرت عثمانؓ نے کہا کہ مجھے اس خط کا قطعاً کوئی علم نہیں۔ البتہ اس پر مُہر میری ہی لگی ہوئی ہے۔ اور غلام بھی میرا ہے۔ اس پر مظاہرہ کنندگان کا ایک وفد حضرت عثمانؓ کے پاس آیا جس نے غصّے کے مارے سلام تک نہ کیا۔ اور حضرت عثمانؓ سے اس دُوسرے فرمان کے اجرا کے متعلق جواب

طلبی کی۔ حضرت عثمانؓ نے قسم کھائی کہ مجھے اِس خط کا کوئی علم نہیں۔
اہلِ وفد نے جو اِس کھلے فریب پر غصے میں بھرے ہوئے تھے کہا:۔

"اگر آپ سچ کہتے ہیں۔ تو بتایئے کہ کس نے یہ خط لکھا
کس نے اُس پر آپ کی مہر لگائی کس نے آپ کے
غلام کو روانہ کیا۔ اگر یہ نہیں بتا سکتے تو خلافت چھوڑ دیجئے
اِس کے آپ اہل نہیں"

اِس معمے کو کوئی حل نہ کر سکا۔ سب پریشان تھے۔ حضرت عثمانؓ منصبِ خلافت چھوڑنے کے لئے آمادہ نہ ہوئے۔ نہ اِس فرمان کے متعلق کوئی ایسی توجیہہ پیش کر سکے جو معترضین کی تسلی کر سکتی معترضین نے جنگ کی دھمکی دی۔ حضرت عثمانؓ نے کہا کہ "میں اِس بات پر اپنے مرنے کو ترجیح دوں گا کہ مسلمانوں میں خانہ جنگی ہو۔ اگر مجھے یہ منظور ہوتا تو فوج بلا سکتا تھا۔"

مدینہ کے لوگ یہ ماجرا دیکھ کر دم بخود رہ گئے۔ منظاہرین کھلے بندوں شہر میں آنے جانے لگے۔ وہ نمازوں میں شریک ہوتے اور حضرت عثمانؓ سے مطالبہ کرتے بلکہ گستاخی سے پیش آتے اور کہتے تھے کہ جواب دو۔ اہلِ مدینہ نے اِس دفعہ منظاہرین کو شہر میں آنے جانے سے روکنے کی کوشش نہ کی اور نہ ہتھیار باندھے جیسا کہ انہوں نے منظاہرین کے پہلے اجتماع کے موقع پر کیا تھا؟

اِس معمے کا کوئی حل کسی کو سجھائی نہ دیتا تھا۔ منظاہرین کی تسلی

صرف حضرت عثمانؓ کر سکتے تھے۔ لیکن اُنہوں نے کوئی تسلی بخش جواب نہ دیا۔ نہ منصبِ خلافت سے دست بردار ہونے پر آمادہ ہوئے۔ نہ جعلی فرمان کے متعلق کچھ کہہ سکے۔

ایک دن حضرت عثمانؓ نے منبر پر چڑھ کر خطبہ دیا اور کہا کہ:۔

"تم باغی ہو تم نے رسولِ خدا کے نائب اور خلیفہ کے خلاف خروج کیا ہے۔ توبہ کرو اور راہ راست پر آجاؤ"۔

مسلم اور زید بن ثابت حضرت عثمانؓ کی تائید کے لئے کھڑے ہوئے۔ لیکن مظاہرین نے اُنہیں بٹھا دیا۔ مجمع میں ہنگامہ برپا ہو گیا۔ مظاہرین نے اہلِ مدینہ کو مسجد سے باہر نکال دیا اور حضرت عثمانؓ پر پتھر برسائے۔ عثمانؓ پتھر کھا کر منبر سے گر پڑے۔ اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے چند دن اور مسجدِ نبوی میں نمازیں پڑھائیں لیکن باغیوں کی شورش کے باعث آخر خانہ نشین ہو گئے۔ حضرت عثمانؓ کے گھر کے دروازے پر اہلِ مدینہ نے پہرہ لگا دیا۔ حضرت علیؓ۔ حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ کے بیٹے بھی ان پہرہ داروں میں شامل تھے۔ ایک روز حضرت علیؓ۔ حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ مزاج پرسی کے لئے گئے تو مروان نے حضرت علیؓ کو مطعون کیا۔ حضرت علی ناراض ہو کر چلے گئے۔ مظاہرین مسجدِ نبوی پر قابض ہو چکے تھے۔ اُن کا امیر الغافقی نمازوں میں امام بنتا تھا۔ حضرت عثمانؓ نے یہ حال دیکھ کر شام اور عراق سے فوجیں طلب کیں معاویہ اور ابن عامر نے فوجیں بھیج دیں۔ لیکن

راستہ لمبا تھا۔ اور وہ جلد نہیں پہنچ سکتی تھیں۔

حضرت عثمانؓ کا آخری خطبہ اور محل کا محاصرہ

ایک روز حضرت عثمانؓ نے حضرت علیؓ۔ حضرت طلحہؓ۔ حضرت زبیرؓ کو بلایا اور گھر سے باہر نکل کر اُن سے ملے۔ تھوڑی دیر اُن سے بات چیت کرنے کے بعد حضرت عثمانؓ اپنے گھر کی چھت پر چڑھ گئے اور وہاں کھڑے ہو کر خطبہ دیا۔ لوگ گھر سے باہر جمع ہو گئے تھے ان میں معترضین بھی تھے اور مدینہ کے حیران و پریشان لوگ بھی تھے۔ حضرت عثمانؓ نے پہلے سب کو بیٹھ جانے کے لئے کہا سب بیٹھ گئے اس کے بعد آپ نے خطبہ دیا۔ اور اپنے خلیفہ بننے کا حال بیان فرمایا آپ نے باغیوں سے کہا کہ جان لینا صرف تین صورتوں میں جائز ہے اوّل ارتداد۔ دوم قتل۔ سوم زنا۔ میں ان میں سے کسی جرم کا مرتکب نہیں ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ باغی سرکشی سے باز آجائیں۔ ورنہ بغاوت اور خونریزی مسلمانوں میں ہمیشہ کے لئے جاری رہے گی۔ اور کبھی ختم نہ ہو گی۔ ہجوم میں سے آوازیں آئیں کہ جان لینا ایک چوتھی صورت میں بھی ضروری ہے۔ سچائی کو فریب سے چھپانا اور حق کو تشدد سے مٹانا بھی انسان کو سزائے موت کا مستوجب بنا دیتا ہے۔ تمہارے ظلم و طغیان کا تقاضا یہ ہے کہ خلافت چھوڑ دو یا قتل کے لئے تیار رہو جاؤ۔ عثمانؓ خاموش رہے تھوڑے وقفہ کے بعد آپ نے سب لوگوں کو جانے کے لئے کہا اور خود

بھی گھر کے اندر چلے گئے۔

اس خطبہ کے بعد باغیوں نے حضرت عثمانؓ کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ اور محاصرہ اس قدر شدید تھا کہ باغی پانی تک باہر سے اندر لے جانے کی اجازت نہ دیتے تھے۔ ایک روز حضرت عثمانؓ کے گھر کی ایک خادمہ اُمِ حبیبہ خچر پر پانی کی مشکیں لاد کر اندر لے جا رہی تھی۔ باغیوں نے خچر کی لگامیں کاٹ دیں۔ حضرت علیؓ نے باغیوں کو بہت سمجھایا کہ ایسا نہ کرو لیکن وہ نہ مانے۔ محاصرہ چالیس روز تک جاری رہا۔ اس اثنا میں مدینہ کے لوگ اپنے اپنے گھروں کے دروازے بند کر کے گوشہ نشین ہو گئے اور کچھ باہر چلے گئے اسی حالت میں خلیفہ نے عبداللہ ابن عباسؓ کو امیرِ حج بنا کر مکہ بھیج دیا۔ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ بھی حج کے ارادے سے مکہ کی طرف روانہ ہو گئیں۔ وہ اپنے بھائی محمد ابن ابی بکر کو بھی ساتھ لے جانا چاہتی تھیں لیکن وہ نہ مانے۔ مدینہ کے لوگوں کی خانہ نشینی ان کی حیرانی اور پریشانی ظاہر کر رہی ہے۔ وہ دیکھتے تھے کہ شورشیوں کی شکایات بھی درست ہیں اور وہ محسوس کرتے تھے کہ خلیفۃ المسلمین سے اس قسم کا سلوک کرنا بھی جیسا کہ باغی کر رہے ہیں درست نہیں۔ ان حالات میں وہ نہ تو باغیوں کا ساتھ دے سکتے تھے نہ وہ حضرت عثمانؓ کی خاطر ان مسلمانوں سے لڑنے کے لئے تیار تھے۔ جن کی شکایات غلط نہ تھیں۔ اور جن کا یہ مطالبہ کہ پُراسرار مکتوب کی جعلسازی کرنے والے شخص کو کیفرِ کردار تک پہنچایا جائے۔

سولہ آنے درست تھا۔ مدینہ کے لوگوں نے جن میں بہت سے لوگ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ تھے سمجھ لیا اور بجا طور پر سمجھا کہ ان فتنوں کے دروازے کھل گئے ہیں جن کا تذکرہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پیش گوئی کے طور پر فرمایا کرتے تھے۔ اور کہا کرتے تھے کہ ایسے حالات میں ایمان کو سلامت رکھنے کی صورت فقط یہ ہے کہ انسان گوشہ نشین اور عزلت گزین ہو جائے۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت

۱۸ ذوالحجہ سنہ ۳۵ ہجری ۷ جون سنہ ۶۵۶ عیسوی

ہم لکھ چکے ہیں کہ باغیوں کی شورش کو بڑھتے دیکھ کر دربارِ خلافت نے معاویہؓ حاکم شام اور ابن عامر حاکم بصرہ کو احکام بھیج دیئے تھے کہ فوج بھیج دیں۔ دمشق سے معاویہ کی بھیجی ہوئی فوج وادالقریٰ تک پہنچ گئی اور بصرہ سے ابن عامر کی بھیجی ہوئی سیاہ ربذہ کے مقام تک پہنچ گئی۔ باغیوں کو جب ان فوجوں کے کوچ کی اطلاع ملی تو انہوں نے حضرت عثمانؓ کے محل پر حملہ کر دیا۔ پہرہ کی گارد نے جس میں حضرت علیؓ حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ کے بیٹے بھی شامل تھے باغیوں کا مقابلہ کیا حملہ زور کا تھا۔ حضرت عثمانؓ نے حکم دیا کہ گارد اندر آجائے۔ پہرہ داروں نے محل کے اندر جا کر پھاٹک بند کر لئے۔ اور ایسا کرتے وقت تیروں کی

ایک باڑھ ماری جس سے باغیوں کا ایک آدمی ہلاک ہوگیا۔باغیوں نے دروازہ کو توڑنا چاہا۔آگ لگانے کی تیاریاں کیں۔اتنے میں کچھ لوگ ساتھ کے مکان کی چھت پر چڑھ کر محل کے اندر داخل ہوگئے۔پہرے داروں سے جنگ ہوئی۔ایک محافظ مغیرہ ثقفی مارا گیا۔مروان زخمی ہوکر گر پڑا۔باغی اس کا کام تمام کرنا چاہتے تھے کہ اُس کی سوتیلی ماں نے رحم کی التجا کی اور کہا کہ مرتے کو کیا مارتے ہو یہ جوانمردی نہیں۔

حضرت عثمانؓ گھر کے اندر ایک کمرے میں بیٹھے بڑے اطمینان سے قرآن پاک کی تلاوت کر رہے تھے۔تین باغی یکے بعد دیگرے اندر گئے اور خلیفہ کے اطمینان کو دیکھ کر ڈر گئے۔اُنہوں نے سوچا کہ ایسے حال میں حضرت عثمانؓ پر ہاتھ اُٹھانا قتل کا ارتکاب ہوگا۔محمد ابن ابوبکر نے آگے بڑھ کر خلیفہ کی داڑھی پکڑ لی۔اور کہا "بڈھے مکار! خدا تجھے ذلیل کرے"۔حضرت عثمانؓ نے کامل اطمینان و سکونِ خاطر سے جواب دیا کہ "میں مکار نہیں خلیفۃ الرسولؐ ہوں جسے عثمانؓ کہتے ہیں۔محمد ابن ابوبکر نے کچھ اور ناشائستہ کلمات کہے۔عثمانؓ بولے "میرے بھائی کے بیٹے! تیرا باپ تو میرے ساتھ یہ سلوک نہ کرتا۔خدا میری مدد کرے۔میں تیرے شر سے اُسی کی پناہ مانگتا ہوں"۔یہ سُن کر محمد ابن ابوبکر پیچھے ہٹ گیا۔اتنے میں باغیوں کے چند لیڈر اندر آگئے اُنہوں نے آتے ہی تلواریں ماریں اور خلیفہ کو زخمی کر دیا۔حضرت عثمانؓ کی بیوی نائلہ نے انہیں بچانے کی کوشش کی۔ان کی اُنگلیاں کٹ کر

زمین پر گر پڑیں۔ زخمی خلیفہ نے قرآن کے اوراق کو سنبھالا اور سینے سے لگا لیا۔ ایک ورق خون آلود ہوگیا۔ حضرت عثمان رضؓ کا خون اس آیت پر گرا۔ صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۖ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ (اللہ کا رنگ۔ اور اللہ کے سوا کس کا رنگ اچھا ہے اور ہم تو اسی کی پرستش کرنے والے ہیں)

غلاموں کے دستے نے بچانے کی کوشش کی۔ ایک غلام نے باغی لیڈر سودان کو مار گرایا۔ وہ خود بھی تلوار کی کاٹ کھا کر گر پڑا۔ باغیوں نے خلیفہ کے جسم میں تلواریں گھونپ دیں۔ حضرت عثمان رضؓ جاں بحق تسلیم ہو گئے۔ باغیوں نے جو فرطِ غضب اور جوشِ انتقام سے دیوانے ہو رہے تھے خلیفہ کی میت کی بے حرمتی کی۔ اس پر کودے اور ناچے۔ وہ خلیفہ کا سر کاٹنا چاہتے تھے کہ عورتوں نے چیخنا چلانا شروع کر دیا۔ اتنے میں کسی نے آواز دی کہ خزانے کی طرف چلو۔ سب اس طرف ٹوٹ پڑے۔ اور خزانہ لوٹ کر چلے گئے۔ حضرت عثمان رضؓ کے قاتل الغافقی۔ سودان اور کنانہ ابن بشر تھے۔ عمر ابن الحمق لاش پر ناچا اس نے حضرت عثمان رضؓ کو نو زخم لگائے تھے۔ باغیوں کے جانے کے بعد محل کے دروازے بند کر لئے گئے۔ خلیفہ۔ مغیرہ اور غلام کی لاشیں تین دن یونہی پڑی رہیں۔ چوتھے دن زبیر ابن مطعم۔ اور ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے بھتیجے حکیم ابن حزام نے حضرت علی رضؓ کی اجازت لے کر جنازے اٹھائے۔ جنازے کے ساتھ

حسن ابن علیؓ - زبیر اور عثمانؓ کے رشتہ دار شامل تھے - باغیوں نے جنازے پر پتھر پھینکے - اور حضرت عثمانؓ کی میت نماز جنازہ ادا کرنے کے بعد جنت البقیع کے قریب حش الکوکب کے قبرستان میں دفن کر دی گئی - شہادت اور وفات کے وقت حضرت عثمانؓ کی عمر ۸۲ سال کی تھی - اسلام کی تاریخ کا یہ پہلا بھیانک باب ہے - جس کے بدولت ملت مسلمہ میں فتنوں اور فسادوں کا ایک لا متناہی سلسلہ جاری ہو گیا جس کے دامن میں کئی طرح کی ہولناکیوں نے پرورش پائی -

واقعات پر مؤلف کا تبصرہ

حضرت عثمانؓ کے عہد کے ان واقعات کو سمجھنے سمجھانے کے سلسلے میں بحث و جدال کے بہت سے معرکے گرم ہوتے رہے ہیں اور نہ معلوم کب تک ہوتے رہیں گے - مسلمانوں میں ایسے گروہ بھی پیدا ہوئے جنھوں نے ان واقعات کی ذمہ داری حضرت عثمانؓ کے کندھوں پر ڈالی - اور اُن کی ایسی جمعیتیں بھی ہر دور میں موجود رہی ہیں جو ان واقعات کو مفسدہ پرداز باغیوں اور اسلام کے دشمنوں کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں کا نتیجہ قرار دیتے رہے ہیں - سارے قصے میں ایک طرف حضرت عثمانؓ کی بلند سیرتی - اُن کی حلیمی اور بردباری مسلمانوں کو خانہ جنگی، خونریزی سے بچانے کے لئے اُن کی خواہش و کوشش اتنی نمایاں نظر آ رہی ہے کہ کسی دشمن کو بھی اس پر اعتراض کی اُنگلی رکھنے کی جرأت

نہیں ہوسکتی۔ دوسری جانب معترضین کے بعض جائز اعتراضات کا تسلی بخش جواب دینے اور عوام کی جائز شکایات کا ازالہ کرنے سے حضرت عثمانؓ کا قاصر رہنا انسان کی طبیعت کو ایک عجب طرح کے خلجان میں مبتلا کر دیتا ہے۔ عہدِ عثمانؓ میں مسلمانوں کے اولی الامر طبقہ اور عوام کی یہ کش مکش جس ہولناک سانحہ پر منتج ہوئی اس نے "تاریخ کی نگاہ میں باغیوں کو ہمیشہ کے لئے مردود ٹھہرا دیا ہے۔ لیکن ان اسباب و علل کے صحیح ہونے میں کسی کو مجال انکار نہیں ہوسکتی جو عامۃ الناس کے طبائع کو خلیفہ اور اس کے حاکموں کی طرف سے برگشتہ کرنے کا موجب بنے اور آخرکار اس نہایت ہی مکروہ اور گھناؤنے سانحہ پر منتج ہوئے جس کا تذکرہ ہم اوپر کی فصل میں کر آئے ہیں۔ ان واقعات سے جو معتبر راویوں کی وساطت سے ہم تک پہنچے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ بنفسِ نفیس نہایت نیک دل۔ حلیم الطبع اور نرم مزاج شخص تھے۔ اور خلافت کے منصب کی ذمہ داریوں کو اپنے دونوں پیش روؤں کی طرح اچھے سے اچھے معیار پر سنبھالنا چاہتے تھے۔ لیکن اُن کی نرم طبیعت۔ اور اُن کی ضعیف العمری کے باعث خاندانِ بنو اُمیّہ کے لوگ ان کے مزاج پر بہت حاوی ہوگئے۔ اتنے حاوی ہوگئے کہ حضرت عثمانؓ انہی کے مشوروں پر چلنے میں مملکت و خلافت کی بھلائی دیکھنے لگے۔ خاندان کے افراد جو عربوں اور مسلمانوں پر اپنا خاندانی اقتدار قائم کرنے کے درپے تھے۔ خلیفہ کو حقیقت حال سے

بے خبر رکھتے تھے اور خود سر ہو کر من مانی کارروائیاں کرنے لگے۔ ان کے استکبار۔ اُن کے ظلم۔ ان کی تجمل پسندی اور ان کے نشۂ حکومت کا خمیازہ نیک دل خلیفہ کو بھگتنا پڑا۔ حضرت عثمان رضؓ کے کیرکٹر کی بلندی تو اسی امر سے ظاہر ہے کہ اُنہوں نے مسلمانوں کو خانہ جنگی سے بچانے کی انتہائی کوشش کی۔ باغیوں کی سرکوبی کے لئے دمشق اور بصرہ سے فوج منگوانے کے بجائے خود اپنی جان قربان کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ اور اُنہوں نے اس اطمینانِ خاطر اور راحتِ ضمیر کے ساتھ جان دی کہ اس کی نظیر تاریخ کے اوراق میں ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملے گی۔ واقعات و حالات کا ارتقا کچھ اس طریق سے ہوا کہ خود حضرت عثمان رضؓ اور مدینہ کے لوگ جن میں اکابر صحابۂ کرام بھی موجود تھے اپنے آپ کو حالات کی اصلاح کرنے کے معاملے میں بے بس محسوس کرنے لگے۔ باغیوں کے پہلے اجتماع پر اہلِ مدینہ نے خلیفہ کو بچانے کے لئے کمریں کس لیں۔ ہتھیار پہن لئے لیکن دوبارہ اجتماع پر وہ خانہ نشین ہو بیٹھے۔ پُر اسرار مکتوب کے متعلق خلیفہ کی طرف سے تشفی بخش جواب نہ پا کر وہ گومگو کے عالم میں پھنس گئے۔ اِن کی قوتِ فکر نے یہ بتلانے سے انکار کر دیا کہ ایسے حالات میں اُنہیں کیا کرنا چاہیے۔ اُنہوں نے خلیفہ کو اور مظاہرین کو اپنے حال پر چھوڑ دیا کہ خود فیصلہ کر لیں۔ اُنہیں یہ خیال نہ تھا کہ نوبت اس حد تک پہنچ جائے گی۔ تاہم اُنہوں نے احتیاطاً خلیفہ کے دروازے پر محافظ مقرر کر دیئے۔ باغی بہت مشتعل تھے نہ

پُراسرار مکتوب کی توجیہہ پیش کرنے سے خلیفہ کے قاصر رہنے کو دیانت اور اسلام کے منافی سمجھ رہے تھے۔ اور ان کا آخری مطالبہ یہ تھا کہ حضرت عثمان رضؓ منصبِ خلافت سے دست بردار ہو جائیں لیکن عثمان رضؓ کہتے تھے کہ "جو خلعت خدا نے مجھے پہنادیا ہے میں اسے جیتے جی اُتار نہیں سکتا۔"

اہلِ مدینہ کا فرض تھا کہ وہ اِس معاملے کو سُلجھانے کے لئے کوئی عملی اقدام کرتے۔ لیکن وہ باغیوں کے اِس مطالبہ کی حمایت نہیں کر سکتے تھے کہ خلیفہ کو معزول کر دیا جائے۔ اہلِ مدینہ پر اور باغیوں پر مسئلے کی شرعی حیثیت واضح نہ تھی کہ قوم کو خلیفہ کے عزل کا حق حاصل ہے یا نہیں اور اگر ہے تو اس کے فیصلہ و نفاذ کی صورت کیا ہونی چاہیئے۔ یہی وجہ تھی کہ اہلِ مدینہ نے اِس جھگڑے میں دخل نہ دیا۔ اور باغی حضرت عثمان رضؓ سے مطالبہ کرتے رہے کہ وہ خود منصبِ خلافت سے دست بردار ہو جائیں۔ حضرت عثمان رضؓ صرف باغیوں کے کہنے پر یا اُن کے مظاہروں سے ڈر کر منصبِ خلافت سے دست بردار نہیں ہو سکتے تھے۔ نہ شورہ پشت باغیوں کو شرعاً یہ حق تھا کہ وہ خلیفہ سے ایسا مطالبہ کرتے اِس نوعیت کا مطالبہ کرنے یا خلیفہ کو معزول کرنے کا حق اُس وقت کے مروّج آئین کی رُو سے اہلِ مدینہ کو حاصل تھا جو خلیفہ کو منتخب کیا کرتے تھے۔ اس امر سے تو کسی کو اختلاف نہیں ہو سکتا کہ عوام کو یا عوام کے بعض طبقوں کو خلیفہ کے اندازِ حکمرانی اور اُس کے حاکموں کے خلاف

مظاہرہ کرنے کا حق حاصل تھا لیکن اس حق کو یہ لوگ جس حد تک آگے لے گئے وہ اسلام کی رو سے سراسر ناجائز تھی۔ بعض مورخ لکھتے ہیں کہ ایسے حالات میں حضرت عثمان رضؓ کو سختی سے کام لینا چاہیئے تھا لیکن عثمان رضؓ جانتے تھے کہ سختی خانہ جنگی پر منتج ہو گی۔ اس لئے انہوں نے صبر و تحمل سے باغیوں کی شورش کا مقابلہ کیا۔ آخری دنوں میں دمشق اور بصرہ سے جو فوجیں طلب کی گئیں وہ بھی ہمارے خیال میں حضرت عثمان رضؓ کے حکم سے طلب نہیں کی گئی تھیں۔ بلکہ یہ فرامین بھی اسی پراسرار ہاتھوں نے بھجوائے ہوں گے جو اس پُراسرار مکتوب کو بھجانے کا ذمہ دار تھا جو اس سارے فتنے کا باعث بنا۔

حضرت عثمان رضؓ کے عہد میں ہم دیکھتے ہیں کہ دربار خلافت کا طرز عمل حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اور حضرت عمر رضؓ کے عہد کا سا نہیں رہا تھا۔ دونوں خلفاء اپنے رشتہ داروں کو صلاحیت کے باوجود بڑے عہدوں پر فائز نہیں کرتے تھے۔ عمال سے سختی کے ساتھ باز پرس کرتے تھے انہیں احکام شریعت اور فرائض منصبی کا پابند بناتے تھے۔ حقوق عامہ کی حفاظت کا خاص خیال رکھتے تھے۔ حضرت عمر رضؓ نے اپنے جانشین کو وصیت بھی کر دی تھی کہ عربوں اور ذمیوں کا خاص خیال رکھنا۔ اور اقربا نوازی نہ کرنا۔ لیکن حضرت عثمان رضؓ کے عہد میں یہ تمام خوبیاں نظر انداز کر دی گئیں۔ حضرت عمر رضؓ سخت گیر ہونے کے باوجود عامۃ المسلمین میں محبوب اور ہر دلعزیز تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ عدل سے کام لیتے

رکھتے۔ قرآن کے قانون اور اسلام کے شعار کا علم بلند رکھنا ہر وقت ان کے پیشِ نظر رہتا تھا۔ لیکن حضرت عثمان رضؓ کے عہد میں یہ باتیں گلدستہ طاقِ نسیاں بنا دی گئیں۔ ہم لکھ چکے ہیں اس تبدیلی کی ذمہ داری حضرت عثمان رضؓ پر عائد نہیں ہوتی بلکہ خاندانِ بنو امیہ کے اِن افراد پر عائد ہوتی ہے۔ جنہوں نے حضرت عثمان رضؓ کی ضعیف العمری نیک دلی اور نرم طبعی سے ناجائز فائدہ اُٹھانے کی کوششیں شروع کر دیں تاکہ مملکت اسلامیہ پر اور عربوں پر مسلمانوں پر اور ذمیوں پر اپنا خاندانی اقتدار قائم کریں۔ اُن کی اس روِش کا نتیجہ یہ ہوا کہ عہد عثمان رضؓ نے بنو اُمیہ اور بنو ہاشم کے درمیان مخاصمت کا بازار گرم کر دیا قریش اور عام عربوں کے درمیان رقابت اور جدال کو ترقی دی۔ حکام کو دُنیا پرستی کا دلدادہ بنا دیا۔ عوام کو اسلام کی سچی تعلیم سے محروم و منحرف کر دیا۔ اور اُمتِ مسلمہ میں فرقہ بندی اور باہمی ردوکد کا ایک غیر مختتم سلسلہ جاری کر دیا گیا جس نے قیامت تک کے لئے مسلمانوں میں فتنہ و فساد کے دروازے کھول دیئے۔

حضرت ابوذر غفاری رضؓ

حضرت عثمان رضؓ کے عہد کے واقعات کی تاریخ حضرت ابوذر غفاری رضؓ کا تذکرہ کئے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی۔ حضرت ابوذر رضؓ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک درویش صفت صحابی تھے۔ جو حضرت عثمان

کے عہد تک زندہ رہے۔ انہوں نے عہدِ عثمان رضؓ میں مسلمانوں کے اندر رُونما ہونے والی ایک بہت بڑی خرابی کو بروقت اور بجا طور پر محسوس کیا اور اس کے خلاف احتجاج اور حق کی پُر زور صدا بلند کی حضرت ابوذر رضؓ نے دیکھا کہ مسلمان دولتِ دُنیا کے دلدادہ ہو چکے ہیں اور دین کی سچی رُوح بُھلا بیٹھے ہیں۔ دولت کی اس فراوانی نے جو خلیفہ دوم کے عہد سے عربوں کے قدموں پر نثار ہونے لگی تھی۔ عہدِ عثمان رضؓ میں لوگوں کے ایک طبقہ کو شان و تجمل کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا دلدادہ بنا دیا۔ رہنے سہنے کے لئے عالی شان محل بنانا۔ غلاموں کا ہجوم رکھنا۔ گھوڑوں کے خیل محض شان و شوکت کے خیال سے پالنا۔ اونٹوں بھیڑوں اور بکریوں کے بڑے بڑے گلّے رکھنا۔ قیمتی اور فاخرہ لباس پہننا اور گھروں میں شاندار ساز و سامان رکھنا وقت کا فیشن بن گیا تھا۔ مورخ مسعودی لکھتا ہے کہ حضرت زبیر رضؓ ایک ہزار غلاموں کے مالک تھے۔ ایک ہزار گھوڑے رکھتے تھے۔ تمام بڑے بڑے شہروں میں ان کے عالی شان محلات تھے۔ عراق کی اراضی کی پیداوار سے انہیں یومیہ ایک ہزار دینار کی آمدنی تھی۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ ایک ہزار اونٹوں۔ دس ہزار بکریوں۔ ایک سو گھوڑوں کے مالک تھے ۔ ۔ ۔ وفات پر انہوں نے تین چار لاکھ دینار کا ترکہ چھوڑا۔ زید کا ترکہ سونے اور چاندی کی سلاخیں اور دس ہزار دینار تھا۔ قریشی سرداروں نے مدینہ مکہ اور مملکت کے دوسرے

شہروں میں شان دار محلات بنا لئے تھے۔ مدینہ میں خود حضرت عثمانؓ کا محل بہت شان دار تھا۔ جس کے ستون سنگ مرمر کے تھے۔ چونے گچ سے لپی ہوئی دیواریں تھیں اور اس کے اندر ثمر دار درختوں کے باغات تھے۔

حضرت ابوذر غفاریؓ نے یہ حال دیکھ کر امراء کو اور عام لوگوں کو اس مضمون کی تلقین شروع کر دی۔ تمہارا یہ سونا۔ تمہاری یہ چاندی ایک دن پگھلا پگھلا کر تمہارے ماتھوں۔ جسموں۔ پہلوؤں اور پیٹھوں پر لگائی جائے گی۔ فضول خرچ دنیا دارو! خدا سے ڈرو۔ اپنا سب کچھ اللہ کی راہ میں خیرات کر دو۔ صرف اپنی ضروریات کے مطابق اپنے پاس مال رکھو۔ روز کی روٹی سے زیادہ سامان اپنے پاس جمع نہ ہونے دو۔" عام لوگ حضرت ابوذرؓ کا یہ وعظ دلچسپی اور شوق سے سنا کرتے تھے۔ امراء کانپنے لگے۔ فقراء ان کی تائید کرنے لگے۔ حضرت ابوذرؓ دنیا داری کے گڑھ دمشق میں پہنچے اور وہاں لوگوں کو یہی تلقین کرنے لگے۔ معاویہ کو فکر دامنگیر ہوئی اُس نے نذر کے طور پر ایک ہزار دینار کی تھیلی حضرت ابوذرؓ کے پاس بھیجی۔ اگلے دن ان سے مانگی تو جواب ملا کہ وہ سارا مال خیرات کر دیا گیا۔ معاویہ نے حضرت ابوذر غفاریؓ کو واپس مدینہ بھیج دیا۔ اور حضرت عثمانؓ کو لکھا کہ "یہ شخص مخلص مسلمان ہے لیکن بدراہ ہو گیا ہے اور بڑا جوشیلا بدراہ ہے"

حضرت ابوذرؓ خلیفہ کے حضور میں پہنچے اور حضرت عثمانؓ کو بھی

نصیحت کرنے لگے کہ آپ لوگوں کو جمع مال اور دُنیا طلبی کے ابتلا میں پڑنے سے روکیں اور بچائیں۔ حضرت عثمانؓ نے جواب دیا کہ:-

"میں خلیفہ ہونے کی حیثیت میں زکات وصول کر لینے کے بعد لوگوں کے مال پر کس طرح جبر کر سکتا ہوں۔"

کعب نے خلیفہ کی تائید کی۔ ابوذرؓ نے کہا:-

"یہودی خاموش رہ تو کیا جانے کہ اسلام کی رُوح کیا ہے؟"

کعب نے حضرت ابوذرؓ کے پیٹ میں مکہ مارا حضرت عثمانؓ نے ابوذرؓ کو نجد کے مقام ربذہ میں بھجوا دیا۔

حضرت ابوذر غفاریؓ کچھ عرصہ وہاں پڑے درویشانہ زندگی بسر کرتے رہے۔ اور اسی حال میں وفات پا گئے۔ وفات کے روز آپ نے اپنی بیٹی سے کہا کہ:-

"ایک بکری ذبح کر کے بھون لو۔ مہمان آئیں گے اُنہیں کھلا دینا۔"

حضرت ابوذر غفاریؓ کی وفات کے بعد مسافر آئے جن میں کوفہ کے ابن مسعود بھی تھے۔ ابن مسعود میت کو دیکھ کر روئے اور اُنہیں دفن کر کے آگے چلے گئے۔

دُنیا طلبی اور حب مال کی جو وبا مسلمانوں میں حضرت عثمانؓ کے عہد میں پھوٹ پڑی تھی۔ آج تک علیٰ حالہا باقی ہے اور حضرت ابوذر

غفاری رض کی روح آج تک اس کے خلاف پُر زور احتجاج کرتی چلی آرہی ہے۔ حضرت ابوذر غفاری رض کی آواز کو اُس وقت کے لوگوں نے بھی بے اعتنائی کے کانوں سے سُنا۔ اور آج کے لوگ بھی اُسے بے اعتنائی کے سوا اور کسی سلوک کی مستحق نہیں سمجھتے۔ لیکن حق یہ ہے کہ حضرت ابوذر غفاری رض سچے تھے وہ وہی کہہ رہے تھے جس پر انہوں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخین رض اور ان کے دور کے علمار اور صحابہ رض کو عمل کرتے دیکھا تھا۔

حضرت علیؓ ابن ابی طالب کا عہد

سنہ ۳۵ھ سے سنہ ۴۰ھ تک

سنہ ۶۵۶ء سنہ ۶۶۱ء

مدینہ میں دہشت و سراسیگی کا عالم

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے سانحہ نے اہلِ مدینہ کو پہلے سے کہیں زیادہ دم بخود اور حیران کر دیا۔ باغیوں کا گروہ اپنے ہاتھوں کو خلیفہ کے خون سے رنگین کر لینے کے بعد بہت منہ زور ہو گیا۔ مدینہ کے لوگ سراسیمگی اور دہشت زدگی کی ایسی کیفیت میں مبتلا ہو گئے۔ جس میں ان کو سمجھ نہیں آتی تھی کہ اب انہیں کیا کرنا چاہیے۔ بنو امیہ کے افراد انتقام کا حلف اٹھاتے ہوئے مکہ چلے گئے۔ مدینہ کا ایک شخص حضرت عثمانؓ کا خون آلود کرتا اور ان کی بیوی نائلہ کی کٹی

ہوئی اُنگلیاں لے کر دمشق کی طرف روانہ ہوگیا۔ تاکہ اُنہیں معاویہ کے سامنے پیش کرے۔ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ بھی مدینہ سے نکل گئے۔

منصبِ خلافت کے لئے حضرت علیؓ کا انتخاب

اِس کیفیت میں خود باغیوں کا گروہ بھی شامل تھا۔ وہ بھی اِس مشکل میں مبتلا تھے کہ خلیفہ کسے بنائیں اور منصبِ خلافت پر کسی کو متمکن کرائے بغیر کس طرح واپس چلے جائیں۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے چوتھے دن باغیوں نے اہلِ مدینہ سے کہا کہ خلیفہ منتخب کرو۔ اگر نہیں کرتے تو ہم حضرت علیؓ حضرت طلحہؓ۔ حضرت زبیرؓ اور مدینہ کے دوسرے سرکردہ اشخاص کو قتل کر دیں گے۔ اہلِ مدینہ حضرت علیؓ کے پاس گئے اور اُن سے خلافت کی ذمہ داریوں کا بوجھ اُٹھانے کی استدعا کی۔ حضرت علیؓ نے کہا کہ کسی اور کو خلیفہ بنا لو۔ لیکن باغیوں نے زور دیا اور اہلِ شہر نے التجائیں کیں کہ آپ اِس منصب کو قبول فرمائیں۔ حضرت علیؓ رضامند ہو گئے۔ چھ دن کے بعد خلیفہ کے نصب کی غرض سے مسجدِ نبوی میں عامۃ المسلمین کا عام اجتماع ہوا۔ لوگ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کو بھی باہر سے بُلا لائے۔ سب سے پہلے اُن اکابر صحابہ نے حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کی اُن کے بعد مدینہ کے لوگوں نے اور باغیوں نے بیعت کے لئے ہاتھ بڑھائے۔ اس طرح

حضرت علیؓ کا امیر المومنین اور خلیفۃ الرسولؐ ہونا تسلیم کر لیا گیا۔ سعد نے بیعت نہ کی۔ مالک الاشتر نے سعد کو قتل کی دھمکی دی۔ حضرت علیؓ نے مالک الاشتر کو ڈانٹا اور روکا۔ سعد کے علاوہ مغیرہ زید بن ثابت اور بنو امیہ کے دوسرے متعدد حامی حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے محترز رہے۔ حضرت علیؓ نے بھی اصرار نہ کیا کہ یہ لوگ ضرور بیعت کریں۔ باغی بیعت کے بعد کوفہ۔ بصرہ اور فسطاط کی طرف لوٹ گئے۔

غلاموں کی بغاوت

حضرت علیؓ کے خلیفہ بن جانے پر بھی مدینہ کی فضائیں سکون سے آشنا نہ ہوئیں۔ غلاموں کے طبقہ نے کسی نا معلوم وجہ کی بنا پر حضرت علیؓ کی خلافت کے خلاف بغاوت کر دی۔ باہر سے بدوی لوگ بھی مدینہ میں جمع ہو گئے۔ عوام مطالبہ کرنے لگے کہ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں پر شریعت جاری کی جائے۔ اور انہیں کیفر کردار کو پہنچایا جائے۔ طلحہؓ اور زبیرؓ نے حضرت علیؓ کو مشورہ دیا کہ سب سے پہلے یہ کام کرنا ضروری ہے۔ لیکن حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ موجودہ حالات میں میں کیا کر سکتا ہوں۔ صبر سے کام لو اللہ ہماری مدد کرے گا۔ جاہلیت کا دور پھر زندہ ہو رہا ہے۔ پہلے اس کا سدباب کرنا لازم ہے۔

سابقہ حکام کا عزل اور نئے حکام کا تقرر

محرم ۳۶ھ ؁ ۶۵۶ء

منصب خلافت پر متمکن ہونے کے بعد حضرت علیؓ نے ولایات کے حاکموں میں ردوبدل کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ مغیرہ نے مشورہ دیا کہ جب تک ساری مملکت کے لوگ بیعت نہ کرلیں۔ موجودہ حکام بحال رکھے جائیں۔ ابن عباس نے اس رائے کی تائید کی لیکن حضرت علیؓ اس بات پر مصر رہے کہ میں سب کو معزول کردوں گا۔ ابن عباس نے کہا کہ معاویہ بہت طاقتور ہے اس کی طرف سے خطرات پیدا کرنے کا اندیشہ ہے لہٰذا اسے نہ چھیڑا جائے۔ لیکن حضرت علیؓ نہ مانے۔

بصرہ کی ولایت کے لئے حضرت علیؓ نے ابن عامر کو معزول کرکے اس کی جگہ عثمان ابن حنیف کو حاکم مقرر کردیا۔ ابن عامر دست بردار ہوگیا اور ابن حنیف نے بصرہ میں داخل ہوکر گورنری کا چارج لے لیا۔

مصر کے لئے حضرت علیؓ نے عبداللہ بن ابی سرح کی جگہ قیس کو حاکم بنایا۔ مصر کے مقام خرنبہ میں ایسے لوگوں کی ایک جماعت زور پکڑ گئی تھی جو حضرت عثمانؓ کے قتل کے قصاص کا مطالبہ کررہے تھے۔ قیس نے حکمت عملی سے کام لیا اور ان لوگوں پر بیعت کے لئے زور دیا اس لئے قیس کے حاکم بننے پر مصر میں کسی قسم کی گڑبڑ پیدا نہ ہوئی۔

یمن کا پہلا حاکم یعلیٰ خزانہ سمیٹ کر مکّے چلا گیا اور اُس کی جگہ حضرت علی رضؓ کے بھیجے ہوئے حاکم عبید اللہ ابن عباس نے ولایت کا نظم و نسق سنبھال لیا۔

کوفہ میں شہر کے لوگوں نے حضرت علی رضؓ کے حاکم کو قبول نہ کیا۔ اُسے شہر میں داخل ہونے سے روکا اور اُس کا مقابلہ کیا۔ یہ حاکم مدینہ کی طرف لوٹ گیا۔ حضرت علی رضؓ نے کوفہ کے حاکم ابو موسیٰ اشعری کو لکھا کہ بیعت کر لو۔ ابو موسیٰ نے اثبات میں جواب دیا اور حضرت علی رضؓ کے لئے لوگوں سے بیعت لی۔

دمشق کے حاکم معاویہ رضؓ کو بھی حضرت علی رضؓ نے قاصد بھیج کر بیعت کے لئے کہا۔ معاویہ رضؓ نے اس قاصد کو کئی دن دمشق میں ٹھہرائے رکھا۔ معاویہ رضؓ کسی اور سوچ میں تھے۔ اُنہوں نے حضرت عثمان رضؓ کی خون آلود قمیص اور نائلہ کی کٹی ہوئی اُنگلیاں دمشق کی مسجد کے منبر پر رکھ دیں۔ اور اُن کی خوب نمائش کی۔ شام میں حضرت عثمان رضؓ کے قتل ناحق پر خوب جوش پھیلا۔ اور شام کے لوگ مطالبہ کرنے لگے کہ حضرت عثمان رضؓ کے خون کا بدلہ لیا جائے گا۔ اہلِ شام نے اور ان کے حاکم معاویہ رضؓ نے کئی دن انتظار کیا کہ حضرت علی رضؓ اِس سلسلے میں کیا اقدام کرتے ہیں۔ آیا وہ عثمان رضؓ کے قاتلوں اور باغیوں کو سزا دیتے ہیں یا نہیں۔ جب اُنہیں یقین ہو گیا کہ حضرت علی رضؓ اِس سلسلے میں کچھ نہیں کرتے تو وہ ان کے خلاف ہو گئے۔ معاویہ رضؓ نے لوگوں کے احساسات کا یہ حال دیکھ کر اپنے ایک آدمی قبیصہ

نامی کو جو بنی عبس کے شیخ کا بیٹا تھا ایک لفافہ دے کر مدینہ کی طرف روانہ کر دیا۔ لفافہ پر یہ الفاظ لکھے تھے "معاویہ کی طرف سے علیؓ کے نام" حضرت علیؓ نے لفافہ کھولا تو اس کے اندر سے ایک سفید کاغذ برآمد ہوا جو خالی تھا۔ قبیصہ نے جان کی سلامتی چاہی اور کہا دمشق میں حضرت عثمانؓ کی قمیص کے زیر علم ساٹھ ہزار تلواریں آپ سے حضرت عثمانؓ کے قتل کا انتقام لینے کے لئے چمک رہی ہیں۔ حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ "دیکھتے نہیں کہ میں بے بس ہوں۔ اے خدا تو گواہ ہے کہ عثمانؓ کے خون سے میں بری الذمہ ہوں"

قبیصہ واپس چلا تو حضرت علیؓ کے غلام پکارے "کتے کو مار ڈالو۔ کتوں کے اس سفیر کو مار ڈالو" قبیصہ نے جواب دیا کہ "آلِ مضر! آلِ قیس کے چار ہزار منتخب بہادر گھوڑوں اور کمانوں کے ساتھ نزدیک ہیں۔ اپنے اونٹوں اور گھوڑوں کو سنبھالو۔"

حضرت علیؓ نے معاویہ کا انداز دیکھ کر شام پر چڑھائی کرنے کا ارادہ کر لیا۔ سالار مقرر کر دیئے۔ علم بانٹ دیئے۔ منبر پر چڑھ کر خطبہ دیا۔ اور لوگوں سے کہا کہ "ان الگ رہنے والوں سے لڑو۔ جو اسلام کے اتحاد کو برباد کر رہے ہیں۔ اگر نہ لڑو گے تو غارت سمجھو"

لوگوں نے اس خطبہ کا استقبال بڑی سرد مہری سے کیا۔ طلحہؓ اور زبیر عمرہ کا ارادہ کر کے مکہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

۲۴ ذی الحجہ ۳۵ھ کو حضرت علیؓ خلیفہ بنائے گئے تھے۔ محرم ۳۶ھ میں انہوں نے ولایات کے حاکموں سے اطاعت قبول کرانے

یا اُن کا ردو بدل کرنے کی مہم اختیار کی۔ صفر ۳۶ھ میں انہیں معاویہؓ کی طرف سے وہ جواب ملا جس کا تذکرہ اُوپر کی سطور میں کیا گیا ہے۔ ان دو مہینوں میں ساری مملکت کے اندر جابجا اس امر کے چرچے ہونے لگے کہ حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ کا قصاص لینے کے معاملے میں متامل و متذبذب ہیں۔ جابجا ایسی جماعتیں بننے لگیں جو قصاصِ عثمانؓ کو بیعت کی شرط قرار دے رہی تھیں۔ جس طرح اُمتِ مسلمہ کے ایک طبقہ میں حضرت عثمانؓ کی اس کوتاہی پر کہ وہ ظالم اور خطا کار حاکموں سے بازپرس نہیں کرتے۔ بے چینی پھیلی تھی اسی طرح اب حضرت علیؓ کے خلاف اس بنا پر اضطراب پھیلنے لگا کہ وہ عثمانؓ کے قاتلوں سے بازپرس نہیں کرتے۔ ہر جگہ اس مضمون کے چرچے ہونے لگے۔ اور ہر شخص اپنی اپنی دانست کے مطابق ان سے متاثر ہوا۔ عثمانؓ پُر اسرار مکتوب کے اصلی مجرم کو پکڑنے کے معاملہ میں بے بس تھے۔ اور علیؓ عثمانؓ کے قاتلوں کو کیفرِ کردار تک پہنچانے کے معاملہ میں اپنی بے بسی محسوس کرنے لگے۔

قصاصِ عثمانؓ کی تحریک

حضرت عثمانؓ کے قاتلوں پر شریعت جاری کرنے اور اُن سے شہید خلیفہ کا قصاص لینے کے مطالبہ کی تحریک عام ہو گئی۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ مکہ سے مدینہ کی طرف آ رہی تھیں کہ راستے میں انہیں مدینہ سے مکہ کی طرف جاتے ہوئے کچھ لوگ ملے جنہوں نے ام المومنین کو ان

تمام واقعات کی اطلاع دی جو اُن کی غیر حاضری کے بیچ مدینہ کے اندر رُونما ہوئے تھے۔ حضرت عائشہ رضؓ ان ایام میں جب کہ باغیوں نے حضرت عثمان رضؓ کے محل کا محاصرہ کر لیا تھا مدینہ چھوڑ کر مکہ چلی گئی تھیں اُمّ المومنین رضؓ نے کیفیتِ حال سے مطلع ہو کر اعلان کر دیا کہ میں عثمان رضؓ کے خون کا بدلہ لے کر رہوں گی۔ وہ حضرت عثمان رضؓ کے طرزِ عمل سے بھی چنداں خوش نہ تھیں لیکن اُن کے بے رحمانہ قتل سے وہ بہت متاثر ہوئیں۔ جو قرآن پاک کی تعلیمات اور حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی روشنی میں سراسر ناجائز تھا۔ اُمّ المومنین رضؓ راستے ہی سے مکہ کی طرف واپس لوٹ گئیں۔ اتنے میں حضرت طلحہ رضؓ اور حضرت زبیر رضؓ بھی وہاں پہنچ گئے۔ بنو اُمیہ کے کچھ لوگ پہلے ہی سے مکہ میں موجود تھے، کچھ بعد میں آ گئے۔ اہلِ مکہ میں عثمان رضؓ کے خون کا بدلہ لینے کی تحریک زور پکڑنے لگی۔ طلحہ رضؓ اور زبیر رضؓ نے کہا:۔

> "ہم اہلِ مدینہ کو حیرت و استعجاب میں غرق چھوڑ کر آئے ہیں۔ حق و باطل کی آمیزش کچھ اس طریق سے ہو گئی ہے کہ لوگوں کو راہِ عمل سجھائی نہیں دیتی۔ اب اہلِ مکہ کو چاہیئے کہ وہ رہنمائی کریں اور ان غداروں کو سزا دیں جنہوں نے خلیفہ کو قتل کیا ہے۔"

چنانچہ مکہ میں قصاص عثمان رضؓ کے لئے علم بلند کر دیا گیا۔ بصرہ کا پہلا حاکم ابنِ عامر بصرہ سے اور یمن کا حاکم یعلیٰ یمن سے جو خزانہ اُٹھا

لائے گئے وہ جنگی سازوسامان پر صرف ہونے لگا۔ لشکر تیار ہوا اور فیصلہ کیا گیا کہ بصرہ پر چڑھائی کی جائے جہاں طلحہؓ اور ابن عامر کے حامی موجود ہیں۔ لوگ اُمّ المومنین حضرت حفصہؓ کو بھی ساتھ لے جانا چاہتے تھے۔ لیکن ان کے بھائی نے اُنہیں روک لیا۔ تین ہزار کا لشکر جس میں ایک ہزار آدمی مکّہ اور مدینہ کے تھے بصرہ کی طرف چل پڑا۔ لشکر کی روانگی کے روز مکہ میں "یوم بکا" منایا گیا۔ عورتوں نے گریہ و زاری کی اور اسلام کی بدحالی پر دل کھول کر اشک بہائے۔ عبداللہ ابن زبیر کو لشکر کی امامت کے فرائض تفویض ہوئے۔ اور قرار پایا کہ خلیفہ کا انتخاب اہلِ مدینہ پر منحصر رکھا جائے۔ لشکر ابھی مکّہ سے تھوڑی دُور ہی باہر گیا تھا کہ سعید اپنے ساتھیوں کو لے کر لوٹ آیا۔ اُس نے طلحہؓ اور زبیرؓ پر شبہ کیا اور مروان سے کہا کہ یہی لوگ عثمانؓ کے قاتل ہیں۔ انہیں قتل کر دو اور واپس آجاؤ۔ لشکر بصرہ کی طرف چل پڑا۔ اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اس لشکر کے ہمراہ تھیں۔ یہ لشکر منزلیں مارتا ہوا حوأب کی وادی میں پہنچا تو حوأب کی بستی کے کتے زور سے بھونکنے لگے۔ اُمّ المومنینؓ کو معاً حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد یاد آ گیا۔ حضورؐ نے ایک موقع پر اپنی ازواج مطہرات سے مخاطب ہو کر فرمایا تھا کہ "تم میں ایک ایسی بھی ہے جو مُہم پر جائے گی۔ اور اس پر وادیٔ حوأب کے کتّے بھونکیں گے۔ اور وہ اُس وقت غلطی پر ہو گی"۔ اُمّ المومنینؓ نے آگے چلنے سے انکار کر دیا۔

لشکر نے وہیں پڑاؤ ڈالا۔ جب اہلِ لشکر کو اُمّ المومنین رضؓ کے رُک جانے کی وجہ معلوم ہوئی تو اُنہوں نے اُمّ المومنین رضؓ سے یہ کہنا شروع کردیا کہ یہ قریہ جس کے کتّے بھونکے تھے حوأب نہیں۔ اگلے دن رَد کریں یہ افواہ اُڑی کہ حضرت علی رضؓ کا لشکر آرہا ہے اور وہ عقب میں قریب ہی پڑاؤ ڈالے پڑا ہے۔ چنانچہ مکّہ کا لشکر اُمّ المومنین رضؓ کو ساتھ لے کر بصرہ کی طرف تیز قدمی کے ساتھ چل پڑا۔ حضرت علی رضؓ کو مدینہ میں اِن تمام واقعات کی اطلاع ملتی رہی جو مکّہ میں رُونما ہو رہے تھے لیکن اُنہوں نے مکّہ پر چڑھائی کرنے سے صاف انکار کردیا۔ جب اُنہیں اِس مضمون کی اطلاع مِلی کہ مکّہ والوں کا ایک لشکر بصرہ کی طرف چل پڑا ہے تو مدینہ سے نو سو آدمیوں پر مشتمل ایک سپاہ لے کر نجد کی طرف چل پڑے تاکہ مکّہ کے لشکر کو راہ میں روک لیں اور اسے بصرہ نہ پہنچنے دیں۔ لیکن لشکر نکل گیا تھا۔ اِس لئے حضرت علی رضؓ نے ذوالقعر پر پڑاؤ ڈال دیا۔ اور وہاں سے چٹھیاں لکھ کر مصر، کوفہ اور دیگر مقامات سے کمک طلب کی۔

مکّی لشکر کا بصرہ پر حملہ اور قبضہ

مکّہ والوں کا لشکر بصرہ کے نواح میں پہنچ گیا۔ بصرہ کے حاکم عثمان ابنِ حنیف نے جسے حضرت علی رضؓ نے ابنِ عامر کی جگہ مقرر کیا تھا۔ شہر سے باہر آکر اِس لشکر کے سرداروں سے بات چیت کی۔ ابنِ حنیف نے طلحہ رضؓ اور زبیر رضؓ سے کہا کہ آپ تو حضرت علی رضؓ کے ہاتھ پر بیعت کرکے اُنہیں

خلیفہ مان چکے ہیں۔ آپ کیوں مخالفت کر رہے ہیں۔ طلحہؓ اور زبیرؓ نے جواب دیا کہ مدینہ میں ہم سے جبراً بیعت لی گئی تھی۔ اس پر بہت جھگڑا ہوا قریب تھا کہ لڑائی کی نوبت آجائے۔ لیکن ابن حنیف نے تجویز پیش کر دی کہ مدینہ کے سرکردہ اصحاب کے پاس قاصد بھیج کر حالات دریافت کئے جائیں۔ کہ آیا طلحہؓ اور زبیرؓ پر بیعت کے سلسلے میں جبر کیا گیا تھا۔ یا اُنہوں نے اپنی رضامندی سے سبقت کی تھی۔ مدینہ کے اکثر اشخاص جن سے استفسار کیا گیا تھا خاموش رہے۔ اُسامہ نے جواب دیا کہ جبراً بیعت لی گئی۔ حضرت علیؓ کو جو ان دنوں ذوالقعد میں تھے اطلاع ملی۔ تو اُنہوں نے ابن حنیف کو لکھا کہ طلحہؓ اور زبیرؓ پر اکثریت کی رائے کے سوا اور کسی قسم کا دباؤ نہیں پڑا۔ اور کسی نے ان پر بیعت کے لئے جبر نہیں کیا۔ اگر وہ چاہتے ہیں کہ میں خلافت سے دست بردار ہو جاؤں تو میں ایسا کرنے سے معذور ہوں۔ اس کے سوا اُن کا کوئی اور مطالبہ ہو تو اُسے قبول کرنے کے لئے میں حاضر ہوں"۔

مدینہ سے قاصد کے واپس آنے پر مکہ والوں کے لشکر نے ابن حنیف سے شہر کی حوالگی کا مطالبہ کیا۔ ابن حنیف نے حضرت علیؓ کا خط دکھایا۔ لیکن اس سے مکہ سے آنے والوں کی تسلی نہ ہوئی۔ انہوں نے شام کے وقت شہر کے اندر داخل ہو کر حاکم کے محل پر حملہ کر دیا۔ ابن حنیف گرفتار کر لیا گیا۔ اگلے دن لڑائی ہوئی۔ حضرت علیؓ کے حامیوں نے شکست کھائی۔ مکہ والوں نے ان تمام اشخاص کو قتل کرا دیا جو قاتلین

عثمان رضؓ کے ساتھی تھے۔ ابن حنیف کو سر داڑھی مونڈ کر چھوڑ دیا۔ وہ اسی حال میں حضرت علی رضؓ کے پاس پہنچا۔ اُمّ المومنین رضؓ نے کوفہ شام مدینہ اور یمن میں چٹھیاں بھیجیں جن میں لوگوں سے کہا گیا تھا کہ وہ حضرت علی رضؓ کی بیعت سے باز رہیں اور حضرت عثمان رضؓ کا قصاص لیں۔ بصرہ میں ابن طلحہ اور ابن زبیر باری باری نماز پڑھاتے تھے۔ مکّہ والوں نے اہلِ بصرہ کو حضرت علی رضؓ کے مقابلے پر لڑنے کے لئے آمادہ کرنے کی کوشش کی۔ لیکن عام لوگوں نے اُن کی اپیل کو سرد مہری سے سُنا بصرہ میں یہ افواہ بھی گشت لگا رہی تھی کہ حضرت علی رضؓ لشکر لے کر آرہے ہیں۔ اس لئے لوگ متذبذب رہے۔

جنگِ جمل

جمادی الثانی سنہ ۳۶ھ سنہ ۶۵۶ء

حضرت علی رضؓ ذوالقعر میں لشکر جمع کر رہے تھے۔ بنی سطے اور بعض دُوسرے وفادار قبائل نے اُن کی امداد کے لئے جمیتیں بھیجیں حضرت علی رضؓ نے کوفہ کے لوگوں کو پیغام بھجوائے کہ امن اور اخوتِ اسلامی کی خاطر آؤ اور میری مدد کرو۔ بصرہ سے اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضؓ کا یہ پیغام اہلِ کوفہ کو پہنچا کہ علی رضؓ کی بیعت نہ کرو اور قصاص عثمان رضؓ کے لئے ہماری امداد کرو۔ کوفہ والوں میں رائے کا اختلاف ہوگیا۔ کچھ

لوگ حضرت علی رضؓ کی اور کچھ حضرت اُمّ المومنین رضؓ کی طرفداری کرنے لگے ۔ کوفہ کے حاکم ابو موسیٰ اشعری نے جو حضرت علی رضؓ کو اپنی وفاداری اور اطاعت کا یقین دلاچکا تھا۔ غیر جانب دارانہ سی روش اختیار کرلی۔ ابو موسیٰ نے لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سُنائی کہ فتنوں کے زمانے میں چلنے والے سے رُکنے والا۔ کھڑے سے بیٹھنے والا۔ اور بیٹھنے والے سے لیٹنے والا اچھا رہے گا۔ اتنے میں حسن ابن علی رضؓ عمار کی معیت میں کُوفہ پہنچ گئے ۔ اہلِ کُوفہ پر اُن کی آمد کا اچھا اثر ہوا ۔ لوگوں نے ابو موسیٰ کو معزول کردیا۔ حضرت علی رضؓ کی امداد کے لئے لشکر بنانے کی تیاریاں ہونے لگیں ۔ قعقاع اور حاتم بن عدی لشکر کے سردار مقرر ہوئے ۔ اور لشکر ذوالقعر کی طرف چل پڑا۔ اور حضرت علی رضؓ کے ساتھ جا ملا۔ بصرہ میں بنی بکر اور بنی عبدالقیس کی اکثریت حضرت علی رضؓ کی حامی تھی ۔ بنی تمیم نے الگ تھلگ رہنے کی روش اختیار کی اور شہر سے باہر نکل کر احنات کے زیر علم خیمہ زن ہو گئے ۔ بصرہ کے دُوسرے لوگ طلحہ رضؓ اور زبیر رضؓ کی سرکردگی میں حضرت علی رضؓ کا مقابلہ کرنے کیلئے نکلے ۔ انہوں نے اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کو بھی اس مہم پر اپنے ساتھ لے جانا ضروری سمجھا ۔ بصرہ کے قریب خُریبہ کے مقام پر مسلمانوں کے دونوں لشکر آمنے سامنے ہوگئے ۔ ایک لشکر کے امیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد حضرت علی رضؓ تھے دُوسرے لشکر کی قیادت اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ فرما رہی تھیں۔ علام

کی خدمت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانبازانہ رفاقت کے معاملہ میں ان میں سے کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں دی جا سکتی۔ ان میں سے کسی کے متعلق اس امر کا ہلکا سا اشتباہ بھی دل میں نہیں لایا جا سکتا کہ وہ جو کچھ کر رہے تھے۔ اس کا محرک اُن کی کوئی ذاتی غرض یا نفسانی خواہش تھی۔ دونوں حق کی خاطر اور اُمتِ رسول اللہ کی بھلائی کی خاطر مسلمانوں کی رہنمائی کر رہے تھے۔ لیکن حالات کا ارتقا کچھ اس طریق سے ہوا کہ دونوں کے لشکر ایک دوسرے کے بالمقابل جدال و قتال کے لئے صف آرا ہو گئے۔ بعض اوقات حالات کی رفتار ایسے ایسے معمّے پیدا کر دیتی ہے جن کو سمجھنے سے انسان کی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔

دونوں لشکر ایک دوسرے کے بالمقابل نصب ہو گئے تو حضرت علیؓ نے قعقاع کو مصالحت کے ذریعے سے معاملات طے کرنے کیلئے دوسری طرف بھیجا۔ قعقاع نے بصرہ سے آنے والے لشکر سے مخاطب ہو کر تقریر کی اور کہا کہ تم نے بصرہ میں چھ سو آدمی قتل کر دیئے ہیں اور ادھر کے لوگ ان کا انتقام لینے کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ آخر اس کشمکش کا انجام کیا ہے؟ تمہاری شکایت یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے خلیفہ بننے کے بعد حضرت عثمانؓ کے قتل کا انتقام کیوں نہیں لیا۔ پہلے اسلام کا امن قائم کیجئے۔ اس کے بعد قاتلینِ عثمانؓ پر بھی شریعت کا حکم جاری کیا جا سکے گا۔" طلحہؓ زبیرؓ اور اُمّ المومنینؓ پر حضرت علیؓ کی مصالحت

جو بنی اور قعقاع کی اپیل کا بہت اچھا اثر ہوا اور کئی دن گفت و شنید جاری رہی۔ حضرت علیؓ نے عثمانؓ کے باغیوں کو حکم دیا کہ وہ لشکر سے الگ ہو جائیں چنانچہ یہ لوگ مالک الاشتر اور ابن سوداء کے زیر علم حضرت علیؓ کے لشکر سے الگ ہو گئے اور انہوں نے قریب ہی ایک اور مقام پر ڈیرے ڈال دیئے ایک دن حضرت علیؓ گھوڑے پر سوار ہو کر آگے بڑھے اُدھر سے طلحہؓ اور زبیرؓ ایک وفد لے کے آ گئے۔ اُن کے درمیان بیعت کے متعلق سوال و جواب ہوئے طلحہؓ اور زبیرؓ نے قصاصِ عثمانؓ کا مطالبہ پیش کیا۔ حضرت علیؓ نے تسلی بخش جواب دیا اور زبیرؓ کو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد[1] یاد دلایا۔ اس ارشاد کی یاد آوری پر زبیرؓ نے قسم کھائی کہ وہ حضرت علیؓ کے خلاف نہیں لڑیں گے۔ رات دونوں طرف سکون اور اُمید کی فضا لے کر نازل ہوئی۔ سب کے دل میں اس امر کا یقین پیدا ہو گیا کہ آنے والی صبح کو تمام جھگڑے خوش اسلوبی کے ساتھ طے ہو جائیں گے۔ لیکن فتنہ رات کی تاریکی میں سب کے سروں پر منڈلا تا رہا اس یقین اور اُمید کی ہنسی اُڑا رہا تھا۔

---

[1] روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت علیؓ اور حضرت زبیرؓ ایک جگہ کھڑے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر اُن پر ہوا حضورؐ نے زبیرؓ سے کہا کہ کیا تم علیؓ کو بہت دوست رکھتے ہو۔ زبیرؓ نے اثبات میں جواب دیا حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ ایک دن ایسا بھی آئے گا جب تم اس سے لڑو گے اور تم حق پر نہ ہو گے۔

رات کی تاریکی میں دونوں طرف کے لشکروں پر اچانک حملہ ہوگیا۔ اور دونوں لشکر تلواریں سونت اور نیزے سنبھال کر ایک دوسرے پر پل پڑے۔ بڑے گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ شور و شغب کا یہ عالم تھا کہ قادسیہ کی جنگ میں حصہ لینے والے غازیوں کو اس معرکہ کی چوتھی رات جو لیلۃ الہریر کے نام سے موسوم ہوئی یاد آگئی۔ مسلمان کی تلوار مسلمان ہی کے خلاف چلنے لگی۔ ایک ہی قبیلے کے افراد ایک دوسرے کے بالمقابل لڑنے لگے۔ قصہ یہ تھا کہ مفسدوں اور مجرموں کا جو گروہ حضرت علیؓ کے حکم سے لشکر سے الگ کر دیا گیا تھا۔ اس نے سوچا کہ اگر فریقین میں صلح ہوگئی تو وہ کہیں کے نہ رہیں گے۔ ان سب پر حضرت عثمانؓ پر خروج کرنے اور ان کے قتل میں حصہ لینے کی بنا پر شریعت کی حد جاری کی جائے گی۔ لہٰذا انھوں نے دونوں لشکروں کو آپس میں لڑانے کے لئے رات کی تاریکی میں دونوں پر حملہ کر دیا۔ دونوں طرف کے لشکر یہ سمجھے کہ فریق ثانی نے شبخون مارا اس لئے وہ آپس میں گتھم گتھا ہوگئے۔ اور خونریزی کرنے لگے۔ حضرت زبیرؓ یہ حال دیکھ کر اپنے حلف کی پابندی کرتے ہوئے ٹل گئے اور لشکر گاہ سے دُور نکل گئے بنی تمیم کے ایک آدمی نے جو جھگڑے سے الگ رہنے کی خاطر بصرہ کے باہر خیمہ زن تھے حضرت زبیر کو دیکھ پایا اور کسی پُرانی عداوت کی بنا پر قتل کر دیا۔ حضرت طلحہؓ زخمی ہو کر چل بسے۔ بصرہ والوں کا زور ٹوٹنے لگا اور پیچھے ہٹنے لگے۔ اتنے میں اُمّ المومنین حضرت عائشہؓ کا اونٹ

دیکھا جو علی رضؓ کے لشکریوں کے نرغہ میں آرہا تھا۔ انہوں نے آوازیں دیں کہ اُمّ المومنین رضؓ کو بچاؤ۔ بصرہ والے پھر جمع ہو گئے۔ اور اُمّ المومنین رضؓ کے اُونٹ کے زرد گرد شدید لڑائی ہونے لگی۔ حضرت علی رضؓ نے حکم دیا کہ اُونٹ کی کونچیں کاٹ دو۔ اُونٹ گر پڑا اور لڑنے والوں نے اُمّ المومنین کے محمل کو اُونٹ کی پیٹھ سے اُتار کر ایک طرف زمین پر رکھ دیا۔ اُمّ المومنین رضؓ کے بھائی محمد ابن ابی بکر نے محمل کا پردہ ہٹایا تاکہ اُمّ المومنین رضؓ سے بات کریں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ نے ڈانٹا کہ کون بدبخت ہے جو رسولِ کریم ﷺ کے ناموس کے ساتھ ایسی گستاخی کرنے کی جُرأت کر رہا ہے۔ محمد ابن ابی بکر نے جواب دیا کہ یہ تو میں ہوں آپ کا بھائی۔

بصرہ والوں کا لشکر پسپا ہوا حضرت علی رضؓ نے حکم دیا کہ تعاقب سے باز رہو۔ کسی زخمی کو قتل نہ کرو اور کسی کا مال نہ چھینو۔ اور دونوں طرف سے مقتولین کو یکساں طور پر نماز جنازہ ادا کر کے احترام کے ساتھ دفن کر دو۔ حضرت علی رضؓ نے اس موقع پر خطبہ دیا اور فرمایا کہ :۔

" فریقین نیک نیت تھے۔ اس لئے بخشے جائیں گے "۔

اس لڑائی میں دس ہزار مسلمان کھیت رہے۔

زبیر رضؓ کا قاتل انعام لینے کی نیت سے زبیر رضؓ کی تلوار لے کر حضرت علی رضؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت علی رضؓ نے بددعا دی اور کہا کہ " خدا تجھے ہلاک کرے یہ وہی تلوار ہے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کی حفاظت کیا کرتی تھی "۔

اس کے بعد حضرت علیؓ بصرہ میں داخل ہوئے دوست اور دشمن سب کے ساتھ اچھا سلوک کیا۔ سب نے بیعت کرلی۔ صرف غلاموں کا گروہ سرکش رہا جس کی سرزنش کردی گئی۔

حضرت علیؓ نے اُمّ المومنین حضرت عائشہؓ کو پورے احترام کے ساتھ ان کے بھائی اور چالیس کنیزوں کی معیت میں بھجوادیا۔ حضرت علیؓ نے روانگی کے وقت مشایعت کی اور الوداع کہتے ہوئے فرمایا کہ " خدا آپ پر رحم کرے اور مغفرت سے کام لے "۔ حضرت عائشہؓ نے جواب دیا کہ " خدا آپ پر بھی رحم کرے اور مغفرت سے کام لے " حضرت عائشہؓ نے فرمایا " کاش میں آپ سے بیس سال پہلے مرگئی ہوتی "۔ حضرت علیؓ نے سُنا تو اُنہوں نے بھی کہا " کاش میں بھی آپ سے بیس سال پہلے مرچکا ہوتا "

کوفہ مصر اور شام کی کیفیات

۳۵ و ۳۶ھ

بصرہ کے حالات کی طرف سے مطمئن ہونے کے بعد حضرت علیؓ کوفہ چلے گئے اور کوفہ کو اپنا مرکز بنالیا۔ کوفیوں نے اگرچہ حضرت علیؓ کی اطاعت قبول کرلی تھی اور جنگِ جمل میں ان کی طرف سے لڑے تھے لیکن وہ بڑے ہی متلوّن مزاج لوگ تھے۔ جلد ہی وہ حضرت علیؓ پر

طعن و شکایت کی زبانیں دراز کرنے لگے۔ کوفہ کے لوگ آپس میں کہتے تھے کہ علی رضؓ بھی عثمان رضؓ کی طرح اپنے بھائیوں اور بھتیجوں ہی کو حاکم بنا رہا ہے۔ بنی عباس کو بڑے بڑے مناصب دے رہا ہے۔ مدینہ۔ مکہ۔ یمن اور بصرہ میں اس کے اعزہ و اقارب حاکم بنے ہوئے ہیں۔ اور کوفہ میں وہ خود آپ حکومت کر رہا ہے۔ عثمان رضؓ کو قتل کرکے اور طلحہ رضؓ اور زبیر رضؓ کے خلاف لڑ کر ہم نے کیا پایا۔ وغیرہ وغیرہ۔ کوفہ والوں کا لیڈر مالک الاشتر پروپیگنڈا کا بڑا ماہر تھا۔ وہ اب اپنے لوگوں میں حضرت علی رضؓ کے خلاف بیزاری کے احساسات کو ترقی دے رہا تھا۔ پہلے اس نے حضرت عثمان رضؓ کے خلاف شورش پھیلانے میں بہت سرگرمی دکھائی تھی۔

مصر میں حضرت علی رضؓ نے قیس ابن سعد کو حاکم بنا کر بھیجا تھا۔ مصر کے ایک شہر خرنبہ میں ایسے لوگوں کی ایک جمعیت موجود تھی جو قصاص عثمان رضؓ کو حضرت علی رضؓ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کی شرط قرار دے رہی تھی قیس نے حکمت عملی سے کام لیا اور ان لوگوں سے کسی قسم کا تعرض نہ کیا۔ بلکہ ان سے وعدہ کر لیا کہ قاتلین عثمان رضؓ کو ضرور کیفر کردار تک پہنچایا جائے گا۔ شام کے حاکم معاویہ رضؓ نے قیس کو اپنی طرف لانے کے لئے قیس کے ساتھ خط و کتابت کی۔ قیس معاویہ رضؓ کو گول مول سے جواب بھیجتا رہا۔ لیکن آخر میں اُس نے معاویہ رضؓ کی بات ماننے سے صاف انکار لکھ بھیجا۔ معاویہ رضؓ نے حضرت علی رضؓ کے پاس قیس کی خط و کتابت کے متعلق اطلاعات پہنچا کر حضرت علی رضؓ کو قیس کی طرف سے بدظن کر دیا۔

حضرت علی رضؓ سے کہا گیا کہ اگر قیس وفادار ہوتا تو وہ خربہ کے لوگوں سے جو بیعت سے انکار کر رہے ہیں کیوں رعایت سے کام لیتا۔ حضرت علیؓ نے قیس کو حکم بھیجا کہ خربہ کے سرکش لوگوں کو سزا دو۔ قیس نے جواب دیا کہ یہ بات مصلحت کے منافی ہے۔ حضرت علیؓ نے اس پر قیس کو معزول کر کے اس کی جگہ محمد بن ابی بکر کو مصر کا حاکم بنا دیا۔ قیس پہلے مدینہ آیا۔ مدینہ میں بنو اُمیہ کے شیخ مروان نے اُسے طعنے دیئے کہ علیؓ کا ساتھ دینے کا انجام دیکھ لیا؟ قیس مروان کے ان طعنوں سے تنگ آکر کوفہ گیا تاکہ حضرت علیؓ کے سامنے اپنے طرزِ عمل کی توضیح پیش کرے قیس کا بیان سُننے کے بعد حضرت علیؓ مطمئن ہو گئے اور طرفین کے دِل کدورتوں سے صاف ہو گئے۔ عمرو ابن العاص جو حضرت عمرؓ کے عہد میں مصر کے حاکم تھے۔ حضرت عثمان رضؓ سے ناراض تھے کہ اُنہوں نے اُنہیں بلاوجہ معزول کر کے ابن ابی سرح کو مصر کا حاکم بنا دیا تھا۔ لیکن حضرت عثمان رضؓ کے بے رحمانہ قتل سے اتنے متاثر ہوئے کہ دمشق جا کر معاویہ رضؓ سے مل گئے۔

دمشق میں معاویہؓ حضرت عمرؓ ہی کے وقت سے حاکم چلے آرہے تھے۔ یہ بہت دانا اور ہوشیار سیاست داں تھے۔ اُنہوں نے سالہا سال شام کا حکمران رہنے کے باعث وہاں قریش کی سرداری قائم کر لی تھی۔ اور ایران و رُوم کے بادشاہوں کا تتبع کرتے ہوئے دُنیوی جاہ و جلال کے بَل پر ساری ولایت میں اپنی سطوت و سیاست کا علم بلند کر

رکھا تھا۔ معاویہؓ کے پیش نظر محض اپنا حاکمانہ اقتدار قائم رکھنا تھا۔ اس لئے اُنہوں نے ایک اچھے قبیلہ کی طرح سرداران قریش کو مناصب وانعامات سے نواز کر اپنا بنا لیا اور شام کے لوگوں کے دلوں پر اپنے حُسن انتظام کا سکہ بٹھا دیا۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد معاویہؓ نے قصاص عثمانؓ کی تحریک شروع کر کے اور بھی ہر دلعزیزی حاصل کر لی۔ اور شام کے لوگوں کو نہ صرف مدینہ کے منتخب شدہ خلیفہ کی بیعت کرنے کے خیال سے باز رکھا بلکہ حضرت عثمانؓ کی خون آلودہ قمیص اور نائلہ کی کٹی ہوئی انگلیوں کی نمائش کر کے رائے عامہ کو اس حد تک متاثر کیا کہ شام کے لوگ حضرت علیؓ کو مجرم سمجھنے لگے۔ اس طرح شام کی ولایت میں معاویہؓ کی پوزیشن بہت مضبوط ہو گئی۔ اس کے مقابلے میں حضرت علیؓ کے نئے دارالخلافت کوفہ کی حالت یہ تھی کہ لوگ ان کے طرزِ عمل سے بھی شاکی ہونے لگے۔ کوفہ کا وہ عنصر جس نے حضرت عثمانؓ کے خلاف شورش اور بغاوت کا طوفان کھڑا کیا تھا۔ حضرت علیؓ سے خائف رہتا تھا اور ڈرتا تھا کہ جب بھی حضرت علیؓ کو تمکن اور اطمینان حاصل ہوا۔ اُن کی خیر نہیں۔ حضرت علیؓ کا موقف اس لحاظ سے بہت ناقابلِ رشک تھا کہ حضرت عثمانؓ کے قتل سے متاثر ہونے والے لوگ بھی ان سے ناراض تھے۔ اور حضرت عثمانؓ کے دشمن بھی ان سے خائف رہتے تھے۔ اور پوری طرح اُن کے مؤید اور حامی نہ بن سکے البتہ ابن سودا یا ابن سبا کے پیروؤں کا ایک گروہ حضرت علیؓ کا وفادار اور

فدا کار تھا۔ جن کو یہ بات سمجھائی گئی تھی کہ حضرت علی رضؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جائز وارث اور ان کے وصی ہیں۔ یعنی رسول اللہؐ نے اپنے بعد اُمت کو انہی کے متعلق وصیت فرمائی تھی کہ انہیں خلیفہ بنا لینا۔ اِس نئے عقیدہ کے حاملین بعد میں شیعانِ علی رضؓ یعنی حضرت علی رضؓ کا گروہ کہلائے۔ جو اسی عقیدہ کی بنا پر آج تک پہلے تین خلفاء کو خلافت کے غاصب قرار دے رہے ہیں۔

حضرت علیؓ اور معاویہؓ کے درمیان جنگ

۳۶ھ ۳۷ھ ۶۵۷ء

حضرت علی رضؓ نے بنی بجیلہ کے ایک شخص جریر نامی کو جو معاویہؓ کا شناسا تھا خط دے کر دمشق بھیجا۔ اور معاویہ رضؓ سے اِس بنا پر بیعت کا مطالبہ کیا کہ اہلِ مدینہ انہیں خلیفہ منتخب کر چکے ہیں۔ معاویہ رضؓ نے جریر کو چند روز اپنے پاس ٹھہرایا۔ اور اپنی شان و شوکت دکھانے کے بعد یہ کہہ کر واپس بھیج دیا کہ قاتلینِ عثمان رضؓ سے قصاص لینا بیعت کی شرط ہے۔ جریر نے یہ زبانی پیغام آکر حضرت علی رضؓ کو سُنا دیا۔ اور بتایا کہ حضرت عثمان رضؓ کی خون آلودہ قمیص جامعِ دمشق کے منبر پر لٹک رہی ہے۔ اور نائلہ کی کٹی ہوئی اُنگلیاں بھی وہاں پڑی ہیں۔ شامی مسلمان وہاں آ آکر حلف اُٹھا رہے ہیں کہ حضرت عثمان رضؓ کا بدلہ لے کر رہیں گے۔ مالک الاشتر

نے جریر کو بُرا بھلا کہا کہ اُس نے وہاں اِتنا عرصہ کیوں لگا دیا اور الزام لگایا کہ معاویہ رضؓ سے مِل گیا ہے۔ اِسی لئے اِس قسم کی باتیں بنا رہا ہے۔ جریر بددل ہو کر سر کیشیا چلا گیا۔

ذی قعدہ ۳۶ھ میں حضرت علی رضؓ نے بصرہ۔ مدائن اور کوفہ کی چھاونیوں سے پچاس ہزار کا لشکر تیار کیا۔ اور شمالی عراق کی طرف چڑھائی کر دی۔ یہ لشکر دریائے دجلہ کے کنارے کے ساتھ ساتھ مدائن سے شمال کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ایک لشکر کوفہ سے دریائے فرات کے کنارے کنارے شام تک پہنچا۔ لیکن معاویہ رضؓ کی فوج سے شکست کھا کر واپس آ گیا۔ حضرت علی رضؓ کے لشکر نے بنادقہ کے قریب پل عبور کیا اور حلب کی طرف پیش قدمی کی۔ راستے میں کئی جگہ شامی افواج کے دستوں سے مُڈبھیڑ ہوئی۔ اِدھر سے معاویہ رضؓ ایک بھاری لشکر لے کر مُقابلہ کے لئے نکلے۔ اِس نے عمرو بن العاص کو فوج کا سپہ سالار اور اپنے دو بیٹوں اور ایک غلام کو نائب سالار مقرر کیا۔ دونوں لشکر قریب ہوئے تو جھڑپیں ہونے لگیں۔ حضرت علی رضؓ کا حکم تھا کہ صرف مدافعت کی جائے۔ معاویہ رضؓ کی فوج نے دریا کے کنارے ڈیرے ڈال رکھے تھے۔ حضرت علی رضؓ کو تشویش ہوئی کہ کہیں میرے لشکر کو پانی لانے میں دقت نہ ہو۔ اِس لئے حضرت علی رضؓ نے معاویہ رضؓ کے لشکر پر دباؤ ڈالا۔ معمولی لڑائی ہوئی اور معاویہ رضؓ کے لشکر نے وہاں سے اُٹھ کر صِفّین کے مقام پر کیمپ جما لیا۔

حضرت علیؓ نے پھر تین آدمی ایلچی بنا کر معاویہؓ کے پاس بھیجے اور بیعت کا مطالبہ کیا۔ معاویہؓ کی طرف سے یہی جواب دیا گیا کہ عثمانؓ کا قصاص بیعت کی شرطِ اولین ہے۔ ایلچیوں نے کہا کہ یہ تو ایک بہانہ ہے۔ درحقیقت تم خود خلیفہ بننا چاہتے ہو۔ اور اسی مقصد کے لئے اُمت میں فساد ڈال رہے ہو۔ معاویہؓ یہ سُنکر برافروختہ ہو گئے۔ اور غُصّے میں آکر بولے:- "جھوٹے بدمعاشو! دُور ہو جاؤ" "تلوار خود فیصلہ کردے گی"۔ اس جواب کے بعد حضرت علیؓ اور معاویہؓ کے لشکروں کے درمیان باقاعدہ جنگ شروع ہو گئی۔ فوجیں سات سات آٹھ آٹھ کالموں میں بٹ گئیں یہ کالم روزانہ باری باری لڑتے رہے بعض اوقات دن میں دو دو لڑائیاں بھی ہو جاتی تھیں۔ مبازرت کے معرکے بھی ہوتے تھے۔ حضرت علیؓ کی طرف بدوی سردار تھے۔ اور انصار میں سے قیس ابنِ سعد تھے جو تابعین[1] میں سے تھے۔ معاؓ کی طرف عبداللہ بن عمر۔ عبداللہ بن خالد۔ حبیب ابن مسلمہ ایسے جلیل القدر قریش تھے جو تابعین میں سے تھے۔ یہ لڑائیاں مہینہ بھر ہوتی رہیں۔ فریقین قطعی اور فیصلہ کُن جنگ سے ہچکچاتے تھے۔ کیونکہ انہیں ڈر تھا کہ کہیں مُسلمان آپس میں لڑکر ہی فنا نہ ہو جائیں۔

محرم ۳۷ھ میں دونوں لشکروں نے عارضی صلح کر لی۔ اور آپس میں

---

[1] تابعین وہ لوگ ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے فیض حاصل کیا

بات چیت ہونے لگی۔ حضرت علیؓ غیر مشروط بیعت کا مطالبہ کرتے
رہے۔ اُس طرف سے قصاص عثمانؓ کو بیعت کی شرط قرار دے دیا
گیا۔ روایت ہے کہ آخر حضرت علیؓ نے تنگ آکر یہ کہہ دیا کہ میں نہ تو یہ
کہوں گا کہ عثمانؓ پر لوگوں نے جو ہجوم کیا وہ ناروا تھا اور نہ میں یہ کہنے کیلئے
تیار ہوں کہ وہ جائز تھا۔ شام کے سفیر نے یہ سُنکر جواب دیا کہ تب ہم
ان لوگوں سے لڑیں گے جو یہ نہ کہے کہ عثمانؓ کا قتل ناجائز اور ناحق
تھا۔ صفر ۳۷ھ میں پھر جنگ وجدال شروع ہو گیا۔ حضرت علیؓ نے
ایک دن شامی فوجوں کی صفوں کے سامنے جاکر اعلان کیا کہ تائب ہوکر
بیعت کرلو۔ اور اپنی عاقبت خراب نہ کرو۔ لیکن کچھ اثر نہ ہوا بلکہ شامی اور
بھی سچے ہوگئے۔ اُنہوں نے صبح کو لڑنے کی نیت سے اپنی پگڑیوں کے
شملے ایک دُوسرے کے ساتھ باندھ لئے۔ اس روز بڑی شدید جنگ
ہوئی۔ مبارزتوں کا بازار بھی گرم رہا۔ ایک روز حضرت علیؓ کے بیٹے
محمد نے حضرت عمرؓ کے بیٹے عبید اللہ کے مقابلے میں مبارزت کے لئے
جانا چاہا لیکن حضرت علیؓ نے روک دیا اور ڈانٹا کہ اس طرح تو حضرت عمرؓ
کی شان میں گستاخی کا مرتکب ہوگا۔

جنگِ صفّین

۳۷ھ ۶۵۷ء

۱۱ صفر ۳۷ھ مطابق ۶۵۷ء کو علیؓ اور معاویہؓ کے لشکروں

کے درمیان فیصلہ کن جنگ شروع ہو گئی۔ جو دو دن جاری رہی۔ لڑنے والوں نے درمیانی رات کو بھی آرام نہ لیا۔ اور قادسیہ کی لیلتہ الہریر کی لڑائی کا شور و شغب جاری رکھا۔ اگلے روز صبح کے وقت معاویہؓ کو تشویش لاحق ہوئی کہ ان کی فوج دَب رہی ہے۔ حضرت علیؓ نے پیغام بھجوایا کہ مسلمانوں کا کشت و خون کرانے کے بجائے ہم آپس میں مبارزت کی جنگ کر لیں تاکہ ایک کا کام تمام ہو جائے اور دوسرا فائز المرام ہو۔ عمرو بن العاص نے معاویہؓ سے کہا کہ خیال تو اچھا ہے۔ آپ علیؓ کے مقابلے پر نکلیں۔ معاویہؓ نے جواب دیا کہ علیؓ کے ہاتھ سے جان بچانا مشکل ہے۔ تم چاہتے ہو کہ میرا قصہ ختم ہو جائے۔ اور تم شام کے حاکم بن جاؤ۔

معاویہؓ اور عمرو بن العاص دونوں جنگ کا رنگ دیکھ دیکھ کر پریشان ہو رہے تھے۔ عمرو کو ایک خیال سوجھا اور اس نے شامیوں سے کہا کہ قرآن کے اوراق نیزوں کے ساتھ باندھ کر جھنڈے بلند کر دو اور پکارو کہ ہم قرآن پاک کو حکم بناتے ہیں۔ اس کا فیصلہ مانیں گے لہذا جنگ بند کر دی جائے۔ اہلِ کوفہ اور شیعان علیؓ نے یہ حال دیکھ کر اور شامیوں کی آوازیں سنکر جنگ سے ہاتھ روک لئے اور چلا چلا کر کہنے لگے ٹھیک ٹھیک۔ درست درست۔ قرآن کا فیصلہ۔ قرآن کا قانون۔ اسی کے مطابق فیصلہ ہو جائے۔ حضرت علیؓ نے بہتیرا سمجھایا کہ یہ سب خدع ہے۔ فریب ہے۔ میں قرآنِ ناطق ہوں۔ میرا

فیصلہ برحق ہے کہ خلافت کے اِن باغیوں سے لڑا جائے۔ تاآنکہ اُنکی سرکوبی کردی جائے لیکن اِن کے پیرو نہ مانے۔ اور لڑائی بند کرنے پر مصر رہے۔ حضرت علی رضؓ نے کوفیوں کے لیڈر مالک الاشتر کو بلایا وہ نہ آیا۔ پھر پیغام بھیجا کہ لوگ باغی ہو رہے ہیں۔ وہ آیا اور اُس نے کوفیوں کو بہت بُرا بھلا کہا۔ اُس نے کہا کہ غدارو کل تم نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ تمہارے بہت سے ساتھی شہید ہوئے۔ آج تم لڑائی کو غلط قرار دے کر ان کی موت خراب کرنے کے خواہاں ہو۔ انہیں جہنمی قرار دے رہے ہو۔ حضرت علیؓ کے لشکریوں پر اس کا بھی کچھ اثر نہ ہوا۔ اُنہوں نے جواب دیا کہ ہم خدا کے سلئے لڑے اور اب خدا ہی کے سلئے جنگ وجدال سے ہاتھ روکتے ہیں۔

یہ حال دیکھ کر حضرت علی رضؓ نے اشعث کو دریافتِ حال کیلئے معاویہؓ کے پاس بھیجا۔ اشعث نے پوچھا کہ اِس حرکت سے آپ کا مطلب کیا ہے۔ معاویہ رضؓ نے جواب دیا کہ ہم قرآن پاک کے مطابق فیصلہ کرنا چاہتے ہیں وہ اس طرح کہ دونوں فریق ایک ایک حکم مقرر کردیں۔ اِس کے بعد تم بھی عراق کو واپس چلے جاؤ اور ہم شام کی طرف لوٹ جاتے ہیں۔ مقررہ میعاد کے گزرنے پر دونوں حکم اکٹھے ہوں اور جو فیصلہ وہ صادر کریں اُسے سب مان لیں۔ اشعث نے یہ تجویز سنائی تو حضرت علی رضؓ کے لشکریوں نے "ٹھیک ہے درست ہے" کے نعرے لگائے اور کہا کہ ہم ابو موسیٰ اشعری کو اپنی طرف سے حکم مقرر

کرتے ہیں۔ حضرت علیؓ نے اعتراض کیا اور کہا کہ ابو موسیٰ کے بجائے ابن عباس کو یا مالک الاشتر کو حکم بناؤ۔ شیعان علیؓ پکارے کہ ابن عباس تمہارے بھائی ہیں۔ اور مالک الاشتر سارے فساد کی جڑ ہے۔ ہم ان میں سے کسی کو حکم نہیں بناتے۔ ہم ابو موسیٰ کو حکم مقرر کرتے ہیں۔ شامیوں نے عمرو ابن العاص کو حکم مقرر کر دیا۔ اور اس کے بعد فریقین کے درمیان معاہدہ لکھا گیا۔ عراقیوں کی طرف سے کاتب نے یہ الفاظ لکھے :-

"یہ معاہدہ جو امیر المومنین علی ابن ابی طالب اور معاویہؓ بن ابی سفیان حاکم شام کے درمیان طے ہوا ضبط تحریر میں لایا جاتا ہے"۔

معاویہؓ کے ساتھیوں نے اعتراض کیا کہ ہم علیؓ کو امیر المومنین نہیں مانتے اگر مان لیں تو جھگڑا کس بات کا ہے اس لئے معاہدہ میں علیؓ کو امیر کوفہ اور معاویہؓ کو امیر دمشق لکھا جائے۔ حضرت علیؓ نے شامیوں کی یہ بات مان لی۔ ان کے سامنے صلح حدیبیہ کی مثال تھی جب کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کفار مکہ کے اعتراض پر "محمد الرسول اللہ" کے بجائے۔ "محمد ابن عبداللہ" لکھوانے پر رضامند ہو گئے تھے۔ اس جنگ میں ایک لاکھ تیس ہزار مسلمان شریک ہوئے ان میں سے صلح کے وقت تک چالیس ہزار ہلاک ہو چکے تھے۔

اس قصہ میں یہ امر خاص طور پر نوٹ کر لینے کے قابل ہے کہ

دونوں طرف سے لڑنے والے عوام نے کس مستعدی اور اشتیاق سے قرآنِ پاک کے احکام کے مطابق فیصلہ کرنے کی تجویز کا خیر مقدم کیا۔ قرآن کے نام کی اپیل نے سب کے ہاتھ جنگ وجدال سے یک لخت روک دیے۔ اور سب نے متفقہ طور پر جھگڑے کو ثالثی کے ذریعے سے مصالحانہ طریق سے طے کرنے کی تجویز پر لبیک کہہ دیا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ لڑنے والے عوام آپس کی خانہ جنگی سے کس قدر بیزار تھے۔ وہ دل سے چاہتے تھے کہ مسلمانوں کے اکابر یعنی قریش۔ بنو امیہ اور بنو ہاشم قرآن پاک کی تعلیمات پر عمل کریں جو سب مسلمانوں کو برابر مساوی حقوق دیتا ہے۔ ان کی نگاہیں صدیقؓ اور عمرؓ ایسے لیڈر کو ڈھونڈ رہی تھیں۔ لیکن انہیں کیا معلوم تھا کہ معاویہؓ اور عمرو ابن العاص نے محض شکست سے بچنے کے لئے قرآن پاک کو بہانہ بنایا اس نکتہ کو صرف حضرت علیؓ کی بصیرت نے بھانپا لیکن اُنکی طرف سے لڑنے والوں نے قرآن پاک کے واسطے کو ان کے احکام پر ترجیح دی اور جنگ سے ایسے وقت میں ہاتھ کھینچ لیا جب کہ وہ مظفر و منصور ہونے والے تھے۔

بدوی عربوں کی پشیمانی اور خوارج کا ظہور

کوفہ۔ بصرہ اور مدائن کے لوگ اپنی اپنی چھاؤنیوں کی طرف لوٹ آئے۔ گھر پہنچکر اُنھوں نے ماضی پر ٹھنڈے دل و دماغ سے

غور کیا تو اپنے کئے پر پشیمان ہونے لگے۔ اُنہیں خیال آیا کہ آخر اس سارے ہنگاموں سے اُنہوں نے کیا پایا؟ مقصد قریش کے خاندانی اقتدار کو ہٹانا اور دینِ اسلام کے اُصول و قانون یعنی اخوت و مساوات کو نافذ کرانا تھا۔ اُنہوں نے عثمان رضؓ کے خلاف اسی بات پر خروج کیا تھا۔ اُن کا مقصد یہ نہ تھا کہ معاویہ رضؓ یا علی رضؓ میں کون خلیفہ بنے۔ بصرہ اور کوفہ میں یزید ابنِ قیس نے اُنہیں سمجھایا کہ اگر شامی کامیاب ہوگئے تو ہماری خیر نہیں۔ وہ ہمیں عثمان رضؓ کے عاملوں اور حاکموں کی طرح پیس دیں گے۔ آراضی کو اپنی جاگیریں بنالیں گے گویا یہ انہی کی وراثت ہے اور کہ انہیں ہماری تلواروں نے نہیں جیتا تھا۔ ہم دُنیا سے بھی محروم ہو جائیں گے۔ اور آخرت سے بھی محروم رہیں گے۔

بارہ ہزار عسکری صفّین ہی سے حضرت علی رضؓ کے لشکر سے الگ ہوگئے تھے۔ اور کوفہ کی طرف الگ کوچ کر رہے تھے۔ وہ راستے میں ایک دُوسرے کو ملامت کرتے اور دُرّے مارتے تھے کہ ہم نے دین کے اقتضا کا ساتھ چھوڑ دیا اور معاملہ ایسے ثالثوں کے سپرد کر دیا جو ملحد اور بے دین ہیں۔ کچھ لوگ اِس بات پر بھی نادم تھے کہ اُنہوں نے خلیفہ برحق حضرت علی رضؓ کی رائے کے خلاف عمل کیا۔ کچھ ایسے بھی تھے جو یہ کہنے لگے کہ اگر علی رضؓ خلیفہ برحق۔ مامور من اللہ اور وصی رسول اللہ تھے تو اُنہوں نے ثالثی کی تجویز کیوں مان لی۔ یہ سوال جنگِ جمل کے موقع پر بھی اُٹھایا گیا تھا کہ حضرت علی رضؓ خلیفہ برحق نے اپنے خلاف

لڑنے اور مرنے والوں کو مسلمان کیوں قرار دے دیا۔ اور جو مقاتلین زندہ رہ گئے تھے اِن سے کفار کا سا سلوک نہ کیا؟ یہ سوالات اور اشتباہات ابنِ سودا کی تعلیمات کا ردِّ عمل تھے۔ جس نے ان کے دماغوں میں یہ بات بٹھادی تھی کہ حضرت علیؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی۔ اللہ کے مامور اور خلیفہ برحق ہیں اور جو شخص اس عقیدے کا حامل نہیں وہ کافر ہے۔ اِس سے قتال واجب ہے۔ خود حضرت علیؓ اِس قسم کے عقائد سے بیزار تھے جیسا کہ پہلے تینوں خلفاء کے متعلق نیز غلط فہمی کی بنا پر اپنے خلاف لڑنے والوں کے متعلق اُن کے احساسات اور ان کے طرزِ عمل سے ظاہر ہے۔

بارہ ہزار نفوس کی یہ جمعیت جو صفین ہی سے حضرت علیؓ کے لشکر سے الگ ہو گئی تھی۔ کوفہ کے قریب پہنچ کر حروراء کے مقام پر خیمہ زن ہو گئی۔ اُن کے ہم خیال کوفہ اور بصرہ میں پیدا ہونے لگے اُنہوں نے الحکمُ لِلّٰہ' کا نعرہ لگایا اور کہا کہ ہم علیؓ اور معاویہؓ میں سے کسی کو خلیفہ نہ مانیں گے۔ کسی کے ہاتھ پر بیعت نہ کریں گے۔ مملکت اور معاشرے کے انتظام کے لئے ایک کونسل (مجلس شوریٰ) بنائیں گے اور اقامتِ صلوٰۃ کے لئے ایک امام مقرر کریں گے۔ حضرت علیؓ نے پہلے محمد ابن عباس کو اُنہیں سمجھانے کے لئے بھیجا کچھ اثر نہ ہوا۔ پھر خود جا کر ان کے لیڈر یزید ابنِ قیس سے کہا کہ میں نے ثالثی کی تجویز تم لوگوں کے اصرار ہی پر مانی تھی۔ اب ہمیں اُمید رکھنی چاہیئے کہ ثالث

حسب قرارداد قرآن کے مطابق فیصلہ کریں گے۔ اگر انہوں نے ایسا نہ کیا تو میں دشمنانِ دین سے لڑوں گا۔ حضرت علیؓ کے سمجھانے پر وہ سادہ دل مسلمان مان گئے اور اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ حضرت علیؓ نے یزید ابن قیس کو اصفہان کا حاکم بنا دیا۔

ثالثوں کا فیصلہ

رمضان ۳۷ھ فروری ۶۵۸ء

چھ مہینے تعطل کی کیفیت طاری رہی۔ انقضائے میعاد پر دونوں ثالث دمشق اور کوفہ کے درمیان مقام دومۃ الجندل یا اذرح میں پہنچ گئے۔ پہلے عمرو ابن العاص پہنچے۔ ان کے بعد ابوموسیٰ اشعری بھی پہنچ گئے۔ دونوں حکم چار چار سو سوار اپنے ہمراہ لاتے تھے۔ عراق، شام، مکہ۔ اور مدینہ سے بھی کچھ لوگ آ گئے تھے۔ اسلام کے مستقبل کا فیصلہ ہونے والا تھا۔ سب کی نگاہیں اس طرف لگی ہوئی تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ عبداللہ ابن زبیرؓ اور محمد بن طلحہؓ بھی منصبِ خلافت کے امیدوار تھے۔ محمد ابن ابی بکرؓ اور عبداللہ بن عمرؓ بھی موجود تھے۔ ایک شامیانے میں دونوں ثالثوں کے درمیان بات چیت ہوئی۔ عثمانؓ کا قصاص نہ لینے کی بنا پر حضرت علیؓ کو نامستحق قرار دیا گیا۔ معاویہؓ کو اس بنا پر رد کر دیا گیا کہ منصبِ خلافت محض قصاص کا نعرہ بلند کرنے

بنا پر نہیں مل سکتا۔ اگر یہ اصول مان لیا جائے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بیٹے موجود ہیں۔ ان میں سے کسی کو خلیفہ بنا لینا چاہیئے تاکہ وہ قصاص لے سکے۔ عمرو ابن العاص رض نے اپنے بیٹے کا نام لیا۔ ابو موسیٰ نے کہہ کر اسے رد کر دیا کہ وہ خانہ جنگی میں حصہ لے چکا ہے۔ عبداللہ ابن زبیر رض کا نام بھی اسی بنا پر رد کر دیا گیا۔ عبداللہ ابن عمر رض کو نااہل قرار دیا گیا۔ آخر عمرو نے پوچھا کہ آپ کی تجویز کیا ہے؟ ابو موسیٰ نے کہا کہ علی رض اور معاویہ رض دونوں کو معزول کر دیا جائے۔ اور پھر نئے خلیفہ کے انتخاب کا معاملہ لوگوں پر چھوڑ دیا جائے۔ عمرو نے کہا کہ میں بھی اس پر صاد کرتا ہوں۔ دونوں حکم آپس میں یہ بات طے کر کے لوگوں کے سامنے آئے۔ عمرو نے کہا کہ آپ بزرگ ہیں پہلے آپ اپنے فیصلہ کا اعلان کریں بعد میں میں کروں گا۔ ابو موسیٰ منبر پر چڑھے اور لوگوں سے مخاطب ہو کر بولے۔ "ہم ایسے فیصلے پر متفق ہو گئے ہیں جو عامۃ المسلمین کی تشفی کر دے گا۔ اور مملکت کو متحد رکھے گا۔ عمرو نے تائید کی کہ ابو موسیٰ سچ کہہ رہے ہیں۔ ابو موسیٰ نے اعلان کیا" لوگو! ہم نے معاملہ پر ہر پہلو سے غور کیا ہے اور ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ مملکت میں امن اور لوگوں میں یکجہتی پیدا کرنے کے لئے اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں کہ ہم علی رض اور معاویہ رض دونوں کو معزول کر دیں۔ اس کے بعد آپ لوگوں کو اختیار ہو گا کہ کسی موزوں شخص کو خلیفہ بنا لیں۔ لہٰذا میں اپنے موکل علی رض کو منصب خلافت سے معزول کرتا ہوں میرا فیصلہ یہ ہے۔"

اتنا کہا اور ابو موسیٰ منبر سے نیچے اتر آئے۔ اُن کے بعد عمرو ابن العاص منبر پر چڑھے اور اُنہوں نے اعلان کیا:۔

"آپ نے ابو موسیٰ کا فیصلہ سُن لیا ہے۔ وہ اپنے موکل علیؓ کو معزول کر چکے ہیں۔ لیکن میں اپنے موکل معاویہؓ کی تصدیق کرتا ہوں۔ وہ عثمانؓ کے وارث ہیں اور ان کے خون کا انتقام لینے والے ہیں۔ وہ اُن کی جگہ لینے کے بہترین حقدار ہیں۔"

سامعین مبہوت رہ گئے۔ علیؓ کے حامیوں نے ابو موسیٰ کو گھیر لیا۔ وہ بولے کہ میں کیا کروں اس نے پہلے مجھ سے اتفاق کیا پھر منحرف ہو گیا۔ ابو موسیٰ کے ساتھ آنے والے سواروں کے سردار نے عمرو ابن العاص کو پکڑ لیا اور رگیدا۔ لوگوں نے بیچ بچاؤ کر کے چھڑا دیا۔ ابن عباس نے ابو موسیٰ سے کہا کہ تمہارا کوئی قصور نہیں قصور ان لوگوں کا ہے جنہوں نے تمہیں حکم بنا کر اس منصب پر مامور کیا۔ لوگ ابو موسیٰ کو طعنے دینے لگے۔ ابو موسیٰ مکہ کو چلے گئے اور باقی ساری زندگی وہیں گذار دی۔ ۴۲ھ یا ۵۳ھ میں فوت ہوئے۔

شام کے لوگوں نے معاویہؓ کو خلیفہ بنا لیا۔ حضرت علیؓ اور اُن کے حامیوں نے اس فیصلہ کو تسلیم نہ کیا کیوں کہ وہ صحیح نہ تھا۔ دونوں ثالثوں کا متفقہ نہ تھا۔ اس کے بعد دونوں خلیفے اپنے خطبوں میں ایک دوسرے پر لعنت بھیجنے لگے۔ حضرت علیؓ کے خطبہ میں یہ الفاظ آتے تھے "اے خدا میں دُعا کرتا ہوں کہ معاویہؓ پر اپنی لعنت بھیج۔ نیز عمرو پر۔ حبیب پر۔

عبدالرحمٰن بن خالد پر، ضحاک بن قیس پر اور ولید پر۔ معاویہؓ کے خطبے میں اسی طرح علیؓ پر۔ ابن عباس پر۔ حسنؓ پر حسینؓ پر لعنت بھیجی جاتی تھی۔

خوارج کا خروج اور اُن کی سرکوبی

سنہ ۳۷ھ سنہ ۶۵۷ء

حضرت علیؓ کے لشکریوں کی وہ جمعیت جو صفین ہی سے الگ ہو گئی تھی اور جسے حضرت علیؓ حروراء کے کیمپ سے سمجھا بجھا کر کوفہ میں واپس لائے تھے۔ کوفہ میں آکر بھی چین سے نہ بیٹھی۔ اس جمعیت کے لیڈروں نے اپنے خیالات کی تبلیغ جاری رکھی۔ ان کا نعرہ یہ تھا لاحکم الا للہ (اللہ کے سوا بیعت کا کوئی مستحق نہیں) ملکی اور معاشرتی انتظام کے لئے ایک مجلس شوریٰ قائم کی جائے۔ وہ کہتے تھے کہ شامی اور کوفی دونوں ارتداد کی رو میں بہتے ہوئے ایک دوسرے پر بازی لے جانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ شامی معاویہؓ پر جان چھڑکتے ہیں۔ خواہ وہ حق پر ہو یا نہ ہو۔ کوفی سیاہ و سفید میں علیؓ کا اتباع کر رہے ہیں۔ یہ سب الحاد و زندقہ ہے۔ وہ حضرت علیؓ سے برملا کہتے تھے کہ اللہ کے سوا حکومت کا حقدار اور کوئی نہیں۔ جب لوگ ان سے کہتے کہ تمہیں نے صفین کا معاہدہ کرایا تھا تو وہ جواب دیتے کہ ہم اپنے کئے پر پشیمان ہو چکے ہیں اور توبہ کر چکے ہیں۔ تم بھی توبہ کر لو۔ ورنہ ہم تم سے لڑیں گے۔

اگر ہم مارے گئے تو خدا کی حضور میں سرخرو ہو کر خوشی سے جائیں گے۔ اگر کامیاب ہو گئے تو اسلام کا بول بالا کریں گے۔

حضرت علیؓ ان سے نرمی کا برتاؤ کر رہے تھے۔ انہیں مساجد میں آکر نماز پڑھنے کی اجازت تھی۔ اور ان کے لئے یہ رعایت بھی تھی کہ اگر فوج میں شامل ہوں تو مالِ غنیمت کے حقدار سمجھے جائیں گے۔ حضرت علیؓ کہتے تھے کہ جب تک یہ لوگ کوئی اقدام خلاف شریعت نہیں کرتے ان پر ہتھیار نہیں اٹھائے جائیں گے۔

ثالثوں کے فیصلے سے ان لوگوں کو جو خارجی یا خوارج کہلائے اپنے حق پر ہونے کا اور بھی یقین ہو گیا۔ ان کے خفیہ جلسے منعقد ہونے لگے۔ اور انہوں نے اللہ کی غیبی امداد کے بھروسے پر علم بلند کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ بربادی کے تصور پر شاداں ہوتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم شر کے خلاف اعلائے کلمۃ الحق کر کے شہید ہو جائیں گے۔ شہادت کا رتبہ پائیں گے۔ قرار پایا کہ اس نئے فرقے کے پیرو کوفہ اور بصرہ سے نکل کر مدائن کی طرف چلیں اور مدائن پر قبضہ جا کر وہاں "الحکم للہ" کے اصول پر "نمونہ کی اسلامی حکومت" قائم کر لیں۔ انتظام ملکی کے لئے عوام کے نمایندوں کی ایک مجلس بنا لیں۔ بصرہ سے پانچسو اشخاص چلے بصرہ کے حاکم ابن عباس نے تعاقب کیا۔ لیکن وہ دور نکل گئے تھے۔ تین ساڑھے تین ہزار کوفہ سے نکلے۔ ان لوگوں نے مدائن پر حملہ کیا۔ مدائن کے گورنر نے انہیں شکست دی اور وہ پسپا ہونے پر مجبور ہو گئے۔

شکست کھانے کے بعد خوارج جوق جوق دریائے دجلہ کو عبور کر کے نہروان میں خیمہ زن ہو گئے۔ اُن کی ساری جمعیت کوئی چار ہزار کے لگ بھگ تھی۔

ثالثی کے ناکام ہو جانے پر حضرت علیؓ نے یہ موقف لیا کہ شامیوں نے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو پسِ پشت ڈال دیا ہے۔ وہ مرتد ہو گئے ہیں اب ہمیں اسی نقطہ کی بنا پر اُن سے جہاد کرنا ہے۔ جہاد پر روانہ ہونے کے اجتماع کی تاریخ مقرر کر دی گئی۔ حضرت علیؓ نے خوارج کی جمعیت کو خط لکھا کہ جنگِ صفین کے وقت کی سی حالت عود کر آئی ہے۔ لہذا آؤ تاکہ دشمنانِ دین کے خلاف لڑیں۔ خوارج نے جواب دیا کہ اگر علیؓ اپنے ارتداد سے تائب ہوتے ہیں تو ہم غور کریں گے۔ اگر نہیں ہوتے تو ہم اُنہیں بھی کافر و مرتد خیال کرتے ہیں ان کا ساتھ نہیں دے سکتے۔

حضرت علیؓ نے شام پر چڑھائی کرنے کے لئے لشکر تیار کیا لوگ پہلے کے سے شوق سے نہ آئے۔ بہت تشویق و ترغیب کے باوجود صرف پانچ ہزار ساٹھ نفوس جمع ہوئے۔ اتنے میں خوارج کی سرگرمیوں کی تشویشناک اطلاعیں پہنچنے لگیں کہ وہ مسلمانوں کو جو اُن کا ساتھ دینے کے لئے تیار نہیں ہوتے تھے کافر و مرتد قرار دے کر قتل کر رہے ہیں۔ حضرت علیؓ نے ایک ایلچی بھیجا۔ خوارج نے اُسے بھی قتل کر دیا کوفہ کے لشکریوں نے حضرت علیؓ سے مطالبہ کیا کہ پہلے خوارج کا قلع قمع کر لیا جائے۔ کوفہ والوں کو خطرہ تھا کہ اگر اُن کے مردانِ وغا شام کی

ہم پر چلے گئے تو خارج کوفہ پر حملہ کر کے شہر کو تہس نہس کر دیں گے۔ یہ خطرہ چنداں بیجا بھی نہ تھا۔ اس لئے حضرت علیؓ نے لشکر سمیت مشرق کی طرف کوچ کیا۔ نہروان کے قریب پہنچ کر خوارج سے مطالبہ کیا کہ ایلچی کے اور دوسرے مسلمانوں کے قاتلوں کو ہمارے حوالے کر دو ہم تم سے تعرض نہ کریں گے۔ تم خود ہی سمجھ جاؤ گے اور ہم سے آن ملو گے۔ خوارج نے جواب دیا کہ ان قتلوں کے ذمہ دار ہم سب ہیں۔ حضرت علیؓ نے ایلچی بھیج کر بہتیرا سمجھایا لیکن وہ نہ مانے۔ حضرت علیؓ نے اعلان کر دیا کہ جو خارجی میرے جھنڈے کے نیچے آجائیں گے یا اپنے گھروں کو چلے جائیں گے وہ مامون ہیں یعنی انہیں امان دی جائے گی۔ کچھ لوگ حضرت علیؓ کے جھنڈے تلے آگئے۔ کچھ لوگوں نے اپنے گھروں کی راہ لی۔ پانچسو کے قریب ایک جمعیت ایران کے شہروں کی طرف منتشر ہو گئی۔ اٹھارہ سو باقی رہ گئے۔ وہ سب شہادت کا رتبہ حاصل کرنے کے شوق میں کوفہ والوں سے لڑنے اور تمام کے تمام مارے گئے۔

ان خوارج کے متعلق حضرت علیؓ کا فتوی یہ تھا کہ یہ لوگ دائرۂ اسلام سے خارج ہیں۔ ان کے مقتولین جہنم رسید ہوئے۔ خوارج کا فتویٰ یہ تھا کہ علیؓ خدائی اختیار کو انسانوں کی ثالثی کے سپرد کرنے کے باعث مرتد ہو گئے ہیں۔ حضرت علی رضؓ کے پیرو خوارج کے اس اعتراض کا جواب یہ دیتے تھے کہ حضرت علیؓ نے ثالثوں کے تقرر کو اس شرط پر منظور کیا تھا کہ وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہؐ کے مطابق فیصلہ کریں گے۔

لہٰذا اُن کا ثالثی منظور کرنا ایسا غلط اقدام نہ تھا جو خلافِ شریعت یا خلافِ اسلام ہو۔ اِن کیفیات سے اِس دَور کے مسلمانوں کی یہ خصوصیت نمایاں طور پر ظاہر ہے کہ وہ کوئی ایسا اقدام کرنے کے لئے تیار نہ تھے جسے مذہب کی سند حاصل نہ ہو۔

خوارج کا قلع قمع کرنے کے بعد حضرت علیؓ نے شام پر چڑھائی کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ لیکن اِن کے لشکری بہانہ جوئی کرنے لگے۔ اُنہوں نے کہا کہ پہلے کُوفہ جا کر اپنے ہتھیار اور اپنا ساز و سامان درست کریں پھر شام پر چڑھائی کریں گے۔ نخیلہ میں پڑاؤ تھا۔ لشکری گھروں کو جانے لگے۔ اور کیمپ میں صرف سالار اور سردار باقی رہ گئے۔ حضرت علیؓ کوفہ آئے خطبہ دیا۔ لیکن کوئی آمادہ نہ ہوا۔ حضرت علیؓ بہت مایوس ہوئے اور شام پر یلغار کرنے کا ارادہ ترک کرنا پڑا۔ اِس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صفّین کے واقعہ سے صرف خوارج ہی بددل نہیں ہوئے تھے۔ بلکہ کُوفہ کے عام لوگ بھی حضرت علیؓ کی خاطر شامیوں کے خلاف لڑنے سے ہچکچانے لگے تھے۔ شاید وہ معاویہؓ کی طاقت و صلاحیت سے بہت مرعُوب ہو چکے تھے۔ یا حضرت علیؓ کا طرزِ عمل اِن میں جوشِ فداکاری پیدا کرنے سے قاصر رہ گیا تھا۔ وجہ کچھ بھی ہو کوئی شام پر چڑھائی کرنے پر آمادہ نہ ہوئے۔

اہلِ خرنبہ (مصر) کا خروج

۳۸ھ سنہ ۶۵۸ء

محمد بن ابی بکر مصر کے نئے حاکم نے اہلِ خرنبہ کو جنہوں نے حضرت علی رضؓ کی بیعت نہیں کی تھی۔ اور جو شامیوں کی طرح قتلِ عثمان رضؓ کے قصاص کا مطالبہ کر رہے تھے۔ ڈانٹا۔ لیکن جنگِ صفیّن کے نتیجے نے اُن کے حوصلے بہت بلند کر دیئے تھے۔ اُنھوں نے خروج کیا۔ اور بغاوت کا عَلَم بلند کر دیا۔ محمد ابن ابوبکر نے دو دفعہ لشکر بھیجا اور دونوں دفعہ شکست کھائی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مصر میں ہر جگہ بغاوت کے عَلَم بلند ہونے لگے۔ حضرت علی رضؓ نے اپنے پہلے گورنر قیس کو پھر حاکم مصر بننے کے لئے کہا قیس نے انکار کر دیا۔ لہٰذا مالک الاُشتر کو حاکم بنا کر بھیجا گیا۔ مالک الاُشتر کو راستہ ہی میں کسی نے زہر دے دیا۔ شُبہ کیا گیا کہ زہر معاویہ رضؓ کے ایما سے دیا گیا۔ مالک الاُشتر زہر کے اثر سے جاں بر نہ ہو سکا۔ اور راستے ہی میں مر گیا۔

مصر پر عمرو ابن العاص کا قبضہ

صفر ۳۸ھ = جولائی سنہ ۶۵۸ء

محمد ابن ابوبکر نے اپنی پوزیشن سنبھالنے کے لئے بہت ہاتھ

پاؤں مارے۔ لیکن بغاوتیں فرو نہ ہوئیں۔ اتنے میں عمرو ابن العاص نے شامیوں کا ایک لشکر لے کر مصر پر چڑھائی کر دی۔ مصر سے عمرو ابن العاص کو بہت سے حامی مل گئے۔ محمد ابن ابو بکر نے مقابلہ کیا۔ لیکن شکست کھائی۔ لڑائی میں شہید ہوئے۔ شامیوں نے محمد ابن ابو بکر کی لعش گدھے کی کھال میں سلوا کر جلا دی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ معاویہ رض کے حامیوں میں حضرت علی رض کے حامیوں کے خلاف نفرت اور انتقام کے جذبات کس درجہ تیز ہو گئے تھے۔ حضرت علی رض اسی اثنا میں کوفہ والوں کو مصر کی امداد کے لئے ابھارنے کی کوشش کرتے رہے۔ لیکن کوفیوں نے پچاس دن لیت و لعل میں ضائع کر دیئے۔ اتنے میں شکست کی خبر مل گئی اور مصر کا ملک ہاتھ سے نکل گیا۔ حضرت علی رض اور بھی مایوس ہوئے۔ شاید ایسے ہی واقعات سے متاثر ہو کر آپ نے فرمایا تھا۔ عَرَفْتُ رَبِّي بِفَسْخِ الْعَزَائِمِ (میں نے اپنے پروردگار کو اپنے ارادوں کی شکست کے باعث پہچانا)

بصرہ میں بغاوت

سنہ ۳۸ ھ سنہ ۶۵۸ ء

مصر کی شکست کی اطلاع پا کر بصرہ کے حاکم ابن عباس حضرت علی رض کو تسلی دینے کے لئے کوفہ چلے گئے۔ معاویہ رض نے اپنے ایجنٹ بھیج کر

اہلِ بصرہ کو ورغلایا اور انہیں بغاوت پر آمادہ کر دیا۔ قائم مقام حاکم زیاد خراش اور منبر لے کر ایک وفادار قبیلہ کے ہاں پناہ گیر ہوا۔ اور کمک کے لئے کوفہ لکھا۔ اس وفادار قبیلہ کا بااثر شیخ بنی ربیعہ کے پاس جاکر امداد کا طالب ہوا۔ بنی ربیعہ رضامند ہو گئے۔ انہوں نے زیاد کی مدد کی اور باغیوں پر حملہ کر دیا۔ جنگ و جدال کے بعد باغی ہار گئے۔

خوارج کی شورشیں اور خرّیط کی بغاوت

۳۸ھ ۶۵۸ء

اسی سال خوارج نے مختلف اوقات میں مختلف مقامات پر پانچ چھ دفعہ شورشیں برپا کیں۔ اور حضرت علیؓ کے حامیوں کے ہاتھ سے قتل ہوئے۔ بنی ناجیہ کا سردار جنگِ جمل اور جنگِ صفّین میں اپنے قبیلہ سمیت حضرت علیؓ کا ساتھ دے چکا تھا۔ اس نے مسندِ خلافت کے سامنے آکر حضرت علیؓ سے کہا کہ تو نے خدائی معاملے کو انسانوں کی ثالثی کے سپرد کر دیا۔ اس لئے میں اطاعت نہ کروں گا۔ اور آپ کے پیچھے نماز نہ پڑھوں گا۔ بلکہ آپ کا دشمن بن جاؤں گا۔ بحث و مناظرہ کے لئے تاریخ مقرر کر دی گئی۔ لیکن خرّیط اس تاریخ سے ایک شب پہلے کوفہ سے نکل گیا۔ حضرت علیؓ کو اطلاع ملی تو آپ نے فرمایا۔ "گیا! شیطان کی طرف گم ہوا۔ آلِ ثمود کی طرح" خرّیط ایران کے

شہروں اہواز اور رام ہرمز کی طرف نکل گیا۔ جہاں اُس نے ایرانیوں اور کُردوں کو نیز عیسائیوں کو حضرت علیؓ کے خلاف اُبھارا۔ مسلمانوں سے کہا کہ "ملحد خلیفہ کو زکات نہ دو" اور عیسائیوں سے کہا کہ "جزیہ ادا نہ کرو۔" خرّیط کے ورغلانے سے فارس کے لوگوں نے بغاوت کردی۔ فارس کا حاکم بھاگ گیا۔ بصرہ سے لشکر گیا جس نے اہلِ فارس کی سرکوبی کی۔ مسلمانوں کو تائب ہونے پر قصور معاف کر دیا۔ عیسائیوں کو غلام بنا لیا۔ اِن کی عورتیں چیخیں اور چلّائیں بگیں اردشیر کے حاکم مصقلہ نے زر فدیہ دے کر عیسائیوں کو چھڑانے کی کوشش کی۔ حضرت علیؓ نے فی کس ہزار دینار مانگے۔ مصقلہ یہ رقم ادا نہ کر سکا۔ اور حضرت علیؓ کی خفگی سے ڈر کر شام کی طرف بھاگ گیا۔ اور معاویہؓ سے جا ملا۔ فارس کے علاوہ ایران کی ولایت کرمان میں بھی بغاوت پھوٹی۔ جو بصرہ کے حاکم زیاد نے طاقت اور حکمتِ عملی سے فرو کردی۔ زیاد کو حضرت علیؓ نے فارس کا حاکم بنا دیا۔ زیاد نے اصطخر کو اپنا صدر مقام بنایا۔ اور اِس خوش اسلوبی کے ساتھ حکومت کی کہ ایرانیوں کو نوشیروان عادل کا زمانہ یاد آ گیا۔

عراق کی سرحد پر معاویہؓ کے حملے

سنہ ۳۸ ھ تا سنہ ۳۹ ھ ، سنہ ۶۵۸ ء تا سنہ ۶۵۹ ء

شام کا امیر معاویہ اِن حالات میں کب نچلا بیٹھنے والا تھا۔

اس نے عراق کی شمالی مغربی سرحد پر حضرت علیؓ کے وفاداروں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ شروع کر دی۔ شامیوں کے لشکر حملے کرتے تھے اور سرحد کے بدوی قبائل سے زکات اکٹھی کر کے لے جاتے تھے کبھی کبھی قلعے کو سر کر لیتے۔ کبھی کسی شہر کو تاراج کر دیتے تھے۔ اُن کی یلغاروں نے انبار عین تمر اور حیت تک غیر محفوظ حالت پیدا کر دی۔ کوفہ کے لوگ شامیوں کے مقابلے پر جانے سے ہچکچاتے تھے۔ اس لئے ایک روز حضرت علیؓ تنہا چل کھڑے ہوئے۔ کوفیوں کو شرم آئی تو ایک لشکر بنا کر حضرت علیؓ کے ساتھ ہو لئے۔ شامیوں کو روکا۔ ایک لشکر نے ملک شام کے اندر بعلبک کے مقام تک شامیوں کا تعاقب کیا۔ جواباً معاویہؓ نے شمالی عراق پر یلغار کی اور مزاحمت سے دوچار نہ ہونے کے باعث موصل تک کی سیر کر کے واپس چلا گیا۔

مدینہ۔ مکّہ اور یمن پر شامیوں کی یلغار

سنہ ۴۰ھ ۔ سنہ ۶۶۰ء

معاویہؓ نے بُسر نامی ایک سردار کو تین ہزار کا لشکر دے کر حجاز اور یمن کی طرف بھیجا۔ یہ لشکر مدینہ پہنچا تو مدینہ کا حاکم ابو ایوب کوفہ کی طرف بھاگ گیا۔ بُسر مدینہ میں داخل ہوا تو اس نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر چڑھ کر خطبہ دیا جس کے دوران میں کہا:۔

"اے اہلِ مدینہ! وہ بوڑھا اور حنائی بالوں والا پیرِ مرد جس کے ہاتھ پر میں نے ابھی کل کی بات ہے اور تم نے بیعت کی تھی کہاں ہے؟ معاویہ رضؓ نے مجھ سے وعدہ لے لیا تھا کہ اہلِ مدینہ کے ساتھ سختی سے پیش نہ آنا۔ اس لئے رُکتا ہوں، ورنہ مدینہ کے ایک ایک شخص کو قتل کر دیتا۔ معاویہ رضؓ کے لئے میرے ہاتھ پر بیعت کر لو ورنہ سب کو قتل کر دوں گا۔" لوگوں نے معاویہ رضؓ کی خلافت پر بیعت کی۔ بُسر وہاں سے مکّہ پہنچا وہاں بھی یہی کیا اور اہل مکّہ سے جبراً بیعت لی۔ پھر وہ یمن پہنچا۔ یمن کا حاکم عبیداللہ ابنِ عباس کُوفہ کی طرف بھاگ گیا۔ بُسر نے یمن میں حضرت علی رضؓ کے حامیوں پر مظالم ڈھائے۔ حاکم عبیداللہ کے دو بچے پیچھے رہ گئے تھے انہیں قتل کرا دیا۔ کُوفہ سے چار ہزار کا لشکر بُسر کا مقابلہ کرنے کے لئے نکلا لیکن یہ لشکر دیر سے یمن پہنچا۔ بُسر جو لوگوں پر مظالم ڈھا چکا تھا لشکر کی آمد کی خبر سُنکر تیز قدمی سے شام کی طرف لوٹ گیا۔ حضرت علی رضؓ کے حامیوں نے نجران کے بہت سے لوگوں کو جو معاویہ رضؓ کے حامی تھے۔ اور جنہوں نے بُسر کی امداد کی تھی قتل کر دیا۔

مکّہ اور مدینہ کے لوگوں نے حسن رضؓ ابن علی رضؓ کے ہاتھ پر بیعت کی تجدید کی۔ شامیوں کی فوج پلٹ گئی تو حسن رضؓ ابن علی رضؓ کے مدینہ آنے تک حضرت ابوہریرہ رضؓ صحابی نمازوں میں امام بنتے رہے۔

معاویہؓ کے ساتھ عدم تجاوز کا معاہدہ

۴۰ ہجری ۶۶۰ عیسوی

تقدیر کا چکر کہیے یا کچھ اور حضرت علیؓ پر چاروں طرف دل شکستگیوں اور مایوسیوں نے گھیرا ڈال رکھا تھا۔ دشمنوں پر تو کیا دوستوں اپنوں نے بھی انہیں بہت مایوس کیا۔ حضرت علیؓ نے یمن مکہ۔ مدینہ اور بصرہ میں حضرت عباسؓ کے بیٹوں کو عامل بنا رکھا تھا۔ ایک دفعہ حضرت علیؓ نے عبداللہ ابن عباس حاکم بصرہ سے بیت المال کا حساب طلب کیا تو ابن عباسؓ ناراض ہو کر مکہ چلے گئے اور حضرت علیؓ کے بھائی عقیل کسی ایسی ہی بات پر بگڑ کر معاویہؓ سے جا ملے۔ حضرت علیؓ نے دل شکستہ ہو کر معاویہؓ کے ساتھ عدم تجاوز کا معاہدہ طے کر لیا۔ قرار پایا کہ دونوں امیر ایک دوسرے کی مملکت کا احترام کریں گے۔ اور دوسرے کی مملکت پر چڑھائی نہ کریں گے۔ اس معاہدہ کے باعث مسلمانوں کو خانہ جنگی سے نجات مل گئی لیکن حضرت علیؓ کی مملکت میں داخلی شورشیں اٹھتی رہیں اور لڑائی جھگڑے اور لوٹ مار کے واقعات رونما ہوتے رہے۔

خوارج کی سازش

خوارج بدستور "کیا ہوا؟ کیا پایا؟" کی گردان کرتے رہے۔ وہ کہتے تھے کہ معاویہؓ اور علیؓ نے دنیوی بادشاہیاں قائم کرلیں اسلام کی روح مٹ گئی۔ ہم نے جو قربانیاں دی تھیں وہ رائیگاں گئیں۔ انہیں سے اکثر عراق چھوڑ کر حجاز چلے گئے۔ وہاں وہ اسلام کی بدحالی پر آپس میں اظہار افسوس کرتے تھے۔ ان میں سے تین شخصوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ مسلمانوں پر استبداد کرنے والے تینوں امیروں یعنی معاویہؓ۔ علیؓ عمرو ابن العاصؓ کو قتل کردیں تاکہ اسلام اور مسلمانوں کی گردن آزاد ہو جائے۔ اور اللہ کا حکم قائم کرنے کی راہ نکل آئے ان کا یہ مشورہ جلد ہی عزم کی شکل اختیار کر گیا اور انہوں نے سازش کرلی کہ تینوں امیروں کو جن کی وجہ سے مسلمانوں میں فساد برپا ہے۔ بیک وقت قتل کردیں۔ ۱۷ رمضان المبارک کی نماز فجر کا وقت اس ارادے کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے مقرر ہوا۔ اور تینوں سازشی اپنے زعم میں اسلام اور اُمتِ مسلمہ کی بہت بڑی خدمت انجام دینے کے لئے اپنی اپنی منزلِ مقصود کی طرف روانہ ہو گئے۔

حضرت علیؓ کی شہادت

۱۷۔ رمضان سنہ ۴۰ ھ = ۲۵ جون سنہ ۶۶۱ عیسوی

۱۷۔ رمضان سنہ ۴۰ھ کو نمازِ فجر کے وقت تین سازشیوں نے

حسب قرارداد اقدام کر دکھایا۔ لیکن اتفاق کی بات ہے کہ فسطاط (مصر) میں عمرو بن العاص بیمار ہونے کی وجہ سے اس روز نماز کے لئے مسجد میں نہ آئے اس نماز کی امامت کے فرائض کوئی دوسرا شخص بجا لاتا تھا۔ حملہ آور نے اسی کو عمرو سمجھ کر اس پر حملہ کر دیا۔ اور وہ ڈھیر ہو گیا۔ یہ شخص جو مارا گیا عمرو ابن العاص کے محافظ دستے کا سالار تھا۔ نمازیوں نے حملہ آور کو پکڑ لیا۔ جب اُسے حقیقت معلوم ہوئی اور وہ عمرو کے سامنے پیش کیا گیا تو اس نے عمرو سے کہا کہ میرا ہدف تو تم تھے۔ عمرو نے جواب دیا: "لیکن خدا کو منظور ہے کہ تجھے قتل کر دیا جائے"۔

دمشق (شام) میں اُسی وقت دوسرے خارجی نے معاویہؓ پر حملہ کیا۔ اور خنجر سے چوتڑے میں کاری زخم لگایا۔ طبیب نے کہا کہ "زخم کو گرم لوہے سے داغا جائے یا ایک دارو پلایا جائے تو جان بچ سکتی ہے۔ لیکن دارو پینے سے آپ آئندہ کے لئے اولاد پیدا کرنے کے قابل نہ رہیں گے"۔ معاویہؓ نے دوسرا علاج منظور کیا۔ قاتل پکڑا گیا اور اُسے موت کی سزا دے دی گئی۔

حضرت علیؓ کا کام تمام کرنے کے لئے جو خارجی مقرر ہوا تھا اسکا نام عبدالرحمٰن ابن ملجم تھا۔ اس نے کوفہ پہنچ کر ایک اور شخص شبیب نامی کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ ۱۷ رمضان کی صبح کو حضرت علیؓ لوگوں کو نماز کے لئے بلاتے ہوئے۔ مسجد میں داخل ہوئے اور محراب میں پہنچ گئے۔ عبدالرحمٰن ابن ملجم اور شبیب نے یکبارگی حملہ کر دیا۔ شبیب کی تلوار محراب

پر پڑی اور ابن ملجم کی تلوار حضرت علیؓ کے سر اور بازو کو کاٹ گئی۔ لوگ حضرت علیؓ کو زخمی ہونے کی حالت میں اٹھا کر محل میں لے گئے۔ حضرت علیؓ نے ابن ملجم سے پوچھا کہ یہ کیا حرکت ہے؟ ابن ملجم نے جواب دیا کہ "میں چالیس دن سے دعا کر رہا تھا کہ بدترین انسان کیفرِ کردار کو پہنچ جائے۔" حضرت علیؓ نے فرمایا کہ "وہ بدترین انسان تو ہی ہے جسے اپنے کیفرِ دار کو پہنچا دیا جائے گا۔" حضرت علیؓ نے اپنے بیٹے حسن سے کہا کہ "اگر میں مر گیا تو عدلِ اسلام کی رُو سے اس کا قتل واجب ہے لیکن اس کو مُسلہ نہ کرنا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ممانعت فرمائی ہے۔"

حضرت علیؓ کی ننھی بیٹی ام کلثوم روتی ہوئی ابن ملجم کے پاس گئی اور بولی "میرے ابا بچ جائیں گے۔" ابن ملجم نے جواب دیا کہ "پھر روتی کیوں ہے۔ یاد رکھ کہ تلوار میں نے ایک ہزار دینار دے کر خریدی اور ایک ہزار دینار دے کر اسے زہر میں بجھایا۔ اس کے زخم سے کوئی بچ نہیں سکتا۔"

لوگوں نے حضرت علیؓ سے دریافت کیا کہ آیا آپ کے بعد ہم آپ کے بیٹے حسنؓ کو خلیفہ بنا لیں آپ نے فرمایا کہ "تم خود ہی اس بات کا فیصلہ کر لینا۔"

حضرت علیؓ نے زندگی کے آخری لمحات میں حسنؓ اور حسینؓ کو وصیت فرمائی کہ "تقویٰ سے کام لینا۔ رضائے الٰہی پر شاکر رہنا۔ ہمسایوں سے اچھا سلوک کرنا۔" اس کے بعد حضرت علیؓ کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔

حضرت علیؓ کی وفات تکفین نمازِ جنازہ اور تدفین کے بعد ابنِ ملجم کو قتل کر کے اس کی لاش بوری میں رکھ کر جلا دی گئی۔ کہا جاتا ہے کہ ابنِ ملجم نے نہایت ہی اطمینانِ خاطر کے ساتھ اللہ کے حضور میں دُعائیں کرتے ہوئے جان دی۔ گویا وہ اپنے کارنامے پر مطلقاً نادم نہ تھا۔

حضرت علیؓ کے مزار کا کوئی پتہ نہیں کہ کہاں ہے؟ لوگ جلدی بھُول گئے۔ بعض کہتے ہیں کہ اُن کی میت کو کوفہ کی مسجد میں سپردِ خاک کیا گیا۔ بعض کا خیال ہے کہ محلِ خلافت ہی میں دفن کر دیا گیا۔ بعض اُن کا مزار نجف اشرف میں بتاتے ہیں اور بعض بحیرہ نجف کے کنارے سُراغ لگاتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں حضرت علیؓ کی میت مدینہ میں لے جا کر جنت البقیع میں دفن کی گئی تھی۔ اور بعض کا اعتقاد یہ ہے کہ تابوت ناقہ پر لاد کر ناقہ کو کھُلا چھوڑ دیا گیا تھا۔ اور وہ ناقہ تابوت سمیت پہاڑیوں میں غائب ہو گئی۔

حضرت علیؓ بے حد شجاع۔ نرم دل۔ فیاض اور سخی تھے۔ اتنے وسیع القلب کہ دُشمنوں کو معمولی سی پشیمانی کے اظہار پر معاف کر دیتے تھے۔ خود نہایت سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ اور اپنا مال غریبوں اور مسکینوں پر خیرات کر دیتے تھے۔ اتنے صاف دِل اور راست گو تھے کہ آپ کے بعض کاموں پر اُن لوگوں کو تعجب ہوتا ہے جو مصلحت شناسی کو ہنر سمجھتے ہیں۔ پہلے تین خلفاء کی طرح بے غرض۔ بے نفس اور محض اللہ

کی رضا حاصل کرنے کے لئے کام کرنے والے اور نبی کریمؐ کی اُمت کی دینی اُخروی اور دُنیاوی بہبود کے خواہاں۔ لیکن اُنہیں اپنے عہدِ خلافت میں ایسے لوگوں سے واسطہ پڑا جن میں دُنیا طلبی اور جاہ پسندی کی بُرائیاں عام ہو چکی تھیں۔ اس لئے اُنہیں قدم قدم پر مشکلات پیش آئیں اور مایوسیوں سے دوچار ہونا پڑا۔ سطحی نظر رکھنے والے لوگوں کو ان کا عہدِ خلافت ناکامیوں کی ایک مسلسل داستان نظر آتا ہے اور وہ یہ خیال قائم کر لیتے ہیں کہ شاید حضرت علیؓ امامت و قیادت کی صلاحیتوں میں اپنے پیش روؤں کے ہم پلہ نہ تھے۔ لیکن امرِ واقعہ یہ ہے کہ اُن کے وقت تک مسلمانوں کے عام معاشرے کا مزاج اس حد تک بگڑ چکا تھا اور فتنے اس حد تک ترقی کر گئے تھے کہ اُن سے حضرت علیؓ کی سی خوبیاں اور صلاحیتیں رکھنے والا امیر بھی عہدہ برآ نہ ہو سکا۔ حضرت علیؓ کا عہدِ خلافت مسلمانوں کے خالص دینی رجحانات اور دنیوی امیال و عواطف کی باہمی آویزش اور کشمکش کا دور تھا جو دنیوی امیال و عواطف کو دینی رُجحانات پر غالب کرنے پر منتج ہوا۔ محض دینِ اسلام کو فروغ دینے کی خاطر بے غش للہیت کے ساتھ جینے اور مرنے کی جو صفات اللہ کے آخری رسُول پر ایمان والی اُمت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضانِ صحبت سے پیدا ہوئیں پروان چڑھیں اور شیخین رضوان اللہ تعالےٰ علیہما کے عہد میں قائم رہیں۔ وہ حضرت عثمانؓ کے عہد میں زوال پذیر ہونے لگیں۔ حضرت علیؓ نے اِن کے احیا و بقا

کے لئے صبرآزما جدوجہد کی لیکن دین پر دُنیا غالب آگئی اور وہ صفات بحیثیتِ مجموعی مسلمانوں کی قوم سے ایسی غائب ہوئیں کہ حضرت علیؓ کے ساتھ ہی زیرِ زمین دفن ہو گئیں۔ حضرت علیؓ کی وفات کے ساتھ مسلمانوں کے معاشرے کا رنگ بدل گیا۔ اور اُمتِ مسلمہ دُنیا کی دُوسری قوموں کی طرح ایک عام قوم بن کر رہ گئی۔ اُن کی دینی خلافت دنیوی ملوکیت میں تبدیل ہو گئی۔ اور مسلمانوں کا امر یعنی حکومتی کاروبار ایسے جابروں اور مستبدوں کے ہاتھ میں چلا گیا جو محض دُنیوی اقتدار اور شاہی جاہ و جلال کے دلدادہ تھے۔ دین کے خدمت گذاروں نے اس طبقہ سے بے نیاز ہو کر دین کی خدمت کے لئے الگ راہیں اختیار کر لیں۔ چنانچہ اس وقت سے یعنی حضرت علیؓ کی وفات کے وقت سے لے کر آج تک مسلمانوں کی تاریخ محض اُن کے دُنیوی عروج و زوال کی تاریخ ہے۔ دین اسلام کی ترقی یا تنزل کی تاریخ نہیں۔ اسلام کے سر پر جو بیتی وہ مسلمانوں کی تاریخ کی ایک ضمنی داستان ہے۔ جس کے اجزا بڑی تفتیش اور کاوش کے ساتھ جمع کئے جا سکتے ہیں۔ ہم مسلمانوں کے دُنیوی عروج و زوال کا حال بیان کرتے ہوئے اس پہلو کا بھی جائزہ لیں گے۔ اور دکھائیں گے کہ مسلمانوں کی تاریخ کے مختلف اَدوار میں اُن کی دُنیا طلبی اُن کی دینی حِس کو کسی حد تک متاثر کرتی رہی اور اُن کی دینداری اُن کی دُنیا طلبی پر کیا کیا اثرات ڈالتی رہی۔

خلافتِ راشدہ

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ۔ حضرت عمر فاروق رضؓ۔ حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت علی رضؓ کی خلافت اسلام کی تاریخ میں خلافتِ راشدہ کے نام سے موسوم ہے۔ اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ چاروں جانشین خلفائے راشدین کہلاتے ہیں۔ کیونکہ اِن سب کے پیشِ نظر وہی مقاصد تھے جن کی تکمیل کے لئے اللہ تعالےٰ نے اپنے آخری نبیؐ کو مبعوث کیا تھا۔ بعد کے ادوار کی ملوکیتیں بھی خلافت ہی کے نام موسوم ہوتی رہیں۔ لیکن وہ محض نام تھا۔ خلافت کے وظیفہ کو مسلمان حضرت علی رضؓ کی وفات کے ساتھ ہی بھول گئے تھے۔ اگر حضرت عثمان رضؓ اور حضرت علی رضؓ کے عہد کے مُسلمانوں میں بھی فی سبیل اللہ دین کی بے لوث خدمت کا وہی جذبہ کارفرما ہوتا جو حضرت صدیق رضؓ اور حضرت عمر رضؓ کے عہد میں فراواں تھا تو اُن میں وہ فتنے پیدا ہی نہ ہوتے جو حضرت عثمان رضؓ کے عہد کی شورشوں اور حضرت علی رضؓ کے عہد کی تباہی خیز خانہ جنگیوں پر منتج ہوئے۔ جتنے مُسلمانوں کی جانیں آپس کی اِن لڑائیوں میں ضائع ہوئیں۔ اور اُن کی جو قوتیں آپس کی کشمکش پر صرف ہوئیں اگر نوعِ انسانی تک اسلام کا پیغام پہنچانے پر صرف ہوتیں تو اسی مختصر مُدّت میں مُسلمان ساری دُنیا کو فتح کر لیتے۔ اور اللہ کے پیغام کو زمین کے ایک سرے سے لے کر دُوسرے سرے

تک پہنچا دیتے۔ لیکن مسلمانوں کے معاشرے کا عام مزاج بگڑ چکا تھا
اُنہوں نے دُنیوی عیش و آرام اور شخصی جاہ و جلال کو دین کی والہانہ خدمت
اور فقط رضائے الٰہی کے حصول کی کوشش پر ترجیح قرار دے لیا تھا
اِس لئے حضرت علیؓ کی تمام کوششیں جو اُنہوں نے صحابۂ کرام رضوان اللہ
تعالےٰ اجمعین کے سے دینی جذبہ کے احیاء و بقا کے لئے کیں ناکام ثابت
ہوئیں۔ دُنیا طلبی کے ساتھ اِس عہد کے مسلمان عربوں میں زمانۂ جاہلیت
کی وہ مکروہ عادتیں لوٹ آئیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضانِ
صحبت نے محو کردی تھیں اور جن سے بچنے کے لئے حضور ؐ نے اپنی
اُمت کو حجۃ الوداع کے موقع پر وصیت فرمائی تھی۔ آپ لوگ ذاتی
منفعت اور قبائلی عصبیت کی عینک سے حالات کی رفتار کا جائزہ
لینے لگے تھے۔ بعد کے اَدوار میں یہ ناگوار کیفیت ترقی کرتی چلی گئی۔
تاہم ہر دور میں مسلمانوں کے معاشرے میں دین کے ساتھ شغف
رکھنے والے لوگ کم و بیش تعداد میں برابر موجود رہے۔ اور اُنکی موجودگی
مسلمانوں کے عام طرزِ عمل اور اُن کی سرگرمیوں پر اثر انداز ہوتی رہی۔

فتن اور ان کے اسباب و علل پر ایک نظر

اِس دَور کے فتن کا آغاز اُس پُراسرار مکتوب کے انکشاف سے
ہوا جو خلیفۂ ثالث حضرت عثمانؓ کے نام پر مصر کے حاکم عبداللہ ابن
ابی سرح کے نام بھیجا گیا تھا۔ اِس مکتوب میں لکھا گیا تھا کہ خلیفہ کے

پہلے فرمان کو جو محمدؐ بن ابی بکر لا رہا ہے۔ منسوخ سمجھو اور مصر کی حکومت کا چارج دینے کے بجائے اسے قتل کرا دو۔ حضرت عثمانؓ کے حلم و تدبر نے پہلا فرمان لکھ کر عامۃ المسلمین کی ان شکایات کا ازالہ کر دیا تھا جو ان کے ایک طبقہ میں بنو امیہ اور قریش کے استکبار کی بدولت پیدا ہو کر مظاہروں اور محاصروں کی صورت اختیار کر گئی تھیں۔ لیکن اس پُراسرار مکتوب کے انکشاف نے جس کے لکھوانے اور بھجوانے سے حضرت عثمان رضؓ نے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا۔ احتجاج کا عَلم بلند کرنے والی جمعیتوں کو برافروختہ کر دیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ ضعفِ پیری کے باعث اپنے خاندان کے افراد کی سازشوں کے سامنے بے بس تھے۔ اس لئے وہ معترضین کے سامنے اس پُراسرار مکتوب کے متعلق کوئی تسلی بخش توجیہہ پیش کرنے سے قاصر رہ گئے۔ اگر اس موقع پر بھی جعلسازی کے حقیقی مجرم کو سامنے لا کر کیفرِ کردار کو پہنچا دیا جاتا تو وہ فتنۂ عظیم رُک سکتا تھا۔ جو آخر کار حضرت عثمانؓ کی شہادت کے سانحہ پر منتج ہوا۔ مدینہ کے لوگ ان کیفیات سے دوچار ہو کر ششدر رہ گئے اور فیصلہ نہ کر سکے کہ پُراسرار مکتوب کے بارے میں خلیفہ کا ساتھ دیں جن کے ہاتھ پر وہ بیعت کر چکے تھے یا احتجاج کرنے والوں کے ہم نوا بن جائیں جو خلیفہ سے دوسرے فرمان کے اصدار کی وجہ یا حقیقت دریافت کرنے اور اس فاش غلطی کی تلافی کرانے کے درپے تھے۔ اس ناگوار

کیفیت سے عہدہ برآ ہونے کی ایک صورت یہ بھی تھی کہ حضرت عثمانؓ خلافت کے منصب سے دست بردار ہو جاتے یا مدینہ کے لوگ اُنہیں اتفاق رائے یا کثرت آرا کے بل پر معزول کر دیتے۔ لیکن خلیفہ کو معزول کرنے کا خیال اسی وقت کسی کے دماغ میں پیدا نہ ہوا اور دست برداری کے لئے حضرت عثمانؓ آمادہ نہ ہوئے۔ اپنے خاندان کے افراد کی سازشوں کے سامنے حضرت عثمانؓ کی بے بسی اس امر سے بھی ظاہر ہے کہ وہ اپنی جان دینے کے لئے ہمہ تن تیار تھے۔ لیکن اپنی حفاظت کے لئے دمشق اور بصرہ کے حاکموں سے فوجی امداد طلب کرنے پر رضامند نہ ہوئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آخری دنوں میں جب دمشق اور بصرہ سے فوج طلب کی گئی تو وہ فرامین بھی حضرت عثمانؓ کی منظوری سے نہیں بھیجے گئے تھے۔ بلکہ مصر کے پُراسرار مکتوب کی طرح کسی پُراسرار ہاتھ ہی کا کرشمہ ہوں گے۔ واقعات صاف ظاہر کر رہے ہیں۔ کہ ان سارے فتنوں کی علت العلل قریش اور خاندانِ بنو اُمیہ کا یہ استکبار تھی کہ حکومت کرنے اور حکمران بننے کا حق صرف انہی کو حاصل ہے۔ اُن کی جاہ طلبی نے بدوی عربوں میں بجا طور پر بیزاری کے احساسات کو ترقی دی۔ اور اُن کی سازشوں نے اس بیزاری کو اس حد تک بڑھا دیا کہ احتجاج کی تحریک اپنی جائز حدوں سے متجاوز ہو کر بغاوت اور فساد کی صورت اختیار کر گئی۔ حضرت عمرؓ

کی بصیرت نے حضرت عثمان رضؓ اور حضرت علی رضؓ کو یہ وصیت فرمائی تھی کہ "خلیفہ بن کر اقربا نوازی سے محترز رہنا اور انصار اور عربوں کے ساتھ حُسنِ سلوک سے پیش آنا" لیکن واقعات کی رفتار نے ثابت کر دیا کہ اُمّتِ مُسلمہ کے مستقبل کے بارے میں حضرت عمر رضؓ کے خدشات بے بنیاد نہیں تھے۔ اِن کی دقیقہ رَس نگاہیں اِن فتنوں کو اسی وقت بھانپ رہی تھیں جب کہ وہ ابھی لوگوں کے دلوں کی گہرائیوں ہی میں پرورش پا رہے تھے۔

حضرت عثمان رضؓ کی شہادت کے سانحہ نے بہت سے فتنوں کے دروازے کھول دیئے۔ بنو اُمیہ اور قریش کا گروہ قصاصِ عثمان رضؓ کا مطالبہ لے کر اُٹھ کھڑا ہوا۔ جس کا مدعا محض قصاص نہیں تھا۔ بلکہ حکومتی اقتدار حاصل کرنا۔ اور حضرت علی رضؓ کی خلافت کو ناکام بنانا تھا۔ اگر یہ گروہ حضرت علی رضؓ کو خلیفہ مان کر اُن کے ہاتھ مضبوط کرنے کا موجب بنتا۔ تو حضرت علی رضؓ حضرت عثمان رضؓ کے قاتلوں کو کیفر کردار تک پہنچا کر رہتے۔ لیکن مخالفین نے اِس بات کا موقع ہی نہ دیا اور مجرموں نے مُسلمانوں کے دو گروہوں کو جو اپنی اپنی جگہ پر بدرجۂ غایت نیک نیت تھے۔ محض اپنے بچاؤ کی خاطر آپس میں لڑا دیا۔ اور اس تباہ کُن خونریزی کی نوبت آگئی جو تاریخ اسلام میں جنگِ جمل کے نام سے موسوم ہوئی۔ یہ واقعات حضرت علی رضؓ کی خلافت کے مقابلے میں حضرت معاویہ رضؓ کی امارت کے

قیام پر منتج ہوئے اور مسلسل خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ یہ خانہ جنگی خوارج کا فتنہ پیدا کرنے پر منتج ہوئی۔ جو نیک نیتی سے علیؓ اور معاویہؓ دونوں کو خاطی سمجھتے تھے۔ لیکن جن کے دلوں کا حقیقی درد یہ تھا کہ اسلام کی حکومت کے کاروبار میں عام عرب کیوں دخیل نہیں ؟ عرب بنو امیہ اور بنو ہاشم اپنا اپنا دنیوی اقتدار قائم کرنے میں کیوں کامیاب ہو گئے ہیں؟ حضرت علیؓ نے خوارج کو اپنے عقائد کی تلقین سے زبردستی طاقت سے بزور روکنے کی کوشش نہ کی اور ان پر اس وقت تلوار اٹھائی جب کہ وہ فتنہ و فساد برپا کرنے کے مرتکب ہونے لگے۔ خوارج نے مسلمانوں کی رائے عامہ کو اپنا ہم خیال بنا کر اقتدار حاصل کرنے کے بجائے قتل و خونریزی اور فتنہ و فساد کی راہ اختیار کی۔ اور تعجب یہ ہے کہ وہ عقیدۃً اپنے اس طرز عمل کو حق بجانب سمجھتے تھے اور یقین رکھتے تھے کہ وہ دین کی خدمت اور امت کی اصلاح کر رہے ہیں۔ حضرت علیؓ نے ایسے ہی ایک خارجی کے ہاتھوں جام شہادت نوش کیا۔ ان کی وفات کے وقت تک امتِ مسلمہ میں حسب ذیل مذہبی فرقے پیدا ہو چکے تھے۔

(۱) بنو امیہ کے حامی جو قصاص عثمانؓ کے علم بردار ہونے کی بنا پر اپنے آپ کو حق بجانب قرار دے رہے تھے۔ اور حضرت علیؓ اور ان کے متبعین اور اہلِ بیت پر لعنت بھیجنا کارِ ثواب خیال کرتے تھے۔

(۲) حضرت علیؓ کو خلیفہ برحق اور حضرت معاویہؓ کو نیک نیت

غلطی سمجھنے والے عام مسلمان جن کا عقیدہ یہ تھا کہ خلیفہ کا انتخاب بالقرار شیخین رضؓ کی قائم کردہ منہاج پر ہونا چاہیئے۔

(۳) ابن سبا یا ابن سوادے کے پیرو جو حضرت علیؓ کو وصی رسول اللہ سمجھتے تھے — اور پہلے کے تینوں خلفائے راشدینؓ کو منصب خلافت کے غاصب خیال کرنے لگے۔ اس فرقہ کے لوگ معاویہؓ اور بنو اُمیہ کے ساتھ پہلے تین خلفاء پر بھی تبرا کرنا کارِ ثواب سمجھنے لگے۔ یہ لوگ شیعانِ علیؓ کہلائے۔ اور بعد میں شیعہ مذہب کے پیرو مشہور ہوئے۔

(۴) خوارج یا خارجی جو حضرت علیؓ۔ حضرت معاویہؓ اور حضرت عمرو ابن العاصؓ کو اور ان کے پیروؤں اور ساتھیوں کو مرتد اور واجب القتل خیال کرتے تھے۔ اور شخصی خلافت کے بجائے جمہوری شورائی حکومت قائم کرنا اور از روئے دین لازم سمجھنے لگے تھے۔ انہوں نے اپنے مقصد کے حصول کے لئے شورش۔ فساد۔ بغاوت اور قتل کے حربے اختیار کئے۔ اس لئے عامۃ المسلمین کی نگاہوں سے جلد ہی گر گئے۔

تاریخ اسلام

جلد دُوم

چوتھی کتاب

بنواُمیّہ کی دُنیوی خلافت

سنہ ۴۰ھ / سنہ ۶۶۱ء سے سنہ ۱۳۲ھ / سنہ ۷۵۰ء تک

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] [illegible]

معاویہؓ اوّل کا عہد

۴۰ھ سنہ ۶۶۱ء سے
۵۹ھ سنہ ۶۸۱ء تک

حسنؓ اور معاویہؓ کی جنگ

۴۰ھ سنہ ۶۶۱ء

حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد کوفہ کے لوگوں نے خلیفہ چہارم کے بڑے بیٹے امام حسنؓ کو خلیفہ منتخب کیا۔ لیکن دمشق میں وہاں کے حاکم امیر معاویہؓ نے حضرت علیؓ کی وفات سے پہلے ہی اپنے خلیفہ اسلام ہونے کا علم بلند کر رکھا تھا۔ اور سنہ ۶۶۰ء میں شام کے لوگوں سے اپنی خلافت پر بیعت لے لی تھی۔ حضرت علیؓ کی وفات کی خبر سنتے ہی امیر معاویہؓ نے عراق پر لشکر کشی کی۔ کوفہ سے حضرت حسنؓ کی سرکردگی میں چالیس ہزار نفوس پر مشتمل ایک لشکر مقابلے کے لئے چلا۔ قیس کی قیادت

میں ایک لشکر بہت آگے نکل گیا۔ حضرت حسنؓ اپنے لشکر کے ساتھ ابھی مدائن کے مقام پر پہنچے تھے کہ مفسدہ پردازوں نے جنہیں عصر حاضر کی اصطلاح میں امیر معاویہؓ کا پانچواں کالم کہنا چاہیئے۔ یہ افواہ پھیلا دی کہ قیس نے الجزیرہ میں شکست کھائی اور شہادت پائی۔ اس افواہ سے حضرت حسنؓ کے لشکر میں بددلی پھیل گئی۔ اور لشکر کے بعض عناصر نے ہنگامہ برپا کر دیا۔ حضرت حسنؓ کا خیمہ اور شامیانہ اکھاڑ دیا۔ یہ کوفی حضرت حسنؓ کو پکڑ کر امیر معاویہؓ کے حوالے کرنا چاہتے تھے۔ لیکن حسنؓ مدائن کے قصر ابیض میں آ بیٹھے۔ وہاں سے آپ نے امیر معاویہؓ کو خط لکھا۔ جس میں ان شرطوں پر خلافت سے دست بردار ہونے پر آمادگی کا اظہار کر دیا کہ پچاس لاکھ دینار کا خزانہ انہی کی تحویل میں رہے۔ ایران کا ایک ضلع جاگیر کے طور پر انہیں دے دیا جائے۔ اور اس تبرا بازی کو بند کر دیا جائے جو حضرت علیؓ اور ان کے بیٹوں اور ساتھیوں پر مسجدوں کے ممبروں سے کی جاتی ہے۔ امیر معاویہؓ نے پہلی دو شرطیں من وعن مان لیں۔ اور تیسری کے متعلق یہ وعدہ کر لیا کہ حضرت حسنؓ کی موجودگی میں یعنی ان کے سامنے تبرا بازی نہیں کی جائے گی۔ ۲۴۔ ربیع الاول ۴۱ھ مطابق جولائی ۶۶۱ء کو معاہدہ کی تصدیق کر دی گئی۔ قیس الجزیرہ میں امیر معاویہؓ کے لشکر سے برسر پیکار تھا۔ لیکن معاہدہ کی خبر سن کر اس نے بھی ہتھیار ڈال دیئے۔ اسی طرح امیر معاویہؓ حاکم دمشق و شام ساری مملکت اسلامی

کے واحد خلیفہ تسلیم کرلئے گئے۔ کیونکہ حضرت حسنؓ کی دستبرداری کے بعد کوئی شخص امیر معاویہؓ کے مقابلے میں خلافت کا امیدوار یا دعویٰ دار بن کر سامنے نہ آیا۔ امیر معاویہؓ نے کوفہ پہنچکر وہاں کے لوگوں سے بیعت لی۔ اور مملکت کا نظم ونسق سنبھالنے کے لئے مناسب انتظامات شروع کردیئے۔

حاکموں کا تقرر

سنہ ۴۰ ھ سنہ ۶۶۱ ء

معاویہؓ ابن ابوسفیان کو حضرت عمرؓ نے معاویہؓ کے بڑے بھائی یزید ابن ابوسفیان کی جگہ سنہ ۲۰ ہجری مطابق سنہ ۶۴۲ء میں شام کی ولایت کا حاکم مقرر کیا تھا۔ معاویہؓ اپنے تدبر اور حسنِ انتظام کے باعث بہت کامیاب حاکم ثابت ہوئے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ شام کے باشندے غسانی بادشاہوں کے زیرِ حکومت منظم زندگی بسر کرنے کے عادی ہوچکے تھے اور قبائلِ عرب کی بہ نسبت زیادہ متمدن تھے۔ شامی معاویہؓ کو غسانی حکمرانوں ہی کا جانشین متصور کرنے لگے۔ معاویہؓ نے بھی ماحول کو بھانپ کر حاکمانہ شان وشوکت دکھانے کی پالیسی اختیار کرلی اور شام کے ہمسائیوں کے مشورے سے اسی طرح کا اندازِ حکومت اختیار کیا جن سے شامی نسلاً بعد نسلٍ ہلے ہوئے تھے

اپنی طاقت کو مضبوط بنانے کے لئے معاویہؓ نے شام کی سرزمین میں جو عرب کثیر تعداد میں آباد کئے وہ بنو کلب سے تھے کیونکہ معاویہؓ کی بیوی اسی قبیلہ کی ایک خاتون تھی۔ حضرت عثمانؓ کے عہد میں معاویہؓ کو اپنی طاقت بڑھانے اور اپنے پاؤں جمانے کے اور بھی مواقع میسر آگئے کیونکہ حضرت عثمانؓ بھی بنو اُمیہ میں سے تھے اور اپنے ہی خاندان کے حاکموں پر زیادہ اعتماد کرتے تھے۔ حضرت علیؓ کے عہد میں معاویہؓ نے ان کی خلافت کو تسلیم نہ کیا بلکہ اُن سے پیہم برسرِ پیکار رہے۔ اس زمانہ میں معاویہؓ نے حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کے مخالفوں پر نوازشیں کر کے اُنہیں اپنا بنائے رکھنے کی پالیسی اختیار کی۔ اور کوفہ اور بصرہ میں اپنے ایجنٹوں کے ذریعے سے اپنے اقتدار کے لئے زمین ہموار کرنے کی کوششیں جاری رکھیں۔ جن کا نتیجہ حضرت حسنؓ کے لشکر میں عام بغاوت کی صورت میں رُونما ہوا۔ حضرت حسنؓ کی خلافت سے دستبرداری کے بعد امیر معاویہؓ ساری مملکت اسلامی کے خلیفہ بن گئے۔ کیونکہ ایک تو شامیوں کی منظم طاقت ان کی پشت پناہی پر تھی۔ دُوسرے ان کا کوئی حریف نہیں تھا جو منصبِ خلافت کا اُمیدوار یا دعوے دار بن کر سامنے آتا۔ تیسرے اُنہیں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابی ہونے کا شرف بھی حاصل تھا۔ اس لئے عامۃ المسلمین اُنہیں بھی احترام کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ خلیفہ بننے کے ساتھ ہی امیر معاویہؓ نے مضبوط ہاتھوں سے مملکت کا نظم و نسق سنبھالنے

کے لئے مناسب اقدامات شروع کر دیئے۔ انہوں نے کوفہ میں مغیرہؓ
ابن شعبہ کو حاکم بنایا۔ مغیرہؓ طائف کا باشندہ تھا۔ جس نے مدینہ
آکر حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ فتح
طائف (۹ھ) کے وقت اسی نے اپنے قبیلہ کے بت کو توڑا۔ اور
تقویٰ کے باعث عزت پائی۔ حضرت مغیرہؓ ایران کی ایک سفارت
میں بھی شریک تھے جو حضرت عمرؓ کے عہد میں ایرانیوں کی طرف بھیجی
گئی تھی۔ حضرت عمرؓ نے انہیں بحرین کا حاکم مقرر کیا۔ پھر بصرہ کا گورنر
بنایا۔ بصرہ کے لوگوں نے ان پر زنا کا الزام لگایا۔ حضرت عمرؓ نے
انہیں معطل کر دیا۔ اس کے بعد مغیرہ گوشہ نشینی کی زندگی بسر کرنے لگے
اور انہوں نے حضرت علیؓ کی خانہ جنگیوں میں کسی قسم کا حصہ نہ لیا
امیر معاویہؓ نے انہیں کوفہ کا حاکم بنا دیا۔ جہاں انہوں نے کامیابی
کے ساتھ حکومت کی۔ کوفہ میں مغیرہؓ نے خارجیوں اور شیعوں کے
اختلاف سے بہت فائدہ اٹھایا جو آپس کی بحثیں اور لڑائی جھگڑوں
میں الجھے رہے اور شام والوں کے اقتدار کی طرف توجہ نہ دے سکے جس سے
وہ نفرت کرتے تھے۔ بصرہ میں امیر معاویہؓ نے زیاد کو حاکم بنایا جو حضرت
علیؓ کے عہد میں فارس کا کامیاب گورنر تھا۔ یہ زیاد امیر معاویہؓ کے
باپ ابوسفیان کا ناجائز بیٹا تھا اور اپنی ماں کی نسبت سے زیاد ابن سمیہ
کہلاتا تھا یا زیاد ابن ابیہ کے نام سے مشہور تھا۔ امیر معاویہؓ نے خلیفہ
بننے کے بعد زیاد کو اپنی اطاعت پر آمادہ کر لیا۔ اپنے پاس بلایا خوب آؤ بھگت

کی اور اسے اپنا بھائی تسلیم کرتے ہوئے اس امر کا اعلان کر دیا۔ ۴۵ھ میں زیاد ابن ابیہ کو بصرہ کا گورنر بنا دیا۔ بصرہ کے لوگ شورہ پشت تھے۔ زیاد نے ان پر جبر و تشدد سے حکومت قائم کی اور اہل شہر پر ایک ہزار لفری پولیس مسلط کر دی۔ رات کے وقت لوگوں کے لئے گھروں سے باہر نکلنا حکماً ممنوع قرار دے دیا۔ انہی اقدامات کے سلسلے میں ایک بدوی کو قتل بھی کرایا۔ زیاد اپنے خلیفہ کی طرح شان و شوکت کے ساتھ رہتا تھا۔ اس کے دروازے پر پانچسو جوان پہرہ دیا کرتے تھے۔ اس کی سواری بڑے تزک و احتشام سے نکلا کرتی تھی۔ ۶۷۰ء میں کوفہ کے گورنر مغیرہ نے وفات پائی تو زیاد کو بصرہ کے ساتھ کوفہ کا حاکم بھی بنا دیا گیا۔ زیاد نے کوفہ اور بصرہ کی بدوی آبادیوں پر استبدادی حکومت قائم کر لی۔ مصر میں حضرت عمرو ابن العاص گورنر تھے۔ عمرو نے ۴۳ھ ۶۶۴ء میں وفات پائی اور ان کی جگہ ان کا بیٹا مصر کا حاکم مقرر ہوا۔

حضرت حسنؓ کی وفات

۴۸ھ یعنی ۶۶۹ء

۴۸ھ میں یعنی خلافت سے دست برداری کے آٹھ سال بعد حضرت حسنؓ کو ان کی بیوی نے جو بنی کندہ کے اشعث شاعر کی بیٹی تھی زہر کھلا دیا۔ جس کے اثر سے حضرت حسنؓ وفات پا گئے۔ کہا جاتا ہے

کہ زہر امیر معاویہؓ کے ایما پر کھلایا گیا تھا۔ کیونکہ لوگ اُنہیں اپنا دینی امام اور پیشوا سمجھنے لگے تھے۔

منبر رسول اللہ کو دمشق لیجانے کا ارادہ

سنہ ۵۰ھ سنہ ۶۷۱ء

خلیفہ بننے کے دسویں سال یعنی سنہ ۵۰ھ میں امیر معاویہؓ نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر اور عصا کو مدینہ کی مسجد نبوی سے اُٹھا کر دمشق لے جانے کی کوشش کی۔ لیکن جونہی منبر کو ہاتھ لگایا تو منبر کانپ اُٹھا اور آفتاب تاریک ہوگیا۔ حضرت ابوہریرہؓ نے امیر معاویہؓ کو منع کیا۔ اُس نے ارادہ ترک کر دیا۔

عسکری مہمیں

امیر معاویہؓ کے عہد میں چند ایک عسکری مہمیں بھی اختیار کی گئیں بازنطینیہ اور ایشیائے کوچک کی رُومی مملکت پر متعدد یلغاریں کی گئیں۔ دو دفعہ مسلمانوں کی فوجیں قسطنطنیہ تک پہونچیں۔ لیکن شہر کو سَر کئے بغیر واپس آگئیں۔ ایک مہم کا سالار امیر معاویہؓ کا بیٹا یزید تھا اس مہم میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی حضرت

ابو ایوب انصاریؓ شہید ہو گئے۔ جنہیں قسطنطنیہ کی فصیل کے نیچے دفن کیا گیا۔ ۴۶ھ مطابق ۶۶۶ء میں آرمینیا کے ایک جرنیل سابو رئیس نے امیر معاویہؓ سے مدد مانگی اور مسلمانوں کے لشکر نے آرمینیا کے ملک میں یلغار کی۔ ۵۳ھ مطابق ۶۷۳ء میں امیر معاویہؓ نے طاقت ور بحری بیڑہ بنا کر رومی سلطنت کے سواحل پر حملوں کا ایک سلسلہ شروع کرا دیا جو برابر سات سال جاری رہا۔ آخر کار قسطنطنیہ کی بازنطینی حکومت کو خلیفۂ اسلام سے صلح کرنی پڑی۔ ۴۶ھ مطابق ۶۶۶ء میں ولایت المغرب کے حاکم ابن حدیج نے بحری بیڑے کی مدد سے جزیرہ سسلی تک یلغار کی۔ ۴۹ھ مطابق ۶۶۹ء عمرو ابن العاص کے بھتیجے عقبہ ابن نافع نے برقہ فتح کیا اور آگے بڑھ کر بربریوں کی مدد سے روم کے عیسائیوں کو شکست دی جو اس ملک کے حکمران تھے۔ عقبہ نے قیروان میں چھاؤنی بنائی۔ امیر معاویہؓ نے عقبہ کو مغرب کی ولایات کا حاکم بنا دیا اور ۵۹ھ مطابق ۶۸۰ء میں عقبہ ابن نافع نے مغرب کی طرف دوسری یلغار کی اور بحر ظلمات کے ساحل تک فتح کے پھریرے لہرائے۔ موریتش کی ولایت کو عیسائیوں کے ہاتھ سے چھین لیا۔ لیکن بربریوں کا سردار کسیلہ قید سے بھاگ کر رومیوں سے جا ملا۔ اور بربریوں کے بہت سے قبیلے جو ان کے حامی تھے ان کے خلاف لڑنے لگے۔ کسیلہ نے عقبہ کو بہت پریشان کیا۔ عقبہ امیر معاویہؓ کی وفات کے تین سال بعد یعنی ۶۲ھ مطابق ۶۸۳ء کی ایک جنگ میں اپنے لشکر سمیت شہید ہوا۔ صحرائے اعظم کے

کنارے تہوداہ کے مقام پر سیدی عقبہ کا مزار اب بھی موجود ہے۔ جو اس جنگ کی یاد دلا رہا ہے۔

امیر معاویہؓ کے عہد کے ابتدائی سالوں میں مہلب نامی مسلمانوں کے ایک سالار نے کابل فتح کیا اور درہ گومل کی راہ سے ملتان تک یلغار کی۔

ولی عہد کے تقرر کا اعلان

۵۶ھ ۶۷۶ء

امیر معاویہؓ جوں جوں بوڑھے ہو رہے تھے۔ انہیں اپنا جانشین بنانے کی فکر لاحق ہو رہی تھی۔ اپنی خلافت کے ابتدائی سالوں میں انہوں نے ولایات کے حاکموں سے اپنے بیٹے یزید کو اپنا جانشین بنانے کے متعلق مشورے شروع کر دیئے تھے۔ مغیرہ حاکم کوفہ نے اس تجویز کی حمایت کی لیکن وہ جلد ہی وفات پا گئے۔ دوسری ولایات کے حاکموں نے بھی رضامندی کا اظہار کیا۔ اس طرح زمین ہموار کر لینے کے بعد امیر معاویہؓ نے ولایات سے اور مملکت کے بڑے بڑے شہروں سے وفد بلائے۔ ان وفود کا شاہانہ ٹھاٹھ سے استقبال کیا۔ اور اُن سے یزید کے ہاتھ پر بیعت لی گئی کہ وہ معاویہؓ کے بعد یزید کو خلیفہ بنائیں گے اور اس کے وفادار رہیں گے۔ حاکموں نے اپنے اپنے مراکز میں لوگوں سے یزید کی خلافت کے لئے بیعت لینا شروع کر دیا۔ شام عراق اور مصر کے لوگوں نے چون

دچرا کے بغیر بیعت کرلی۔ لیکن جب مدینہ کے حاکم مروان نے اہلِ مدینہ
کے سامنے یہ تجویز پیش کی تو عبد الرحمن ابن ابوبکر نے کہا کہ یہ تجویز فریب
اور خدع ہے۔ خلیفہ منتخب کرنے کا حق اہل مدینہ کا ہے۔ اور تم یونانیوں
اور رومیوں کی پیروی کرنا چاہتے ہو۔ جو ایک ہرقل کے بعد اس کے
بیٹے کو دوسرا ہرقل بنا لیتے ہیں۔ مروان نے کہا کہ حضرت ابوبکر صدیق
نے اپنی زندگی ہی میں حضرت عمر فاروق رض کو اپنا جانشین نامزد کر دیا
تھا۔ لیکن اہلِ مدینہ نے اس استدلال کو ماننے سے انکار کر دیا۔ مدینہ
کے سرکردہ لوگوں میں صرف عبداللہ ابن عمر دس ہزار طلائی دینار لے کر
اس تجویز کے موید بن گئے۔ مروان کی رپورٹ پر امیر معاویہ رض ایک
ہزار سوار لے کر عمرہ کے بہانے سے حجاز کی طرف گئے۔ مدینہ میں حسین رض
ابن علی رض۔ عبداللہ ابن زبیر رض۔ عبدالرحمن ابن ابی بکر رض۔ عبداللہ ابن عمر رض
معاویہ رض کے استقبال کے لئے گئے۔ تو امیر معاویہ رض نے ان سب سے
سرد مہری کا برتاؤ کیا۔ یہ حال دیکھ کر یہ سب اکابر مکہ چلے گئے۔ ان کے
جانے کے بعد مدینہ کے لوگوں نے یزید کو ولی عہد تسلیم کر لیا۔ مدینہ سے
چل کر امیر معاویہ مکہ پہنچے۔ عمرے سے فارغ ہو کر معاویہ رض نے منبر پر چڑھ کر
خطبہ دیا۔ اور اپنے بعد یزید کو خلیفہ بنانے کی تجویز اہلِ مکہ کے سامنے
پیش کی۔ اور خوب لسانی سے کام لیا۔ عبداللہ ابن زبیر رض نے کہا کہ
ولی عہد کا تقرر شرع اسلام کے خلاف ہے۔ معاویہ رض اور ابن زبیر رض کے
درمیان بحث ومناظرہ ہونے لگا۔ امیر معاویہ رض کا استدلال یہ تھا کہ

ان کے ساتھ بصورت ذیل سلوک کرنا۔ "اقتباس ختم ہوا"

(۱) عبداللہ ابن عمرؓ:۔ یہ بھلے آدمی ہیں جلد دوست

(۲) حسینؓ ابن علیؓ:۔ عراق کے شوریدہ پشت انہیں تمہارے خلاف استعمال کریں گے۔ اور خلافت کا اقتدار حاصل کرنے کے لئے اقدام کریں گے۔ فتح حاصل کرنے کے بعد ان سے نرمی کا برتاؤ کرنا۔ کیونکہ ان کی رگوں میں رسول اللہؐ کا خون دوڑ رہا ہے۔

(۳) عبداللہ ابن زبیرؓ:۔ یہ شخص شیر کی طرح تند اور لومڑی کی طرح مکار ہے۔ اس کا مجھے بہت ڈر ہے۔ یہ ہاتھ لگ جائے تو اسے پوری طرح تباہ کر دینا۔

(۴) عبدالرحمٰن ابن ابی بکرؓ:۔ سست آدمی ہیں۔ ان کی طرف سے چنداں خدشہ نہیں۔

(روایت ہے کہ عبدالرحمٰن معاویہؓ سے پہلے وفات پا گئے تھے)

امیر معاویہؓ کی سیرت و حکومت اور سیاست

حضرت معاویہؓ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے۔ لیکن ان کی سیرت۔ ان کے کردار اور ان کے طرز حکومت و سیاست کو خلفائے اربعہ کے معیار پر جانچنا فضول ہے۔ کیونکہ ان میں کوئی ایسی بات نظر نہیں آتی جسے حضرت صدیقؓ۔ حضرت عمرؓ۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے کردار کی خوبیوں سے کوئی دور کی بھی نسبت ہو۔

شدین کی زندگیاں اللہ کے راستے میں وقف ہو چکی تھیں اور ان کا مرنا محض اللہ کے لئے تھا۔ اور ان سب کے پیش نظر نقطہ رضائے الہی کے حصول کی خاطر دین اسلام کی بے لوث خدمت کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ لیکن امیر معاویہؓ کے ڈھنگ شروع ہی سے تمام دنیا داروں ایسے بن گئے تھے۔ حکومتی اقتدار حاصل کرنا اور اسے ترقی دینا اور اس کے استحکام کی کوشش کرتے رہنا ان کی زندگی کا نصب العین بن گیا تھا۔ خاندان بنو امیہ کا شاہانہ اقتدار قائم کرنے کے لئے انہوں نے جو کامیاب جدوجہد کی اس کا حال اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ امیر معاویہؓ نے اس مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے جو اقدامات کئے وہ یہ ظاہر کرنے کے لئے کافی سے زیادہ ہیں کہ امیر معاویہؓ میں تدبر، سیاست، سیاسی جوڑ توڑ، انتظامات ملکی اور حزب بندی کی وہ تمام صلاحیتیں بدرجہ اتم موجود تھیں جن کا ہونا نوع انسانی کے کامیاب سلطانوں اور سلطنت پیدا کرنے والے اعاظم رجال میں ضروری ہے امیر معاویہؓ حاکم ہونے کے وقت ہی سے شاہانہ کروفر سے رہتے تھے۔ قیصر و کسریٰ کی درباری شانیں انہوں نے شروع ہی سے اختیار کر لی تھیں اور شام کی ولایت کو اپنی طاقت کا منبع و مرکز بنانے کے لئے انہوں نے جنوبی عرب کے قبائل کی زیادہ تعداد اس ملک میں آباد کی جو ان کی بیوی کے رشتہ دار ہونے کے باعث ان کی ذات سے انس رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ انہوں نے امور سلطنت میں

شام کے عیسائیوں کی امداد سے کر انہیں اپنا گرویدہ بنا لیا تھا سرجون ابن منصور عیسائی امیر معاویہؓ کا مالی مشیر تھا۔ اُس نے مالیات کے شعبہ کو بڑی قابلیت سے سنبھالا۔ شام کے مسلمان شہروں کے اندر عیسائیوں میں گھُل مل کر رہتے تھے۔ اس لئے اپنی بدوی معاشرت چھوڑ کر اُن کا تمدن اختیار کر چکے تھے۔ قرنِ اول کے مسلمانوں کی سادگی کو ترک کر کے عہدِ معاویہؓ کے مسلمان دُنیوی زندگی کی ان تمام راحتوں اور آسائشوں کے گرویدہ ہو چکے تھے جو غیر مسلم عیسائیوں کا تمدن مہیا کرتا تھا۔ شام میں آباد ہونے والے مسلمان عربوں میں سے صرف امیر معاویہؓ کی بیوی اور یزید کی ماں کے متعلق روایت ہے کہ وہ دمشق کے عالیشان محلوں کی زندگی کو ناپسند کرتی تھی۔ یہ عورت صحرائی دختر تھی اور صحرا کی کھُلی فضاؤں کو یاد کر کے اُداس ہو جاتی تھی۔ اُس کا ایک گیت اس کے دلی احساسات کی ترجمانی کر رہا ہے۔ جس کا مفہوم یہ ہے:۔

" وہ خیمے جسے صحرا کی ہوائیں جھولا جھلاتی ہیں مجھے شاندار محلوں سے زیادہ عزیز ہے۔ میں ساز و یراق سے آراستہ گھوڑے کی بہ نسبت جوان اُونٹ کی سواری کو زیادہ پسند کرتی ہوں۔ ریگ کے میدانوں میں بادِ صرصر کا گیت مجھے شہروں کی ترناؤں سے زیادہ شیریں لگتا ہے صحرائی خیمہ میں بیٹھ کر سوکھی روٹی کھانا مجھے محلات کی نفیس ترین غذاؤں اور شرابوں سے زیادہ مرغوب ہے۔ میرے قبیلے کا شریف عرب مجھے

اِن داڑھیوں والے طمع کار لوگوں سے جو میرے ارد گرد جمع ہیں زیادہ بھلا معلوم ہوتا ہے۔ کاش میں پھر اپنے صحرائی گھر میں پہنچ جاؤں۔ اور پھر کبھی اِن شاندار ایوانوں کی طرف نظر بھر کر نہ دیکھوں"!

شاہانہ شان و شوکت کے باوجود امیر معاویہؓ کا طرزِ حکمرانی شیخ قبیلہ کا سا تھا۔ وہ لوگوں سے قبیلوی سردار کی طرح ملتا اور سلوک کرتا تھا۔ منبر مذہب و سیاست کا جامع تھا جہاں سے ہر قسم کے احکام جاری کئے جاتے تھے۔ امیر معاویہؓ کا مُلکی انتظام اچھا تھا۔ ان کے عہد میں حجاز میں زراعت کاری کو بہت ترقی دی گئی۔ امیر معاویہؓ نے اسلام کی دینی حکومت کے بجائے مُسلمان بادشاہوں کی دُنیوی حکمرانی کا سکّہ رائج کیا اور یہ سکّہ ایسا چلا کہ آج تک برابر چل رہا ہے۔ اور اِس کی قدر و قیمت میں کسی قسم کا فرق نہیں آیا۔

امیر معاویہؓ بہت حلیم الطبع حکمران تھے۔ اِن کا قول ہے کہ جہاں تازیانے سے کام بنتا ہو وہاں تلوار کیوں استعمال کی جائے۔ جہاں زبان سے کام نکلتا ہو وہاں تازیانہ کیوں برتا جائے۔ اگر ایک بال بھی مجھے لوگوں سے مربوط کر رہا ہے تو میں اسی کو کافی سمجھتا ہوں۔ اگر وہ کھینچتے ہیں تو میں ڈھیل دے دیتا ہوں اگر وہ ڈھیل دیتے ہیں تو میں کھینچ لیتا ہوں۔

یزید ابن معاویہ رضؓ کا عہد

سنہ ۵۹ھ سے سنہ ۶۳ھ

سنہ ۶۸۰ء سے سنہ ۶۸۳ء

یزید کی مسند نشینی

سنہ ۵۹ھ سنہ ۶۸۰ء

امیر معاویہؓ کی وفات پر اس کے بڑے بیٹے یزید نے امور مملکت کی زمام اپنے ہاتھ میں لے لی۔ یزید کی خلافت پر مملکتِ اسلامیہ کے عوام سے بیعت امیر معاویہؓ کی زندگی ہی میں لی جا چکی تھی۔ جس کا حال ہم امیر معاویہؓ کے عہد کے حالات میں قلم بند کر چکے ہیں۔ مدینہ میں صرف حسین ابن علیؓ۔ عبداللہ ابن زبیرؓ۔ عبداللہ ابن عباسؓ اور عبداللہ ابن عمرؓ نے بیعت کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ یزید کے خلیفہ بننے پر عبداللہ ابن عمرؓ

اور عبداللہ ابن عباس رضؓ نے بیعت کر لی اور حسین ابن علی رضؓ اور عبداللہ ابنِ زبیر رضؓ مکے چلے گئے۔ مدینہ کے باقی لوگوں کو عاکم نے جمع کیا اور سب نے یزید کی خلافت پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔ کوفہ کے لوگوں نے حسین ابن علی رضؓ کو چٹھیاں بھیجیں کہ آپ یہاں تشریف لے آئیں تو ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لئے تیار بیٹھے ہیں۔ ان چٹھیوں کی مجموعی تعداد ایک سو پچاس کے لگ بھگ تھی حضرت حسین رضؓ کے دوستوں اور خیر خواہوں نے مشورہ دیا کہ آپ کوفہ کے لوگوں پر اعتبار نہ کریں۔ ابن زبیر رضؓ نے کہا کہ آپ ضرور جائیں۔ حضرت حسین رضؓ نے کوفہ جانے کا فیصلہ کر لیا۔ اور پہلے اپنے چچیرے بھائی مسلم ابن عقیل ابن ابی طالب کو اپنا نمائندہ بنا کر کوفہ بھیجا۔ لیکن یزید کا حاکم عبیداللہ ابن زیاد مسلم سے پہلے کوفہ پہنچ چکا تھا۔ اہلِ کوفہ نے جب سنا کہ حضرت حسین رضؓ کے چچیرے بھائی مسلم ابن عقیل کوفہ پہنچ گئے ہیں۔ اور ہانی کے گھر میں مقیم ہیں تو وہ یزید کے حاکم عبیداللہ کے خلاف ہو گئے اور انہوں نے عبیداللہ کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ یہ جوش و خروش سوڈا واٹر کا اُبال ثابت ہوا۔ اور جلد ہی سرد پڑ گیا۔ کوفہ کے یہی لوگ عبیداللہ کے حامی بن گئے۔ عبیداللہ نے مسلم ابن عقیل اور ہانی دونوں کو قتل کرا دیا۔ حسین رضؓ بھی مکہ سے اپنے اہلِ بیت اور اپنے حامیوں اور معاونوں کو لے کر کوفہ کی طرف روانہ ہو چکے تھے۔ اور حمراء سے گذر چکے تھے کہ انہیں مسلم ابنِ عقیل کے قتل اور کوفہ کے لوگوں کی

بیوفائی کے حال کی اطلاع ملی۔ حسین یہ سن کر گہری سوچ میں پڑ گئے
مسلم کے بھائی اصرار کرنے لگے کہ ہم اپنے بھائی کا قصاص لئے بغیر
واپس نہ جائیں گے۔ حضرت حسین کو رہ رہ کر خیال آتا تھا کہ شاید
میرے پہنچنے پر کوفہ کے لوگ میری امداد کرنے پر آمادہ ہو جائیں اتنے
میں کوفہ کا شاعر فرزدق اس طرف سے گزرا۔ حضرت حسین نے اس سے
کوفہ والوں کا حال دریافت کیا تو اس نے فی البدیہہ یہ شعر کہہ کر جواب
دیا۔ کہ "کوفہ والوں کے دل تو آپ کے ساتھ ہیں۔ لیکن انکی تلواریں
آپ کے خلاف چلیں گی۔" یہ حال دیکھ کر بدوی قبائل کے لوگ جو حضرت
حسین کے ساتھ ہو لئے تھے چھٹنے لگے۔ اور آخر کار صرف اہل بیت
کے افراد رہ گئے جن کے مردوں کی کل تعداد بہتر تھی۔ قبیلہ بنی طے کے
رئیس نے کہا کہ آپ اجاء اور سلمیٰ کی پہاڑیوں کی طرف تشریف لے
چلیں وہاں میرا قبیلہ آپ کی مدد کرے گا۔ لیکن حضرت حسین نے کیفیت
حال کے تمام پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد آگے بڑھنے کا فیصلہ کر لیا۔
عبیداللہ ابن زیاد نے حر نامی ایک شخص کو جو بنی تمیم میں سے تھا۔ کوفیوں
کے ایک رسالہ کے ساتھ حضرت حسین کی راہ روکنے کے لئے بھیجا کوفہ
سے تھوڑی دور حر کا رسالہ اہل بیت کے قافلے کے قریب جا پہنچا۔
حر نے کہا کہ مجھے حکم ہے کہ میں آپ کو عبیداللہ کے پاس لے جاؤں۔
لیکن اگر آپ اس پر راضی نہیں تو آپ دائیں طرف یا بائیں طرف کو مڑ جائیں۔
شرط یہ ہے کہ مکہ یا مدینہ کی طرف واپس نہ لوٹیں حضرت حسین نے اپنے

اہلِ بیت کو لے کر بائیں جانب کا رُخ کیا اور دریائے فرات کے مغربی کنارے کے ساتھ ساتھ چلتے گئے۔ حُر بھی رسالہ سمیت ان کے ساتھ ساتھ رہا۔ اور حضرت حسین رضؓ کے ساتھ بات چیت جاری رکھی۔ عبیداللہ ابن زیاد نے کوفہ سے چار ہزار سواروں کی ایک پلٹن عمر ابن سعد کی سرکردگی میں حضرت حسین رضؓ کو گرفتار کرنے کے لئے بھیجی۔ اس فوج نے کوفہ سے شمال مغرب کی جانب دریائے فرات کے کنارے کربلا کے میدان میں حضرت حسین رضؓ کو جا لیا۔ جہاں وہ اپنے اہلِ بیت سمیت ڈیرے ڈالے پڑے تھے۔ عمر بن سعد نے حضرت حسین رضؓ کے کیمپ کا محاصرہ کر لیا اور بات چیت شروع کر کے حضرت حسین رضؓ سے غیر مشروط حوالگی کا مطالبہ کیا۔ حسین رضؓ نے جواب دیا کہ میں لڑنے کا خواہاں نہیں۔ مجھے امن کے ساتھ واپس جانے دو۔ یا مجھے یزید کے پاس لے چلو تاکہ میں اس کے ساتھ دو در دو ہو کر بات کر سکوں۔ اگر ان دونوں باتوں میں سے کوئی بھی منظور نہیں تو مجھے کسی دور افتادہ علاقے کی سرحد پر بھیجدو تاکہ وہاں میں کفار کے خلاف جہاد کرنے کی سعادت حاصل کر سکوں۔ عبید اللہ غیر مشروط حوالگی پر مصر تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ حضرت حسین رضؓ اس ذلت کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں اور اپنے عزم پر لوہے کی چٹان کی طرح قائم ہیں تو اس نے عمر ابن سعد کو حکم دیا کہ حضرت حسین رضؓ کے ڈیرے پر دریا سے پانی لے جانے کی راہیں بند کر دو۔ یعنی اُن پر پہرے لگا دو۔ تاکہ یہ لوگ پیاس کی شدت سے تنگ آ کر اپنے آپ کو ہمارے حوالے

کرنے پر مجبور ہو جائیں یہ حال دیکھ کر حرؓ کے دل پر بہت اثر ہوا۔ اور وہ ظالموں کے لشکر کا ساتھ چھوڑ کر حضرت حسین رضؓ سے جا ملے۔

معرکۂ کربلا

سنہ ۶۱ ھ سنہ ۶۸۰ ء

عمر ابن سعد بن ابی وقاص نے عبید اللہ کو لکھا کہ حضرت حسینؓ کو دمشق جانے کی اجازت دے دینی چاہیئے۔ لیکن عبید اللہ ابن زیاد ابن ابیہ نے شمر ذی الجوشن کو یہ حکم دے کر میدانِ کربلا کی طرف بھیج دیا کہ حضرت حسین رضؓ کو زندہ یا مقتول میرے حضور میں حاضر کرو۔ شمر محرم الحرام سنہ ۶۱ ھ کی آٹھویں تاریخ کو جو سنہ عیسوی کے حساب سے اکتوبر سنہ ۶۸۰ ء کی آٹھویں تاریخ تھی۔ میدانِ کربلا میں وارد ہوا شمر نے اسی دن محاصرہ سخت کر دیا۔ حضرت حسین رضؓ نے جب یہ دیکھا کہ دریا سے پانی تک لانا ناممکن ہو رہا ہے تو انہوں نے اپنے دل سے فیصلہ کر لیا کہ جدائی کی ذلت قبول کرنے کے بجائے لڑ کر جان دے دیں گے۔ ۹ محرم کو حضرت حسین رضؓ نے اپنے ساتھیوں کو اپنے ارادے سے مطلع کیا اور کہا کہ جو جانا چاہے چلا جائے۔ میری طرف سے اُسے ایسا کرنے کی بخوشی اجازت ہے۔ سب نے جانے سے انکار کیا اور کہا کہ ہم سب آپ کے قدموں میں اپنی جانیں نثار کر دیں گے۔ ۱۰ محرم الحرام

کو حضرت حسین رض اور ان کے اہل بیت پر پانی کی بندش کا تیسرا دن تھا۔ حسین رض کا ننھا لختِ جگر علی اصغر بخار میں مبتلا تھا۔ عمر ابن سعد اور شمر ذی الجوشن نے پیغام بھیجا کہ حوالگی قبول کر لو۔ حضرت حسین رض نے وہی شرطیں پیش کیں جو وہ پہلے کہہ چکے تھے۔ اس پر اہل کوفہ کے لشکر کی طرف سے ایک تیر آیا جو ننھے علی اصغر کے گلے میں پیوست ہو گیا۔ جو اس وقت اپنی پھوپھی حضرت زینب کی گود میں تھے۔ اس حادثہ کے بعد دونوں طرف سے تیروں کی بوچھاڑ شروع ہو گئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کنبے کے بہتر جوانمرد حسین رض سے نانا کی امت کے چار ہزار سواروں کے نرغے میں گھرے ہوئے ظالموں کا مقابلہ کر رہے تھے۔ پہلے حضرت حسین رض کے بھتیجے قاسم نے جام شہادت نوش کیا۔ ازاں بعد ان کے بھائی۔ بھتیجے۔ بھانجے یکے بعد دیگرے یزیدیوں کو جہنم رسید کرتے ہوئے شہید ہوتے چلے گئے۔ حضرت حسین رض کے بڑے بیٹے علی اکبر نے بھی جام شہادت نوش کیا۔ کوفیوں نے آگے بڑھ کر آلِ رسول کے خیموں میں آگ لگا دی۔ حضرت حسین رض کے سارے ساتھی گر چکے تھے۔ تنہا وہ باقی رہ گئے تھے۔ اب وہ آگے بڑھے اور تن تنہا کوفیوں کے جم غفیر کا مقابلہ کرنے لگے۔ عمر کی فوج نے آگے بڑھ کر گھیرا تنگ کر دیا۔ حضرت حسین رض تیروں کے اسی زخم کھا کر چور ہو چکے تھے۔ لیکن اس حال میں جبکہ اُن کا بدن زخموں کی وجہ سے لہولہان ہو رہا تھا۔ وہ خدائے پاک کی بارگاہ میں زندگی کا آخری سجدہ پیش کرنے

کے بیٹے تھے ۔ شمر ذی الجوشن نے آگے بڑھ کر حملہ کر دیا ۔ دوسروں نے اُن پر گھوڑے دوڑا دیئے ۔ شمر نے سر کاٹ لیا ۔ کوفیوں نے آلِ رسول ؐ کے خیمے لوٹے اور عورتوں اور بچوں کو حراست میں لے لیا ۔ اس لڑائی میں کوفیوں کے سینکڑوں آدمی مارے گئے ۔ بزدل اور شقی القلب قاتلین نے سر لیجا کر عبید اللہ کے قدموں میں ڈال دیئے ۔ عبیداللہ نے ہاتھ کی لکڑی سے حضرت حسین رضؓ کے سر کو ہلایا ایک طرف سے آواز آئی آہستگی سے چھیڑو ۔ یہ رسول اللہ ؐ کے نواسے ہیں ۔ خدا کی قسم میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان لبوں پر بوسہ دیتے دیکھا ہے "

عبید اللہ ابن زیاد نے حضرت حسین رضؓ کی بہن زینب رضؓ ۔ ان کے دو بیٹوں اور دو بیٹیوں کو اور حضرت حسین رضؓ کے سر کو یزید کے پاس دمشق بھیج دیا ۔ یزید نے اعلان کیا کہ میں اس ظلم عظیم سے بری الذمہ ہوں یہ سب عبید اللہ کے کرتوت ہیں ۔ وہی اس کے لئے سزاوارِ ملامت ہے ۔ یزید عورتوں اور بچوں کے ساتھ حُسنِ سلوک سے پیش آیا ۔ اس نے ان سب کو مدینہ بھجوا دیا ۔ یزیدیوں کا جابرانہ اور قاہرانہ اقتدار ساری مملکت میں قائم ہو چکا تھا اس لئے اس سانحہ پر کسی جگہ کسی قسم کا علی مظاہرہ ہوا ۔ البتہ اُمتِ رسول کے ایک طبقہ کے دل اس تعالی سے بہت متاثر ہوئے ، عام لوگوں میں اہلِ بیت کی مظلومی پر ہمدردی کے جذبات ترقی کرنے لگے ۔ اور بنو امیہ مسلمانوں کے نزدیک ملعون و مردود و منفور قرار پائے ۔ ان جذبات و احساسات نے جلد ہی مذہبی عقیدہ کا

رنگ اختیار کرلیا۔ جو اُمتِ مسلمہ میں شیعہ کے نام سے ایک مستقل فرقہ پیدا کرنے پر منتج ہوا۔

کچھ لوگ حضرت عثمانؓ ہی کے وقت سے حضرت علیؓ کو وصی رسول اللہ ماننا اور پہلے تینوں خلفاء کو غاصب سمجھنا اپنے مذہبی عقاید کا لازمی جزو قرار دے چکے تھے۔ حادثہ کربلا نے اس عقیدہ والے گروہ کو اور بھی تقویت دی۔ اُنہوں نے اہلِ بیت رسول اللہ ﷺ کی انتہائی مظلومی اور حضرت حسینؓ کی شہادت پر آنسو بہانا اور ماتم کرنا عبادت قرار دے لیا۔ ان کے بعض فرقوں نے نہ صرف یزید، معاویہؓ اور بنو اُمیّہ پر بلکہ تینوں ابتدائی خلفائے راشدین پر تبرا بھیجنا بھی اپنے مذہبی فرائض میں داخل کرلیا۔ عام مُسلمان یزید کو ظالم اور خاطی سمجھنے لگے لیکن حامیانِ بنو اُمیّہ کی فوجی طاقت اور ان کے حاکمانہ استبداد سے مرعوب رہے۔

مدینہ پر حملہ

۶۳ ھ — ۶۸۳ء

یزید نے حادثۂ کربلا (۶۱ھ) کے بعد اہلِ مدینہ کے ایک وفد کو دمشق بلایا تاکہ ان پر انعام و اکرام کے مُن برسا کر اُنہیں اپنا حامی بنالے۔ لیکن اس وفد کے ارکان کو دربارِ یزید کے سراسر غیر اسلامی ماحول اور شامی مُسلمانوں کی غیر اسلامی معاشرت نے بیزار کردیا۔ وہ بڑے تلخ احساسات لے کر لوٹے

اور مدینہ پہنچ کر انہوں نے اہلِ مدینہ کو دمشق و شام کی کیفیات سے آگاہ کر دیا۔ اہلِ مدینہ نے یزید کی خلافت پر اس بیعت کے منسوخ کرنے کا اعلان کر دیا جو وہ امیر معاویہؓ کے عہد میں کر چکے تھے۔ اور جس کی تجدید انہوں نے معاویہؓ کی وفات پر یزید کے خلیفہ بننے پر کی تھی۔ مدینہ کے لوگوں نے بنو اُمیہ کے ایک ہزار افراد پر جو مروان ابن الحکم ابن العاص کی قیادت میں وہاں مقیم تھے حملہ کر دیا۔ ان لوگوں نے مروان کے گھر میں پناہ لی۔ اور اہلِ مدینہ سے امان حاصل کر کے شہر سے نکل گئے۔ یزید نے اہلِ مدینہ کی طرف سے تنسیخ بیعت کی اطلاع پا کر مُسلم ابن عقبہ کی کمان میں بارہ ہزار کا لشکر جرار دمشق سے مدینہ کی طرف روانہ کر دیا تھا۔ مدینہ سے نکل کر جانے والے بنو اُمیہ کو راستے میں یہ لشکر مل گیا۔ اور وہ اس لشکر کے ساتھ پھر مدینہ کو لوٹ آئے۔ مُسلم بن عقبہ نے مدینہ کے قریب پہنچ کر حرّا کے مقام پر ڈیرے ڈالے۔ مدینہ کے لوگوں نے آگے بڑھ کر شامی یزیدیوں کے اس لشکر سے جنگ کی۔ لیکن شکست کھائی۔ مُسلم فاتح کی حیثیت سے شہر میں داخل ہوا۔ اُس نے مہاجرین اور انصار کے سرداروں کو بے دریغ قتل کرایا۔ مدینہ کے نامور بہادر یزیدیوں کے ہاتھوں تہ تیغ ہوئے۔ شامیوں کی فوج نے تین دن متواتر اہلِ مدینہ کو لوٹا اور ذلیل کیا۔ اس کے بعد مُسلم بن عقبہ نے بقیۃ السیف سے یزید کے لئے بیعت لی۔

مکہ پر چڑھائی

۶۳ھ ۔ ۶۸۳ء

مدینۃ النبیؐ کو تاراج کرنے اور اہلِ مدینہ کو بزورِ شمشیر یزید کا مطیع بنانے کے بعد مسلم بن عقبہ نے مکہ معظمہ پر چڑھائی کی۔ جہاں عبداللہ ابن زبیرؓ نے حادثۂ کربلا کے بعد ۶۱ھ میں متوازی خلافت قائم کر لی تھی۔ اور سارے عرب میں اپنے اثر و رسوخ کا دائرہ وسیع کر لیا تھا۔ یزید نے ابن زبیرؓ کے ادعائے خلافت کا حال سن کر فرطِ غضب سے قسم کھائی کہ میں ابن زبیرؓ کے گلے میں طوق و زنجیر ڈال کر اُسے دمشق لاؤں گا۔ لیکن یزید اپنی اس قسم پر جلد ہی پشیمان ہو گیا۔ اور اُس نے ایک طلائی زنجیر دے کر اپنا ایک قاصد ابن زبیرؓ کے پاس بھیجا اور پیغام بھجوایا کہ اطاعت قبول کرو اور یہ طلائی زنجیر پہن کر میرے پاس آجا تاکہ میری قسم پوری ہو جائے۔ عبداللہ ابن زبیرؓ نے یزید کے اس مطالبے کو حقارت سے ٹھکرا دیا۔ مسلم ابن عقبہ نے مدینہ کے بعد مکہ پر چڑھائی کی تو راستے میں اُسے ملک الموت نے دبوچ لیا۔ حصین ابن نمیر یزیدی فوج کا سالار بنا۔ یزیدی فوج نے مکہ کا محاصرہ کر لیا جو دو ماہ تک جاری رہا۔ اتنے میں دمشق سے یزید کی موت کی اطلاع موصول ہو گئی۔ حصین ابن نمیر نے محاصرہ اٹھا لیا۔ اور دمشق کی طرف لوٹ گیا۔

حسین ابن نمیر نے عبداللہ ابن زبیر کو پیشکش کی کہ آپ بھی دمشق چلیں اور وہاں پہنچکر مسندِ خلافت کو سنبھال لیں۔ عبداللہ نے یہ پیشکش مسترد کردی۔

یزید کی وفات

۱۴ ربیع الاول ۶۴ھ ۱۱ نومبر ۶۸۳ء

۶۴ھ کے آغاز میں یزید فوت ہوگیا۔ یزید نے ایسے شہزادوں کی طرح پرورش پائی تھی جنہیں ہر طرح کے عیش و آرام حاصل ہوں۔ یہ شخص شراب۔ موسیقی۔ شکار اور کھیل تماشے کا دلدادہ تھا۔ اور شاعر بھی تھا۔ اس کے اقتدار کا دارومدار اس شاہنشاہی نظام پر تھا جو امیر معاویہ نے اپنے عہد میں قائم کردیا تھا۔ مسلمانوں کی اکثریت دین کے بلند اصولوں کو فراموش کرچکی تھی۔ دنیا طلبی نے اُن میں شاہی دربار سے وابستگی کا شوق پیدا کردیا تھا تاکہ اپنی دُنیوی اغراض کو جلد حاصل کرسکیں۔ شام کے مسلمان شام کے عیسائیوں کی معاشرت کے تمام عیوب میں مبتلا ہوچکے تھے۔ درباری علمائے دین خلیفہ اور امیر کی اطاعت کے مسئلوں پر زور دے کر عوام کو حکومت کا وفادار بنائے رکھنے کے لئے کوشاں ہونے لگے۔ اُن کے فتووں نے استبداد کو جائز بلکہ

عین اسلام قرار دیا۔ اور اِن لوگوں کے واجب القتل ہونے پر مُہریں ثبت کردیں۔ جنہوں نے یزیدیت کے خلاف حق کا علم بلند کیا۔ حضرت حسین رضؓ کو اپنے جاں نثار رفقا کے ساتھ محض اس لئے انتہائی شقاوتِ قلبی کے ساتھ قتل کرایا گیا۔ تاکہ یزید کے اقتدار کی راہ کا ایک ممکن کانٹا دُور ہو جائے۔ مدینہ اور مکّہ پر محض فوجی طاقت کے بَل پر حکمرانی کا سکّہ بٹھانے کی غرض سے چڑھائی کی گئی۔ اگر یزید کو مسلمانوں کا جائز حکمران تسلیم کرلیا جائے تو شرعی حیثیت سے اہلِ مدینہ اور اہلِ مکّہ۔ عبداللہ ابن زبیرؓ اور ان کے حامیوں کو مسلمانوں کی جائز حکومت کا باغی قرار دینا چاہیئے۔ لیکن حسین ابن علیؓ کا معاملہ اِس مسئلے کے تحت بھی نہیں آسکتا۔ کیونکہ حسین رضؓ نے نہ خروج کیا نہ جنگ کی۔ اُن پر محض اِس لئے تشدّد کیا گیا کہ اُن کا وجود یزیدیت کی بقا کے لئے ایک مستقل خطرہ تھا۔ یزید کی خلافت از بس کہ اصلاً جائز نہ تھی اِس لئے مدینہ اور کوفہ کے لوگوں کو حامی قرار نہیں دیا جا سکتا۔ ایک ایسا حکمران جس کے کارناموں میں کربلا کا حادثہ فاجعہ۔ مدینہ پر حملہ۔ اہلِ مدینہ کی تذلیل اور مکّہ کا محاصرہ ایسے واقعات شامل ہوں۔ کسی لحاظ سے بھی مسلمانوں کے نزدیک اچھی یاد کا مستحق نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ وہ محض اقتدار پرست دُنیادار تھا جسکی کامیابی نے اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ کی دھارا ہی بدل دی۔ تاہم مؤرخین راوی ہیں کہ اس کے عہد میں نخلستان غوطہ کی آبپاشی کے نظام کی اصلاح کی گئی اور مُلکی نظم دنسق کو بہتر بنانے کی ساعی بھی معرضِ عمل میں لائی گئیں۔

عبداللہ ابنِ زبیر کی متوازی خلافت

اور

معاویہ ابن یزید، مروان اوّل اور عبدالملک کا عہد

عبداللہ ابن زبیر کی متوازی خلافت

سنہ ۶۱ھ سے سنہ ۷۳ھ تک
سنہ ۶۸۰ء سے سنہ ۶۹۲ء تک

یزید کے خلیفہ بننے پر حسین ابن علیؓ اور عبداللہ ابن زبیرؓ مدینہ سے مکہ چلے گئے تھے۔ وہاں سے حسینؓ کوفیوں کی دعوت پر عراق کی طرف گئے اور یزید کے لشکر کے ہاتھوں میدانِ کربلا میں شہید ہو گئے۔ معرکۂ کربلا کے بعد عبداللہ ابن زبیر نے مکہ میں متوازی خلافت قائم کرنے کا اعلان کر دیا۔ اور سارے عرب میں اپنے اثر و رسوخ

کو بڑھایا یزید نے عبداللہ ابن زبیر کی سرکوبی کے لئے لشکر بھیجا۔ جس نے ۶۸۳ء میں مکہ کا محاصرہ کیا۔ لیکن یہ محاصرہ یزید کے فوت ہوجانے کے باعث اٹھا لیا گیا۔ یزیدی لشکر کے سپہ سالار نے عبداللہ ابن زبیر کو دمشق چلنے اور خلافت کا نظم و نسق سنبھالنے کی پیشکش کی جو ابن زبیر نے مسترد کردی۔ ابن زبیر کی خلافت مکہ اور اندرون عرب کے قبائلی علاقہ میں ۶۱ھ سے ۷۳ھ تک متواتر بارہ سال قائم رہی۔ اندریں اثنا دمشق خلافت کی مسند پر یزید کے بعد معاویہ بن یزید، مروان اول اور عبدالملک یکے بعد دیگرے متمکن ہوئے۔ عبدالملک کے عہد میں بنو امیہ کے ایک سالار اور حاکم حجاج ابن یوسف نے مکہ پر چڑھائی کی اور شہر کا محاصرہ کر لیا۔ عبداللہ ابن زبیر سات ماہ محصور رہنے کے بعد محاصرہ کی شدت کی تاب نہ لا کر حضرت حسینؓ کی طرح جواں مردی سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ اس معرکہ کا حال اپنی جگہ پر کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان کیا جائے گا۔ اس سے پہلے چند دیگر اہم حالات و واقعات کا تذکرہ کردینا ضروری ہے۔ جو اس عہد میں وقوع پذیر ہوئے۔

بنو قیس اور بنو کلب کی رقابتوں کا آغاز

یزید کی وفات پر معاویہ ابن یزید مسند خلافت پر بیٹھا۔ لیکن چند ماہ کے بعد فوت ہوگیا۔ معاویہ ابن یزید کی وفات پر خاندان بنو امیہ

کے لوگوں نے شیخ قبیلہ مروان بن الحکم ابن العاص کو مسندِ خلافت پر بٹھایا۔ یہ وہی مروان ہے جو حضرت عثمان رضؓ کا سر کاتب (سکرٹری) اور مُہر بردار رہتا۔ اور جو حضرت عثمان رضؓ کی شہادت کے سانحہ کے وقت باغیوں کے ہاتھ سے زخمی ہو گیا تھا۔ مروان جنگِ جمل میں بھی شریک تھا۔ اس موقعہ پر عرب قبائل کی باہمی رقابت جو امیر معاویہ رضؓ کے عہد کے وقت سے اندر ہی اندر سُلگ رہی تھی نمودار ہونے لگی۔ امیر معاویہ رضؓ نے جنوبی عرب کے قبائل قضاعہ اور بنو کلب وغیرہ کو شام کی زرخیز زمینوں میں زیادہ تعداد میں آباد کر لیا تھا۔ کیونکہ امیر معاویہ رضؓ کی بیوی انہیں قبائل میں سے تھی۔ یہ قبائل معاویہ رضؓ اور یزید دونوں کے منظورِ نظر تھے۔ اور انہی کی جمعیت اور فوجی طاقت خاندانِ بنو امیہ کے اقتدار و سطوت کے لئے ریڑھ کی ہڈی کا کام دے رہی تھی۔ جس طرح حضرت عثمان رضؓ کے عہد میں قریش کا حاکمانہ استکبار کوفہ اور مصر کے عام بدوی قبائل میں بددلی اور بیزاری پیدا کرنے کا موجب بنا تھا۔ اسی طرح معاویہ رضؓ اور یزید کے عہد میں بنو کلب کا استکبار بنو قیس یعنی شمالی عرب کے ان قبائل میں جو بنو قیس اور بنو مضر اور بنو غطفان کہلاتے تھے۔ بددلی اور رقابت کے جذبات کو ترقی دینے پر منتج ہوا جو شام عراق اور الجزیرہ کی شاداب زمینوں میں آباد ہو چکے تھے۔ دمشق اور مکہ میں دو متوازی خلافتیں قائم ہو جانے کے باعث شمالی

اور جنوبی عرب کے قبائل کی یہ رقابتیں ابھر کر نمودار ہونے لگیں۔ معاویہ ثانی ابن یزید کی وفات پر شام کے بنو قیس نے زوفار ابن الحارث کی قیادت میں قنسرین سے یزید کی حاکم کو بھگا دیا اور عبداللہ ابن زبیر کو خلیفہ تسلیم کرلیا۔

حمص کے حاکم اور دمشق کے حاکم ضحاک ابن قیس نے بھی عبداللہ ابن زبیر کی خلافت کا دم بھرنا شروع کردیا۔ یہ حال دیکھ کر بنو امیہ کا شیخ قبیلہ مروان ابن الحکم پہلے ابن زبیر کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لئے آمادہ ہوگیا۔ لیکن پھر کچھ سوچ کر جابیہ کی طرف چلا گیا۔ جہاں اس نے ۲۲۔ جون ۶۸۴ء مطابق ۶۵ھ کو لوگوں سے اپنی خلافت پر بیعت لینی شروع کردی۔ مشرق اردن کے حاکم حسن ابن بحدل نے جو یزید کا ماموں تھا اس کی حمایت اور امداد کی۔ دونوں نے مل کر دمشق پر چڑھائی کی۔ بنو قیس نے دمشق سے باہر نکل کر مرج راہط کے مقام پر مقابلہ کیا اور شکست کھائی مروان دمشق کے خزانہ پر قابض ہو کر خلیفہ بن بیٹھا۔ مروان نے پیچھے سے ایک لشکر مصر پر قبضہ جمانے کے لئے روانہ کردیا۔ عبداللہ ابن زبیر کو جب اس لشکر کشی کی اطلاع ملی تو اس نے اپنے بھائی مصعب ابن زبیر کو لشکر دے کر مصر کی طرف بھیجا۔ لیکن فلسطین کے اموی حاکم نے مصعب کو راستے ہی میں روک لیا اور مروان نے اس لشکر کے عقب کی حفاظت کی جو مصر کو سر کرنے کے لئے

جا چکا تھا۔ اس طرح مروان مصر کی ولایت کو اپنے زیر اثر لانے
میں کامیاب ہوگیا۔

المختار کا ظہور

سنہ ۶۵ھ سے سنہ ۶۷ھ تک
سنہ ۶۸۴ء سے سنہ ۶۸۶ء تک

اندریں اثنا عراق میں المختار نامی ایک شخص نے حضرت حسینؓ
کی شہادت کا انتقام لینے کے لئے علم جہاد بلند کر دیا۔ المختار حضرت
عمرؓ کے عہد کی جنگ ایران کے بطل ابو عبید ثقفی کا بہادر بیٹا تھا
جس کی پرورش اس کے چچا نے جو حضرت علیؓ کے عہد خلافت
میں المدائن کا گورنر تھا۔ کی تھی۔ المختار نے مسلم بن عقیل کا ساتھ
دیا تھا اس لئے کوفہ کے حاکم عبید اللہ ابن زیاد نے اسے قید کر دیا
تھا۔ قید سے رہائی پانے کے بعد المختار عبداللہ ابن زبیرؓ کے پاس
مکہ چلا گیا۔ یہ شخص اہل بیت کا فدائی تھا۔ اور اس کے دل میں
حضرت حسینؓ کے قاتلوں کو کیفر کردار تک پہنچانے کی لگن لگی
ہوئی تھی۔ مکہ سے المختار پھر کوفہ آیا اور شیعان علیؓ کو محمد ابن علی
یعنی محمد ابن الحنفیہ کو خلیفہ ماننے کی ترغیب دینے لگا۔ کوفہ کے
لوگوں نے المختار کی یہ تجویز اس بنا پر رد کر دی کہ محمد مذکور علوی تو ضرور

ہیں لیکن فاطمی نہیں ۔ اب مختار نے ملہم من اللہ ہونے کا دعویٰ کر دیا اور کہا کہ مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے ۔ مختار نے اپنے پیروؤں کو مہدی کے ظہور کی بشارت دی ۔ بہت سے آرامی نژاد اور ایرانی نژاد مسلمان المختار کے پیرو بن گئے ۔ المختار نے مالک الاشتر کے بیٹے ابراہیم کو ان کا سالار بنایا اور ۶۵ھ مطابق ۶۸۴ء میں ان کا لشکر تیار کر کے کوفہ کے عربوں سے جنگ کی اور انہیں شکست دی ۔ المختار نے عراق کی ساری زمین کو سر کر لیا ۔ لیکن کوفہ کے عرب اس سے بگڑے رہے ۔ اندریں اثنا دمشق کا خلیفہ مروان فوت ہو گیا اور اس کی جگہ ۶۶ھ مطابق ۶۸۵ء میں عبدالملک خلیفہ بنا ۔ عبدالملک نے عراق کو سر کرنے کے لئے شام سے ایک لشکر بھیجا ۔ ابراہیم ابن مالک الاشتر لشکر کے لئے مقابلے کو بڑھا ۔ اس کی غیر حاضری میں کوفہ کے عربوں نے سر اٹھایا اور مختار پر حملہ کر دیا ۔ ابراہیم کو اطلاع ملی تو واپس لوٹا اور اس نے مختار کو کوفی عربوں کے محاصرے سے نجات دلائی ۔ ابراہیم نے مخالفین کو حضرت حسینؓ کی شہادت کا ذمہ دار قرار دے کر سخت اور سنگین سزائیں دیں ۔ اس واقعہ کے دو دن بعد ابراہیم نے عبیداللہ ابن زیاد کے لشکر کو جو عبدالملک نے دمشق سے بھیجا تھا نہر زاب کے کنارے خفیر کے مقام پر شکست فاش دی ۔ اور معرکہ کربلا کا بدلہ لے لیا ۔ عبیداللہ ابن زیاد مقتول ہوا ۔ اس کی لاش کوفہ میں اسی مقام پر

لائی گئی جہاں اُس نے حضرت حسینؓ کے سر کی تذلیل چھڑی یا لکڑی سے کی تھی۔ اس دُشمنِ مبین پر مختار نے ایک خالی تخت بچھا کر جشن منایا۔ تخت کو خالی رکھنے کا مطلب یہ تھا کہ مختار جو کچھ کر رہا ہے وہ اپنی طرف سے نہیں بلکہ آنے والے مہدی کی طرف سے کر رہا ہے۔

اِن دنوں میں عبداللہ ابن زبیر خلیفہ مکہ کا بھائی مُصعب بصرہ میں خارجیوں سے لڑ رہا تھا۔ خارجی حضرت عثمانؓ کو ظالم قرار دیکر اُن کے قتل کو جائز سمجھتے تھے اور حضرت علیؓ پر اس لئے تبرّا بھیجتے تھے کہ وہ ان کے خیال میں ثالثی کو مان کر مرتد ہو گئے تھے۔ مُصعب نے بصرہ کے خارجیوں کی سرکوبی کرنے کے بعد کوفہ پر چڑھائی کی۔ دو لڑائیاں سر کرنے کے بعد کُوفہ کا محاصرہ کر لیا جو چار ماہ تک جاری رہا۔ المختار ۳ اپریل ۶۸۷ء کو ایک چپقلش میں مارا گیا۔ مُصعب کُوفہ پر قابض ہو گیا۔ اس نے مختار کو شکست دے کر ایک ایسی طاقت کا خاتمہ کر دیا جو ان کی اپنی خلافت کے حریف سے برسرِ پیکار تھی۔ عبداللہ ابن زبیر نے دمشق کے امویوں سے لڑنے کے بجائے بصرہ کے خارجیوں اور کُوفہ کے شیعوں سے جنگ کر کے نادانستہ طور پر شامیوں کے اقتدار کے لئے راہ صاف کر دی۔ اگر ابن زبیر بصرہ اور کُوفہ کی طرف توجہ مبذول کرنے سے پہلے دمشق پر چڑھائی کرتا تو شاید کامیاب ہو جاتا۔ لیکن کوفہ اور بصرہ کی طرف پہلے توجہ دینے کا نتیجہ یہ ہوا کہ امویوں کو اپنی طاقت مستحکم کرنے کا موقع مل گیا اور ان کی

دو حریف طاقتیں انہی کے تیسرے حریف کے ہاتھوں تباہ ہو گئیں۔

مصعب کی شکست

۷۱ھ ۶۹۱ء

مصعب ابن زبیر تین سال کوفہ پر قابض رہا اس نے دمشق کے اموی خلیفہ عبدالمالک کے متعدد اقدامات کو جو اس کے لشکروں نے عراق کی جانب کئے کامیابی سے روکا۔ لیکن ۷۱ھ مطابق ۶۹۱ء میں عبدالمالک نے ایک لشکر جرار کے ساتھ خود عراق پر چڑھائی کی۔ بغداد کے شمال میں دریائے دجلہ کے کنارے درختوں کے ایک جھنڈ میں عبدالمالک اور مصعب کے درمیان لڑائی ہوئی۔ مصعب کی اچھی فوج فارس میں خارجیوں کے مقابلے پر گئی ہوئی تھی۔ فوجی سالاروں نے جو اس کے ساتھ تھے بے وفائی کی۔ اس لئے مصعب نے شکست کھائی اور میدانِ جنگ ہی میں مارا گیا۔ اس طرح عراق کا ملک عبداللہ ابن زبیر کے ہاتھ سے نکل گیا۔

مکہ پر چڑھائی

۷۲ھ ۶۹۲ء

امویوں نے عراق سر کر لینے کے بعد زیادہ دیر تک انتظار

نہ کیا۔ اگلے سال یعنی ۷۲ھ مطابق ۶۹۲ء میں عبدالمالک کے ایک سالار حجّاج ابنِ یوسف نے جو طائف کا باشندہ تھا۔ طائف کو مرکز بنا کر مکّہ پر چڑھائی کر دی اور جبلِ ابو قبیس سے مکّہ پر آگ برسانی لگا۔ حجاج کے لشکر نے مکّہ کا محاصرہ کر لیا جو متواتر سات ماہ تک جاری رہا۔ عبداللہ ابن زبیر اتنی مدّت حرم کعبہ میں پناہ گیر رہا آخر محاصرہ کی شدّت سے تنگ آکر اُس نے ذات النّطاقی اسماء بنت ابی بکرؓ سے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے وقت غارِ ثور میں کھانا پہنچایا کرتی تھیں مشورہ مانگا۔ اسماءؓ نے کہا کہ جوانمردوں کی طرح جان دے دو۔ عبداللہ ابن زبیرؓ بہادرانہ طریق سے امویوں کے مقابلے کے لئے نکلا اور حضرت حسینؓ کی تقلید میں لڑتا ہوا شہید ہو گیا۔ اسی طرح دمشق کا اموی خلیفہ عبدالمالک ساری مملکتِ اسلامی کا بادشاہ بن گیا۔

تعمیر کعبہ
۶۳ھ ۶۸۳ء

عبداللہ ابن زبیرؓ نے اپنی خلافت کے تیسرے سال خانہ کعبہ کی یک صد سالہ بوسیدہ عمارت کو گرا کر اُسے ازسرِ نو تعمیر کرایا۔ جب عمارت ڈھائی جا رہی تھی تو مکّہ کے مسلمان شہر سے باہر نکل گئے۔ اُن کا خیال تھا کہ خانہ کعبہ کی مسماری شہر پر اللہ کا قہر لانے کا موجب ثابت ہوگی۔ مکّہ کے لوگ تین دن کے بعد واپس شہر میں آئے۔

عبد الملک ابن مروان کا عہد

سنہ ۶۵ھ سے سنہ ۸۶ھ تک

سنہ ۶۸۵ء سے سنہ ۷۰۵ء

ساری مملکت کا واحد خلیفہ

سنہ ۷۳ھ سنہ ۶۹۳ء

عبد الملک اپنے باپ مروان کی وفات پر سنہ ۶۵ ہجری مطابق سنہ ۶۸۵ء میں دمشق میں خلیفہ بنا تھا۔ اس وقت مکہ میں عبد اللہ ابن زبیر کی متوازی خلافت قائم تھی۔ اور عراق میں خارجیوں اور شیعوں نے شورشیں برپا کر رکھی تھیں، جن سے دمشق اور مکہ کی دونوں خلافتیں برسرِ پیکار تھیں۔ جو آپس میں لڑ رہی تھیں۔ اس چہار گوشہ جنگ کے واقعات ہم اوپر کی فصل میں بیان کر آئے ہیں۔ حجاج ابن یوسف نے

عبداللہ ابن زبیر کا خاتمہ کر کے مکہ کو سر کر لیا تو عبدالمالک سنہ ۷۳ھ مطابق سنہ ۶۹۳ء میں ساری مملکت اسلامیہ کا خلیفہ بن گیا اور ہر طرف بنو امیہ کے اقتدار کا ڈنکا بجنے لگا۔

قیصر روم سے جھگڑا اور خلافت کے سکے کا اجرا

عبدالمالک ابن مروان کو ابتدا میں جب عبداللہ ابن زبیر اور عراق کے شیعوں اور خارجیوں کے خطرات درپیش تھے تو اس نے روم کے عیسائی بازنطینی قیصر کے شر سے اپنے آپ کو بچانے کے لئے اس کے ساتھ صلح کر لی اور تین سال متواتر خراج ادا کیا۔ بلا شرکت و سہیم ساری مملکت اسلامی کا خلیفہ بن جانے کے بعد عبدالمالک نے قیصر روم کو خراج دینا بند کر دیا۔ اس وقت تک اسلامی مملکت میں قیصر روم ہی کے سکے استعمال کئے جاتے تھے۔ خراج کی بندش پر قیصر نے عبدالمالک کو دھمکی دی کہ وہ اپنے طلائی دینار پر ایسی مہر لگائے گا جو مسلمانوں کے لئے ناقابل برداشت ہو گی بلکہ اس نے ایسا سکہ چلا بھی دیا۔ یہ حال دیکھ کر عبدالمالک نے فیصلہ کر لیا کہ اپنا سکہ رائج کرے اور چلائے حجاج ابن یوسف نے بھی جسے مکہ کو سر کرنے کے بعد عراق یمامہ اور یمن کا حاکم بنا دیا تھا۔ عبدالمالک کی پیروی کی اور سنہ ۶۹۵ء سے اسلامی مملکت میں خلافت کا اپنا سکہ چلنے لگا۔ قیصر روم کے ساتھ ان بن ہو جانے کے باعث

عبدالمالک نے ۶۹۳ ؁ء میں اپنی مملکت کے حسابات کے لئے بھی عربی زبان استعمال کرنے کا حکم صادر کردیا۔ جو پہلے ارامی اور لاطینی زبانوں میں لکھے جاتے تھے۔ اس خلیفہ نے اسی کشمکش کی وجہ سے مملکتِ اسلامی کے عیسائی باشندوں پر بھی کچھ پابندیاں عائد کردیں۔ کیونکہ وہ قیصر رُوم سے ہمدردی رکھتے تھے۔ اور اس کی جاسوسی کرتے تھے۔

شیعوں اور خارجیوں کی شورشیں

یہاں اِن تحریکوں کا مختصر سا حال بیان کردینا بھی ضروری ہے جو عبدالمالک کے عہد میں جنگ وجدال کا موجب بنی رہیں اور آخرکار بزور شمشیر دبادی گئیں۔ ہم شیعانِ حسین رضؓ کی اس تحریک کا حال جو المختار نے ۶۸۵ ؁ء سے ۶۸۷ ؁ء تک یعنی ۶۶ ؁ھ سے ۶۸ ؁ھ تک چلائی گذشتہ فصل میں کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان کرآئے ہیں۔ مختار کی اس تحریک کا قلع قمع مصعب ابن زبیر نے کیا جو عبداللہ ابن زبیر خلیفہ مکہ کا بھائی اور سپہ سالار تھا۔ مختار کے خاتمے کے بعد اس کے پیرووں نے ایک مستقل مذہبی فرقہ کی حیثیت اختیار کرلی۔ حضرت حسین رضؓ اور اہلِ بیت کی مظلومی پر آنسو بہانے کو ذریعۂ نجات سمجھنا بھی اس فرقہ کے مذہبی عقاید میں داخل ہوگیا۔ صرف شاہانِ بنوامیہ سے نفرت کرنا اور ان پر لعنت بھیجنا ہی اُن کے مذہبی فرائض میں داخل نہ تھا۔ بلکہ ابتدا سے تینوں خلفائے راشدین کو

ناصب متصور کرنا بھی ازروئے عقیدۂ مذہبی ان کے نزدیک ضروری بن گیا۔ شیعوں کے مقابلے میں خارجیوں کا ایک فرقہ تھا جو حضرت علیؓ کے عہد میں جنگِ صفین کے موقع پر شیعانِ علیؓ ہی سے کٹ کر پیدا ہوا۔ یہ فرقہ علیؓ۔ معاویہؓ اور عمرو ابن العاصؓ سب کو مرتد قرار دیتا تھا۔ عبداللہ ابن زبیرؓ کا سپہ سالار مصعب بصرہ کی ولایت میں خارجیوں سے لڑا۔ خارجیوں کا ایک فرقہ ازراقی کے نام سے مشہور ہوا۔ ازراقی اپنے سوا باقی تمام مسلمانوں کو مرتد۔ اور واجب القتل سمجھتے تھے۔ مصعب کا ایک نائب سالار المہلب ابن سفرہ۔ فارس اور خوزستان میں ازرازاقی خارجیوں سے برسرِ پیکار رہا۔ مصعب کی شکست اور موت پر المہلب نے خلیفہ عبدالملک کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور اپنے عہدے پر بدستور قائم رہا۔ ۶۹ھ مطابق ۶۸۸ء میں ازراقیوں نے قطاری ابن فجاءہ تمیمی کو اپنا خلیفہ بنایا۔ قطاری نے خوزستان (ایران) میں اپنا مرکز قائم کر کے عراق پر حملے شروع کر دیئے۔ المہلب کو بڑی پریشانی لاحق ہوئی۔ اس نے کوفہ کے دو حاکموں سے جو یکے بعد دیگرے مقرر ہوئے مدد مانگی۔ دونوں نے اس کی کوئی مدد نہ کی۔ ۷۳ھ مطابق ۶۹۲ء میں خلیفہ عبدالملک نے حجاج ابن یوسف کو عراق کا حاکم بنا دیا اور حجاج نے المہلب کو امداد دینے کی ہامی بھر لی۔ المہلب نے حجاج کی بھیجی ہوئی کمک کو ساتھ لے کر ازراقی خارجیوں پر یلغار کی اور ایران کے

قلب کرمان تک ان کا تعاقب کرتا چلا گیا۔ یہاں ازراقیوں میں پھوٹ پڑ گئی۔ قطاری اپنے حامیوں کو لے کر طبرستان کی طرف چلا گیا اور باقی ازراقیوں نے جیرفت کے مقام پر اپنا خلیفہ بنا کر المہلب سے جنگ کی۔ المہلب نے اس جنگ میں ازراقیوں کو شکست دی اور ان کا کام تمام کر دیا۔ قطاری نے طبرستان میں عام لوگوں پر تشدد شروع کر دیا۔ انہوں نے رے کے گورنر سے مدد مانگی۔ گورنر نے لشکر بھیجا ۶۹۷ء میں جنگ ہوئی اور ازراقی خارجیوں کا یہ گروہ بھی نیست و نابود کر دیا گیا۔ خارجیوں کے لیڈر شبیب شیبانی نے موصل اور اس کی نواحی کمین گاہوں میں بیٹھ کر عراق کے شہروں اور قصبوں پر حملے کئے اور وہاں کے نظم و نسق کو بہت پریشان کرنے لگا۔ خلیفہ عبدالملک نے شام سے لشکر بھیجا جس نے ۶۹۷ء میں نہر دجیل کے کنارے خارجیوں سے جنگ کی اور انہیں شکست دی۔

ابن الاشعث کی بغاوت

سنہ ۸۰ھ سے سنہ ۸۵ھ

۶۹۹ء - ۷۰۴ء

سیستان میں ایک ترک خاندان حکمران تھا۔ حجاج نے عراق سے عبدالرحمان ابن اشعث کے زیر کمان جو کندہ کے شاہی خاندان کا ایک فرد تھا ایک لشکر سیستان کو فتح کرنے کے لئے بھیجا ابن الاشعث

اس مہم کو کامیابی کے مرحلہ پر پہنچانے سے قاصر رہ گیا۔ حجاج نے
بازپرس کی تو حجاج کی سخت گیری سے ڈر کر ابن الاشعث اور اس کے
ساتھی فوجی سردار باغی ہو گئے۔ سیستان کے ترک بادشاہ سے صلح
کر کے وہ مغرب کی طرف چلے۔ راستے میں عربوں کی وہ افواج جو ایران
کی چھاؤنیوں میں پڑی تھیں۔ ابن الاشعث کے ساتھ ہو گئیں۔
حجاج نے آگے بڑھ کر مقابلہ کیا اور شکست کھائی۔ ابن الاشعث کا
لشکر بصرہ پر قابض ہو گیا۔ جہاں سے وہ کوفہ کی طرف بڑھا۔ شام
سے خلیفہ عبدالملک نے اپنے دو بیٹوں عبداللہ اور محمد کے زیر کمان
ایک بھاری لشکر باغیوں کی سرکوبی کے لئے بھیجا۔ شہزادوں نے
باغیوں کو پیغام بھیجا کہ دربارِ خلافت حجاج ابن یوسف کو عراق کی
گورنری سے واپس بلا لے گا۔ لہٰذا قصہ صلح و صفائی سے طے
ہو جانا چاہیئے۔ باغیوں نے یہ پیشکش مسترد کر دی۔ خلیفہ کے لشکر
نے باغیوں کو پہلے دیرالجماجم کے مقام پر پھر مسکن کے مقام پر
شکست دی ابن الاشعث میدانِ جنگ سے بھاگ کر سیستان
کے ترک بادشاہ کے پاس چلا گیا۔ جہاں اس ترک خان نے
خلیفہ کی طاقت سے مرعوب ہو کر ابن الاشعث کو اپنے آدمیوں
کی تحویل میں دے کر عراق کی طرف روانہ کر دیا۔ تاکہ اسے
حجاج کے حوالہ کر دیں۔ ابن الاشعث نے ۸۵ھ میں خودکشی کر لی
کیونکہ وہ حجاج ایسے سنگدل اور ظالم حاکم کے ہاتھوں ذلت

کی موت مرنا گوارا نہ کرتا تھا۔

عبدالملک کا نظم و نسق

عبدالملک اپنے اموی پیش رؤوں معاویہ رضؓ۔ یزید اور مروان کی طرح شاہانہ کروفر سے رہتا اور قیصر و کسریٰ کی طرح تزک و احتشام کے ساتھ دربار لگایا کرتا تھا۔ بلکہ عبدالملک کے عہد میں اموی خلیفہ کی شاہانہ شان و شوکت میں اور بھی اضافہ ہو گیا تھا۔ اس نے اپنی مملکت میں بہت سے عالیشان محل تعمیر کرائے۔ اس نے اپنے رشتہ داروں کو ولایات کا حاکم بنایا۔ یہ خلیفہ سخن فہم بھی تھا۔ اس کے دربار میں ایک عیسائی شاعر الاخطل نامی تھا جس نے عربی شاعری میں مے و معشوق کے ذکر کو از سر نو فروغ دیا۔ ایک عرب شاعر تغلبی نامی تھا جس نے مدینہ کے دینی اور علمی حلقوں کے علماء کی ہجویں لکھیں کیونکہ مدینہ کے دینی حلقے امویوں کے اقتدار کو جائز خلافت نہیں سمجھتے تھے۔ اور صحیح عقاید کی نشر و تبلیغ کا حق ادا کر رہے تھے۔

روایت ہے کہ عبدالملک کو جب خلیفہ بنائے جانے کی خوشخبری سنائی گئی تو وہ اس وقت قرآن مجید کی تلاوت کر رہا تھا۔ مژدہ خلافت سنتے ہی اُس نے قرآن پاک کو غلاف میں لپیٹا اور کہا!

فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ کہہ کر طاق پر رکھ دیا ہے۔ رواۃ نے ملحد خلیفہ کے لقب سے یاد کیا ہے۔ عبدالملک کے مقرر کئے ہوئے حاکم لوگوں پر فوجی طاقت اور قہر و استبداد کے بل پر حکومت کرتے تھے۔ حجاج ابن یوسف کو جب فتح مکہ کے بعد سنہ ۶۹۴ء میں عراق۔ یمامہ اور یمن کا حاکم بنایا گیا تو اس نے کوفہ کے منبر پر کھڑے ہو کر بڑا سخت خطبہ دیا۔ جس میں لوگوں کو معمولی سی سرکشی کے شبہ پر سنگین ترین سزائیں دینے کی دھمکیاں دی گئی تھیں۔

ولید بن عبدالمالک

سنہ ۸۶ھ سے سنہ ۹۶ھ تک
سنہ ۷۰۵ء سے سنہ ۷۱۵ء

ولید کی مسند نشینی

سنہ ۸۶ھ سنہ ۷۰۵ء

مروان ابن الحکم نے وصیت کی تھی کہ میرے بعد میرا بیٹا عبدالمالک اور اس کے بعد میرا دوسرا بیٹا عبدالعزیز خلیفہ بنے۔ لیکن عبدالعزیز عبدالمالک ہی کے عہد میں فوت ہوگیا۔ اس لئے عبدالمالک کی وفات پر اس کا بیٹا ولید مسند نشین ہوا۔ اس خلیفہ کے عہد میں مشرق و مغرب میں بہت سے نئے ملک فتح کئے گئے۔ ترکستان، سندھ اور ہسپانیہ (اندلس) اسی عہد میں مسلمانوں کی سلطنت میں شامل کئے

گئے ان کے علاوہ ایشیائے کوچک میں قدم بڑھائے گئے۔

ترکستان کی مہم

سنہ ۸۶ھ سے سنہ ۹۶ھ
سنہ ۷۰۵ء سے سنہ ۷۱۵ء تک

سنہ ۷۰۵ء میں قُتیبہ ابن مسلم خراسان کا گورنر مقرر ہوا ۔ اور اُس نے ترکستانات پر مسلسل یلغاریں شروع کر دیں۔ پہلے اُس نے ایران سے آگے بڑھ کر ترکستانات کا وہ سارا علاقہ سر کیا جو دریائے جیحون اور کوہ ہندوکش کے درمیان واقع ہے اور آج کل کے جغرافیہ میں افغانی ترکستان کہلاتا ہے۔ بلخ اِس علاقے کا پُرانا اور مشہور شہر ہے۔ اِن دنوں ماوراءالنہر کی ایک ولایت سُغدیانہ میں خاقان کیخان شاہ تاتار کا ایک نائب حکومت کرتا تھا۔ بخارا میں بھی ایک تُرک خان حکمران تھا۔ قُتیبہ نے اِس خان کی جانشینی کے جھگڑے میں ایک شہزادے کی مدد کی۔ اور اُسے بخارا کا بادشاہ بنوا دیا۔ اِس بادشاہ نے مسلمانوں کے طور طریقوں سے متاثر ہو کر دینِ اسلام قبول کر لیا۔ سمرقند کے حکمران ترا خان نے بھی قُتیبہ کی اطاعت قبول کر لی۔ لیکن اس کی رعایا نے اُسے معزول کر دیا۔ اور اُس کی جگہ غراک خاں کو بادشاہ بنا لیا۔ قُتیبہ نے لشکر

بھیج کر غزاک خاں کا محاصرہ کر لیا۔ اس نے بھی اطاعت قبول کر لی اپنے صدر مقام میں عربوں کی فوج رکھنے پر رضا مند ہو گیا۔ اس کے بعد قتیبہ نے فرغانہ کی ولایت پر چڑھائی کی۔ لیکن حجاج ابن یوسف کی وفات کی خبر سنکر جو ان مشرقی ملکوں کا حاکم اعلیٰ تھا۔ قتیبہ مرو کی طرف لوٹ آیا۔ اگلے سال یعنی ۷۱۵ء میں خلیفہ ولید فوت ہو گیا جس کی وفات کی خبر سنکر قتیبہ کے سپاہیوں ہی نے اس کا کام تمام کر دیا۔

سندھ پر محمد ابن قاسم کی یلغار

سنہ ۹۲ھ سنہ ۷۱۱ء

پندرہ سالہ نوجوان سپہ سالار محمد ابن قاسم نے سنہ ۹۲ھ مطابق سنہ ۷۱۱ء میں حجاج ابن یوسف حاکم عراق وولایات کے حکم سے سندھ پر لشکر کشی کی۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ سندھ کے ڈاکوؤں نے دیبل (کراچی) کی بندرگاہ میں عرب تاجروں کے ایک جہاز پر حملہ کرکے چند مسلمان عورتیں بھی چھین لیں۔ یہ جہاز سراندیپ (لنکا) کے راجہ نے بھجوایا تھا۔ اس میں ایسے عرب تاجروں کا اہل وعیال تھا جو سراندیپ میں فوت ہو گئے تھے۔ جب سندھ کے ڈاکوؤں نے ان مسلمان عورتوں پر ہاتھ ڈالا تو ان میں سے ایک نے چلا کر

کہا کہ اے حجاج مدد! حجاج کے پاس رپورٹ پہونچی تو وہ سخت
برافروختہ ہوا۔ اور اُس نے اِس امر کے باوجود کہ مسلمانوں کے لشکر
قُطیبہ کی سرکردگی میں ترکستان کی مہمات میں مشغول تھے۔ سندھ پر
چڑھائی کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ خلیفہ سے اجازت حاصل کر کے اُس نے
اپنے نوجوان داماد محمد بن قاسم کے زیرِ قیادت ایک لشکر سندھ کی طرف
روانہ کیا۔ سندھ کا حکمران داہر نامی ایک راجہ تھا اُسے مسلمانوں کی
طرف سے پیغام بھیجا گیا کہ وہ مسلمان عورتوں کو ڈاکوؤں کے پنجے
سے چھڑائے اور مجرموں کو سزا دے۔ لیکن راجہ داہر نے یہ کہہ کر
سفارت کو ناکام لوٹا دیا کہ دیبل کے ڈاکو میرے قابو میں نہیں۔

محمد بن قاسم کے لشکر نے سنہ ۹۳ ہجری مطابق سنہ ۷۱۲ء میں
سندھ پر یلغار کی۔ اِس لشکر نے مکران سے چل کر ارمن بیلہ دیبل
سیسم۔ نیرون۔ بہرلوج۔ روہڑی۔ جے پور۔ سندھ۔ برہمن آباد۔
الور اور ملتان کے قلعے یکے بعد دیگرے گھمسان کی لڑائیاں لڑ کر
سر کئے۔ جے پور کی لڑائی میں راجہ داہر مارا گیا۔ اِسی طرح مسلمانوں
نے سندھ اور ملتان کا ملک سر کر کے اُسے اسلام کی مملکت میں
شامل کر لیا۔ اِس زمانہ میں سندھ کی مملکت میں سندھ۔ ملتان
اور راجپوتانہ شامل تھے۔ اِس مملکت کے مشرق میں قنوج کی مملکت
واقع تھی اور شمال مشرق میں کشمیر اور پنجاب کی وسیع مملکت تھی۔
جس کے راجہ کابل تک کے علاقہ پر قابض تھے۔ محمد بن قاسم کی یلغار

کے وقت راجا داہر کے پاس عرب مسلمان بھی مفرورین کی حیثیت میں موجود تھے جو راجا کی فوج میں شامل ہو چکے تھے۔ اُن کی تعداد کوئی تین ساڑھے تین سو کے لگ بھگ تھی۔ ان کے سردار کا نام محمد علافی تھا جو مہمات ایران کے وقت اپنے سالار سے ناراض ہو کر راجا داہر کے پیش رو راجا چچ کے عہد میں اپنی جمعیت سمیت سندھ میں آگیا تھا۔ اس مقام پر یہ نکتہ قابلِ ذکر ہے کہ اس محمد علافی اور اس کے ساتھی فراریوں نے راجہ کی خاطر اپنے دینی اور قومی بھائیوں یعنی عرب مسلمانوں کے خلاف لڑنے سے صاف انکار کر دیا۔ مسلمانوں کو ان مہمات میں بہت سا مالِ غنیمت ملا جن میں سونے اور چاندی کے بھاری ذخائر اور انبار بھی تھے۔ لیکن مرکز کے حکم سے فاتحین نے وہ ذخائر اسی مفتوحہ سرزمین میں غریبوں اور محتاجوں میں بانٹ دیئے اور رفاہیت عامہ کے کاموں پر صرف کئے۔

ہسپانیہ کی تسخیر

سنہ ۹۲ھ سے سنہ ۹۵ھ
سنہ ۷۱۱ء سے سنہ ۷۱۴ء تک

عقبہ بن نافع نے امیر معاویہ رضؓ کے عہد کے آخری سال سنہ ۵۹ھ مطابق سنہ ۶۸۰ء میں مسلمانوں کی فتوحات کا دائرہ بحرِ ظلمات (اوقیانوس)

کے ساحل تک وسیع کر دیا تھا۔ اسلام کا یہی وہ بہادر سالار تھا جس نے سمندر کو دیکھ کر اپنا گھوڑا پانی میں ڈال دیا اور کہا کہ زمین ختم ہو گئی۔ ورنہ ہم اسلام کے پرچم کو اور بھی آگے لے جاتے۔ اس وقت عرب فاتحین کو معلوم نہیں تھا کہ ملک مراکش کی راس سبتہ سے صرف اٹھائیس میل کے فاصلے پر سمندر کے پار ایک اور دنیا بھی آباد ہے۔ یہ انکشاف اُن پر شمالی افریقہ پر قابض ہو جانے کے بعد ہوا چنانچہ خلیفہ ولید کے زمانے میں جولائی ۷۱۰ء کو طارق نامی ایک سالار نے چار سو پیادوں اور سو سواروں کی ایک جمعیت کشتیوں پر سوار کرا کے ملک اندلس (ہسپانیہ) کے حالات کی دیکھ بھال کرنے کے لئے بھیجی اس طلایہ کی رپورٹ موصول ہونے پر طارق نے پانچ ہزار یا سات ہزار یا بارہ ہزار بربریوں کا ایک لشکر لے کر ہسپانیہ کو فتح کرنے کے عزم سے چڑھائی کر دی۔ مسلمانوں کے لشکر نے کشتیوں پر سوار ہو کر آبنائے کو عبور کیا۔ ساحل پر اترنے کے بعد طارق نے ان تمام کشتیوں کو جنہیں وہ اپنا لشکر لایا تھا نذرِ آتش کرا دیا تاکہ مجاہدینِ اسلام کے دلوں میں اپنے ملک کو واپس جانے کا خیال تک باقی نہ رہے۔ اور وہ جان لیں کہ اب انہیں اسی نئی سرزمین میں جینا یا مرنا ہے۔ مسلمانوں کے لشکر نے راس طریفہ کے قریب ایک پہاڑ پر اپنے ڈیرے ڈالے جو اس وقت سے لے کر آج تک جبل الطارق کے نام سے موسوم ہے۔ اور یورپ کی زبانوں میں بگڑ کر جبرالٹر بن گیا ہے، ہسپانیہ کا فرمانروا ڈگ تیفم

جو وزیگاتھ قبیلہ کے شاہی خاندان کا بادشاہ تھا چھبیس ہزار کا بھاری لشکر لے کر مقابلے کے لئے آیا۔ وادی بکّہ میں طارق اور روڈرک کے درمیان لڑائی ہوئی، جس میں روڈرک نے شکست کھائی اور میدانِ جنگ سے ایسا غائب ہوا کہ آج تک اُس کا سُراغ نہیں مل سکا۔ اس فتح کے بعد طارق نے اپنے لشکر کو دو حصّوں میں تقسیم کر دیا خود آدھا لشکر لے کر استیجہ کی راہ سے طُلَیطلہ کی طرف یلغار کی۔ استیجہ پر شدید جنگ ہوئی اور قلعہ سَر کر لیا گیا۔ طلیطلہ کا قلعہ وہاں کے یہودیوں کی نشان دہی پر فتح کیا گیا۔ دُوسرے دستے نے آرشذونہ۔ البیرہ۔ قرطبہ اور مالقہ کے قلعے سَر کر لئے قرطبہ دو ماہ کے محاصرے کے بعد ایک چرواہے کی نشان دہی پر فتح کیا گیا جس نے عربوں کو فصیل کے ایک شگاف کا پتا بتا دیا تھا۔

۱۲ھ؁ میں دیارِ مغرب یعنی شمالی افریقہ کے حاکمِ اعلیٰ موسیٰ بن نصیر نے طارق کی فتوحات سے متاثر ہو کر خود ہسپانیہ پر لشکر کشی کی۔ اور دس ہزار عرب فوج لے کر اِن قلعوں اور شہروں کو سر کیا جنہیں طارق کی بربری فوجیں آگے بڑھنے کے جوش میں ادھر اُدھر پیچھے چھوڑ گئی تھیں۔ مادینہ۔ قشذونہ اور قرمونہ کے قلعے آسانی سے سَر کر لئے گئے اشبیلیہ اور ماردہ کے قلعے محاصرہ کے بعد ۱۳ھ؁ میں فتح ہوئے۔ طلیطلہ میں موسیٰ کی فوج طارق کی فوج سے جا ملی۔ اور دونوں فوجوں نے مل کر شمال کی طرف یلغار کی۔

سرقسطہ کو سر کرنے کے بعد اسلام کا لشکر ارغون۔ لیون۔ استجہ دائیس اور گلیشیہ کے مرتفع علاقے میں پہنچ گیا۔ موسیٰ بن نصیر یہاں تک پہنچا تھا کہ خلیفہ ولید نے اُسے دربارِ خلافت میں حاضر ہونے کا حکم بھیج دیا۔ موسیٰ اندلس کے عیسائی شہزادوں کو جو جواہرات سے لدے ہوئے تھے جنگی اسیر بنا کر اور ہزاروں کی تعداد میں جنگی قیدیوں کو لے کر بڑے تزک و احتشام کے ساتھ شمالی افریقہ مصر اور شام میں سے گذرتا ہوا دمشق پہنچا۔ اور بہت سا مالِ غنیمت ساتھ لایا۔ اِس مالِ غنیمت کے نوادر میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی ایک میز بھی تھی۔ جس پر حسبِ روایت جن نے منبت کاری کی تھی۔ خلیفہ ولید نے عزت و احترام کے ساتھ موسیٰ کو شرف یاب کیا۔ لیکن اِس کے جانشین نے اِس کی جائیداد ضبط کر لی اور اُس کی تذلیل کی۔ افریقہ اور اندلسیہ کا یہ فاتح حجاز میں بھیک مانگتا ہوا مرا۔ کہتے ہیں کہ اِس نے طارق کی ناموری پر حسد کر کے اُسے سالاری کے عہدے سے معزول کر دیا تھا۔ اِس لیے قدرت کے ہاتھوں اُسے بھی ایسی ہی سزا ملی۔

ولید کا نظم و نسق

ولید ابن مالک جس کے عہد میں مسلمانوں کی فتوحات کا دوسرا دور شروع ہوا اور دینِ اسلام کی روشنی ترکستانات۔ ہندوستان اور ہسپانیہ کے ملکوں تک پھیل گئی ۹۶ھ/۷۱۵ء میں فوت ہو گیا۔ خلیفہ

ولید شاہنشہی کرّوفر کھنے والا مطلق العنان فرمانروا تھا۔ اُس نے اپنے عہد میں عیسائیوں کو سرکاری ملازمتوں سے نکالنے کی پالیسی جو اس کے باپ عبدالمالک نے وضع کی تھی جاری رکھی۔ حتٰی کہ اُس نے سرجون ابن منصور عیسائی کے خاندان والوں کو بھی جو معاویہؓ اوّل کے وقت سے شاہانِ بنوامیہ کے شعبۂ مالیات وحسابات کے نگران اور انچارج چلے آرہے تھے۔ ملازمت سے برطرف کردیا۔ اور ان کی جگہیں عربوں سے پُر کیں۔ ولید رفاہیتِ عامہ کے ایسے کاموں سے بہت دلچسپی لیتا تھا جو شاہی خزانہ کی آمدنی بڑھانے کے موجب تھے۔ مثلاً زراعت کی ترقی، آب پاشی کی اصلاح ڈاک کا انتظام۔ سراؤں کی تعمیر۔ اس نے دمشق کی مسجد اموی تعمیر کرائی۔ اور القدس (یروشلم) میں الصخرہ کی تعمیر بھی کرائی۔ یعنی اس پتھر کے اُوپر ایک گنبد بنوادیا۔ جہاں سے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم معراج کی شب براق پر سوار ہوکر آسمانوں کی طرف گئے تھے۔ حضرت عمر فاروق رضؓ نے سفرِ یروشلم میں اسی پتّھر کے اردگرد جاروب کشی کی تھی۔ جو گردوغبار اور خس وخاشاک سے اَٹا پڑا تھا۔ اور اسی مقام پر مسجد تعمیر کرائی تھی۔ جو آج تک مسجد سیّدنا عمرؓ کے نام سے موسوم ہے۔ ولید نے مُلک شام کے کئی مقامات پر اپنے لئے عالیشان قصر تعمیر کرائے۔ جن کے کمروں کی دیواریں نقش ونگار اور طرح طرح کی تصویروں سے مزیّن بنائی گئیں۔ ولید کے ایک قصر کی دیوار پر ایک ایسی تصویر بھی نقش کرائی گئی جس میں ترکستان

کا قاآن - سندھ کا راجا - اور ہسپانیہ کا عیسائی بادشاہ خلیفہ کے حضور میں کھڑے خراج اطاعت پیش کرتے دکھائے گئے تھے۔ اس قصر کے حمام کی دیواروں پر ننگی عورتوں کی تصویریں بنائی گئی تھیں - یہ باتیں ظاہر کرتی ہیں کہ ولید کے عہد میں مسلمان آرٹ اور فنونِ لطیفہ کی سرپرستی کرنے لگے تھے - یہ بات عصرِ حاضر کے معیارِ ترقیات کے نزدیک بہت بڑی خوبی ہے - لیکن اسلام کی سادگی کے نزدیک تعیش، فسق و فجور اور سیرت و اخلاق کے تنزل کی علامت ہے - اور ظاہر کرتی ہے کہ اس عہد کے مسلمان غیر مسلموں کے تمدن و معاشرت سے کس حد تک متاثر ہو چکے تھے۔

حجّاج ابنِ یوسف حاکمِ عراق

سنہ ۷۳ھ سے سنہ ۹۶ھ
سنہ ۶۹۴ء سے سنہ ۷۱۴ء تک

خلیفہ عبدالملک اور ولید اوّل کے عہد میں حجّاج ابن یوسف بڑے دور کا حاکم ہو گزرا ہے جس نے خلیفہ کا نائب ہونے کی حیثیت میں عراق، ایران، وسطی عرب اور یمن کی ولایات پر جبر و تشدّد کی آہنی گرفت سے حکومت کی۔ حجّاج اتنا ظالم حاکم تھا کہ لوگ اس کا نام سُن کر کانپتے تھے۔ اس نے سات مہینے کا محاصرہ کر کے عبداللہ ابن زبیر خلیفۂ مکّہ کو شہادت

رتبے سے سرفراز کیا۔ اور اسی خدمت کے صلے میں خلیفہ عبدالملک نے
۷۵ھ مطابق ۶۹۴ء میں عراق اور ایران ۔ یمامہ اور یمن کا حاکم
بنا دیا۔ یہ حجاج ابن یوسف ہی تھا جس نے محمد ابن قاسم کو سندھ میں
یلغار کرنے کے لئے بھیجا۔ اور قتیبہ کو ترکستانات میں لشکر کشی کرنے پر
مامور کیا۔ حجاج بڑا منتظم حاکم تھا۔ اس نے ۸۳ھ میں کوفہ اور بصرہ
کے درمیان واسط کی نئی چھاؤنی بنائی۔ اور اس میں شامی عربوں اور
ترک غلاموں کی فوج آباد کی۔ حجاج کی وفات (۷۱۴ء) پر اس شہر
میں ایرانی اور آرامی بھی آباد ہوگئے۔ اس کے علاوہ حجاج نے دجلہ
کے کنارے کسکر چھاؤنی از سر نو آباد کی۔ نہروں اور کاریزوں کی مرمت
کرائی ملک آباد کیا۔ اور اس طرح دیہات کے لوگوں کو شہروں کی طرف
نقل مکانی کرنے سے روکا۔ سکوں اور وزنوں کے طریقوں میں اصلاح
کرکے تجارت کو فروغ دلایا۔ قرآن پاک کے حافظوں اور قاریوں
کی سرپرستی کی۔ ایسا کرنے میں سیاسی مفاد بھی تھا تاکہ یہ لوگ جنہیں
عوام احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ حکومت پر اعتراض نہ کریں حجاج
سخن فہم بھی تھا اس نے اپنے درباری شاعر جریر کی سرپرستی کی جو فرزدق
شاعر کا مدمقابل تھا۔ اس عہد کے دوسرے شعرا نے حجاج کی ہجویں
لکھیں جو بہت مقبول ہوئیں۔ ۷۱۴ء میں حجاج مرگیا اور لوگوں
نے کلمہ شکر ادا کیا۔

بنو اُمیّہ کا چھٹا خلیفہ

سلیمان ابن عبدالمالک

سنہ ۹۷ھ سے سنہ ۹۹ھ تک
سنہ ۷۱۵ء سے سنہ ۷۱۷ء

حکّام اور ماموریں پر عتاب

ولید اوّل کی وفات پر خلافت کی قبا اُس کے بھائی سلیمان ابن عبدالمالک کو پہنائی گئی۔ جس نے صرف دو سال حکومت کی۔ سلیمان نے اقتدار کی زمام ہاتھ میں لینے کے ساتھ ہی حجاج ابن یوسف کے رفقار پر اپنا عتاب نازل کیا۔ ولید کے عہد میں حجاج سلیمان کے خلیفہ بننے یعنی ولید کا جانشین بنائے جانے کی سخت مخالفت کیا کرتا تھا۔ خلیفہ بننے کے بعد سلیمان نے مدینہ کے حاکم عثمان ابن ابی

کو معزول کر دیا۔ جو حجاج کا دوست تھا۔ قتیبہ ابن مسلم حاکم خراسان نے جس نے ولید کے عہد میں ترکستان کو سر کر کے وہاں کے ترک بادشاہوں اور قا آنوں کو دربارِ خلافت کا باجگزار بنایا تھا۔ معزول ہونے کے خوف سے سلیمان کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے کی کوشش کی۔ لیکن اس کے سپاہیوں نے اس کا ساتھ نہ دیا۔ بلکہ اُسے قتل کر دیا۔ تاکہ خلیفہ وقت کی نگاہ میں اپنی وفاداری ثابت کر دکھائیں۔ قتیبہ کی مخالفت کرنے والے قبیلہ بنو تمیم کے لوگ تھے۔ سلیمان نے حجاج کے دشمن یزید ابن المہلّب ابن ابی سفرہ کو عراق کا حاکم بنا دیا تاکہ وہ حجاج کے دوستوں اور ماموروں کو ذلیل کرے۔ یزید ابن المہلّب قتیبہ سے پہلے خراسان کا حاکم تھا۔ اور حجاج سے اس کی اَن بن ہو گئی تھی۔ حجاج نے اُسے قید خانے میں ڈال دیا تھا۔ اور جب وہ وہاں سے رہا ہوا تو شہزادہ سلیمان سے جا ملا۔ یزید ابن مہلب خراسان میں بھی اور سلیمان کے عہد میں عراق میں بھی برملا ناکام ثابت ہوا۔ اور نظم و نسق کو اس فولادی ہاتھ سے نہ سنبھال سکا۔ جس سے حجاج سنبھالا کرتا تھا۔ اس خلیفہ نے فاتح سندھ محمد ابن قاسم کو بھی سندھ کی گورنری سے معزول کر کے قتل کرا دیا اور فاتح اندلس موسیٰ ابن نصیر کو بھی معزول کر دیا۔ جس نے اپنی زندگی کے بقیہ ایام فقر و فاقہ میں گزارے۔

قسطنطنیہ کا محاصرہ

۹۷ھ ۔ ۷۱۵ء

سلیمان ابن عبدالمالک نے خلیفہ بننے کے بعد قسطنطنیہ کی طرف یلغار کی اور اس شہر کا محاصرہ کر لیا۔ لیکن اسے سر کرنے میں کامیاب نہ ہوا۔ واپسی پر اس نے شام کے شہر رملہ میں قیام کیا اور دابق میں نئی چھاؤنی بنائی۔ تاکہ رومیوں کے حملوں کے مقابلے میں سرحدات شام کی خاطر خواہ مدافعت کی جا سکے۔ اور اگر مملکت روم پر لشکر کشی کی ضرورت پیش آئے تو مہم دمشق کے بجائے دابق سے تیار کی جا سکے۔ سلیمان ابن عبدالمالک ۹۹ھ مطابق ۷۱۵ء میں فوت ہوگیا اور اس کی جگہ مسند پر عمر ابن عبدالعزیز متمکن ہوا۔

بنو اُمیّہ کا ساتواں خلیفہ

عمر ابن عبدالعزیز

۹۹ سنہ ھ سے ۱۰۲ سنہ ھ تک
۷۱۷ سنہ ع سے ۷۲۰ سنہ ع

حضرت عمر فاروقؓ کا سچا پیرو

سلیمان ابن عبدالمالک اپنے بیٹے ایّوب کو اپنا جانشین بنانا چاہتا تھا لیکن ایّوب اس کی زندگی میں ہی فوت ہوگیا۔ اپنے باپ کی وصیّت کے مطابق اسے اپنے بھائی کو جانشین بنانا چاہیے تھا۔ لیکن سلیمان نے اپنے عہد کے ایک مشہور عالم دین ابن ہیدہ کی تلقین سے عمر ابن عبدالعزیز کو اپنا جانشین نامزد کردیا۔ عمر ابن عبدالعزیز بنو اُمیّہ کے چوتھے خلیفہ مروان ابن الحکم کا پوتا تھا اس کی ماں حضرت عمرؓ

بن الخطاب کی اولاد میں سے تھی اس نسبت پر عمر ابن عبدالعزیز بہت فخر کیا کرتا تھا اور حضرت عمر فاروق رضؓ کے اندازِ حکمرانی اور اُنکی سیرت سے اِس حد تک متاثر تھا کہ اِس نے اِن کے نقشِ قدم پر چلنے کی پوری کوشش کر دکھائی اِس لحاظ سے عمر ابن عبدالعزیز خلفائے بنو اُمیہ میں امتیازی شان کا مالک ہے۔ کیونکہ اُس نے اپنے عہدِ خلافت میں دین کو دُنیا پر مقدم رکھنے کی کوشش کی۔ اور اپنے دامن کو اِس دُنیوی شاہنشہیت کے اطوار کی آلودگی سے بچایا جس میں خاندانِ بنو اُمیہ کے دُوسرے تمام خلیفے پوری طرح مبتلا ہوتے رہے۔ عمر ابن عبدالعزیز نے اپنا لڑکپن مدینہ کے اہلِ علم و فضل کی صحبت میں گذارا تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام رضؓ کے تابعین میں سے تھے۔ ان کی صحبت میں اُس نے صحیح دینی تربیت حاصل کی اور ان کے فیضانِ صحبت سے صحیح اسلامی سیرت پائی۔ ولید ابن عبدالمالک کے عہد میں عمر ابن عبدالعزیز حجاز کا گورنر مقرر ہوا۔ اور اِس نے دس محدثین کی ایک مجلس مقرر کی تاکہ وہ مجلس اِس کی نگرانی کرتی رہے اور دیکھے کہ اِس کے اعمال کہیں سنّتِ رسول اللہ کے منافی تو نہیں۔ عمر ابن عبدالعزیز نے حجاز کی گورنری کے زمانے میں عراق کے اِن مہاجرین کو اپنے ہاں پناہ دی جو حجاج ابن یوسف کے ظلم و جور سے تنگ آکر وہاں سے نکل بھاگے تھے۔ حجاج کو عمر کی یہ حرکت بہت ناگوار گذری اُس نے خلیفہ ولید سے کہہ کر عمر کو گورنری سے

برطرف کرا دیا۔

داخلی نظم و نسق کی اصلاح

عمر ابن العزیز نے ایشیائے کوچک (رُومی مملکت) پر یلغاریں بھیجنے کی مہمیں بند کر دیں جن کے لئے سلیمان نے دابق کے سرحدی مقام پر بھاری چھاؤنی بنا رکھی تھی۔ اور اپنی توجہات مملکت کی داخلی اصلاحات پر مرتکز کر دیں۔ عمر ابن عبدالعزیز نے شیعانِ علی رضؓ کی تالیفِ قلب کرنے کے لئے مدینہ کا باغِ فدک حضرت علی رضؓ کی اولاد کو بخش دیا جو حضرت صدیق اکبر رضؓ کے عہد سے خلافت کی سرکاری ملکیت چلا آرہا تھا۔ لیکن جسے شیعہ فرقہ کے لوگ حضرت فاطمۃ الزہرا تعالےٰ عنہا اور ان کی اولاد کا حق سمجھتے تھے جو رسول اللہ کے وارث ہونے کے اعتبار سے اُنہیں ملنا چاہیئے تھا۔ امیر معاویہ رضؓ کے وقت سے خُلفائے بنو اُمیہ کا یہ دستور چلا آرہا تھا کہ وہ مساجد کے منابر پر سے خطبہ دیتے وقت حضرت علی رضؓ اور اُن کی اولاد پر تبرّا کہتے تھے یعنی لعنت بھیجتے تھے۔ عمر ابن عبدالعزیز نے اِس مکروہ رسم کو ترک کیا اور فرمان جاری کر دیا کہ ساری مملکت میں کوئی شخص اِس حرکت کا مرتکب نہ ہو۔ اس فرمان کے اجرا کا سبب یوں بیان کیا گیا ہے کہ ایک دفعہ ایک یہودی نے عمر ابن عبدالعزیز کی مجلس میں آکر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کے کلمات کہے۔

جس پر اہلِ مجلس بہت برافروختہ ہوئے۔ یہودی نے جواب دیا کہ اگر میں نے تمہارے رسولؐ کی شان میں نازیبا کلمات کہہ دیئے تو کیا ہوا تم بھی تو اُٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے اسی رسولؐ کے اہلبیت پر لعنت بھیجتے ہو۔ یہ جواب سن کر اموی دربار کے علماء کی گردنیں شرم کے مارے نیچے جھک گئیں۔ اور وہ لاجواب ہو گئے۔ عمر نے فرمان جاری کر دیا کہ آیندہ کوئی شخص اہلِ بیت کی مذمت نہ کرے۔

عمر نے عیسائیوں کے متعلق بھی پہلے خلفاء کی پالیسی میں تبدیلی پیدا کی اور اُن کے ذمی ہونے کی حیثیت میں اُن سے حسنِ سلوک سے پیش آیا۔ غوطہ میں سینٹ تھامس کا گرجا عیسائیوں کو واپس دے دیا اور قبرص۔ ایلہ اور نجران کے عیسائیوں پر سے جزیئے اور خراج کا بوجھ بہت بڑی حد تک ہلکا کر دیا۔

اس خلیفہ نے موالیوں یعنی ایران کے نومسلموں کو مسلمانوں کے برابر حقوق دیئے اور جو موالی خراسان اور ترکستان میں مصروف تھے ان کے ٹیکس معاف کر دیئے۔

زرعی اصلاحات

خلیفہ عمر ابن عبدالعزیز نے زرعی اصلاحات بھی رائج کیں پہلے خلفائے بنو اُمیّہ کے عہد میں مسلمان بھی زمینوں کے مالک بن گئے تھے۔ حالانکہ حضرت عمر فاروق رضؓ نے مسلمانوں کو زمیندار بننے سے سختی سے

روک دیا تھا۔ اس کے علاوہ شام اور ایران کے عیسائی اور زرتشتی زمیندار بھی دین اسلام قبول کر کے مسلمان بنتے چلے گئے اور حکومت سے مطالبہ کرنے لگے کہ مسلمان ہونے کی حیثیت میں انہیں بھی زرعی ٹیکس سے مستثنیٰ قرار دیا جائے۔ یہ مسلمان زمیندار دیہات کو چھوڑ کر شہروں میں آباد ہونے لگے۔ حجاج نے دیہات میں آبپاشی کے نظام کی اصلاح کر کے اس ہجرت الی البلاد کو روکا اور مسلمان زمینداروں پر بھی زرعی ٹیکس عاید کر دیا۔ عمر ابن عبدالعزیز نے حجاج کی اس پالیسی کو بدل کر مسلمانوں کو ٹیکس سے مستثنیٰ قرار دے دیا۔ اور حضرت عمر فاروقؓ کی پیروی کرتے ہوئے اس اصول کو رائج کیا کہ تمام مفتوحہ اراضی ساری مسلمان قوم کی اجتماعی ملکیت ہیں اس لئے ان سے انفرادی طور پر تمتع حاصل کرنا صحیح نہیں۔ اس اصول کے رو سے نو مسلم زمینداروں کا انفرادی ملکیت کا حق بھی منسوخ ہونے لگا۔ اگر وہ کاشتکاری کرنا چاہتے تھے تو انہیں ٹیکس کے بجائے حکومت کو لگان دینا پڑتا تھا کیونکہ اراضیات قومی ملکیت بن چکی تھیں۔ عمر ابن عبدالعزیز ان زرعی اصلاحات کو پوری طرح رائج اور نافذ کر پایا تھا کہ وہ فروری ۷۲۰ء کو فوت ہو گیا اس کی وفات کے بعد پھر وہی حجاج والا زرعی نظام عود کر آیا۔

فرانس میں داخلہ

عمر ابن عبدالعزیز نے بیرونی مہمیں بند کر دی تھیں لیکن اُن کے عہد

میں مملکتِ خلافت کی دور افتادہ سرزمین اندلس (ہسپانیہ) کے مسلمان کوہستان پرینز کو عبور کرکے جنوبی فرانس میں داخل ہوگئے۔ اور انھوں نے ناربون کے مقام پر اپنی ایک مستقل چھاؤنی قائم کرلی۔ کوہستان پرینز کو عبور کرنے والے سالار الحرابن عبدالرحمٰن الثقفی اور السمحؔ ابن مالک الخولانی تھے۔ السمح کو سنہ ۱۰۲ھ میں طلوس کے مقام پر ایک جرمن شہزادہ کے ہاتھوں زک اٹھانی پڑی۔ السمح اسی جنگ میں شہید ہوگیا۔

عمر ابن عبدالعزیز کی سیرت

عمر ابنِ عبدالعزیز نے نہ صرف امورِ مملکت اور طرزِ حکمرانی میں حضرت عمر فاروق رضؓ کی پیروی کی بلکہ ہر معاملے میں عمر ثانی بننے کی کوشش کرتے رہے۔ عمر ابن عبدالعزیز بھی حضرت فاروق اعظمؓ کی طرح نہایت سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ اور صرف اسی تنخواہ پر اپنا اور اپنے بال بچوں کا گذارہ کرتے تھے جو انہیں حق الخدمت کے طور پر بیت المال سے ملتی تھی۔ روایت ہے کہ ایک دفعہ اُن کی بیوی نے کہا کہ عید الفطر آنے والی ہے۔ لہٰذا بچوں کو نئے کپڑے چاہیئں۔ عمر نے کہا کہ میرے پاس پیسے نہیں جو انہیں نئے کپڑے سلوا دوں۔ بیوی نے کہا کہ آپ اپنی تنخواہ پیشگی لے لیں اور عید کے لئے کپڑوں کا اہتمام کرلیں۔ اگلے دن عمر نے بیوی سے کہا کہ میں نے بیت المال کے امین سے پیشگی تنخواہ مانگی تھی۔ لیکن اُس نے جواب دیا کہ اگر امیرالمومنین اس

بات کی ضمانت دے سکتے ہیں کہ وہ مہینہ بھر زندہ رہیں گے اور خلافت کی خدمات بجا لاتے رہیں گے تو شوق سے پیشگی تنخواہ لے لیں۔ میں امین بیت المال کی اس دلیل کا کیا جواب دے سکتا ہوں؟ کام لو اور بچوں کو پرانے کپڑے ہی دھو کر عید پر پہنا دینا۔

اس واقعہ سے عمر ابن عبدالعزیز کے رجحان طبع کا حال معلوم کیا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے اہل بیت پر تبرا کی رسم بند کرنے، عیسائیوں کے ساتھ حسن سلوک پیش آنے ایرانی نومسلموں کو سب مسلمانوں کے برابر حقوق دینے اور روح اسلام کے مطابق زرعی اصلاحات رائج کرنے کی صورت میں جو اقدامات کئے وہ ظاہر کرتے ہیں کہ وہ حکمرانی کے صحیح اسلامی اصولوں کو نافذ کرنا چاہتے تھے تو بزی کے زمانے میں محدثین کی مجلس نگران قائم کرنا بھی ان کا بہت قابل قدر اقدام ہے جس سے مسلمان حکمرانوں کو سبق حاصل کرنا چاہیئے جبکہ عمر فاروق جیسا بننا بہت مشکل ہے لیکن مسلمان حکمرانوں کو عمر ابن عبدالعزیز بننے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

عمر ابن عبدالعزیز نے سنہ ۱۰۲ھ مطابق سنہ ۷۲۰ء میں وفات پائی۔

بنو اُمیہ کا آٹھواں خلیفہ

یزید ثانی ابن عبدالملک

سنہ ۱۰۲ھ سے سنہ ۱۰۶ھ
سنہ ۷۲۰ء سے سنہ ۷۲۴ء تک

عراق میں بغاوت

عمر ابن العزیز کے بعد عبد الملک کا تیسرا بیٹا یزید ثانی خلیفہ بنا۔ اس کے عہد کے پہلے ہی سال عراق کے مسلمانوں نے سلطانِ جابر کے خلاف خروج کیا۔ قصہ یہ تھا کہ خراسان کا حاکم یزید ابنِ مہلب مالِ غنیمت کا خمس (یا پانچواں حصہ) بیت المال میں جمع کرانے کے باعث خلیفہ عمر ابن عبدالعزیز کا معتوب ہو گیا تھا۔ عمر نے اُسے قید کر کے حلب کے زندان میں ڈال دیا۔ چونکہ عمر کے جانشین یزید ثانی کی

بیوی حاکم خراسان کے دشمن حجاج ابن یوسف کی بھتیجی تھی۔ اس لئے یزید ابن مہلب حلب کے زندان سے نکل بھاگا اور اس نے بصرہ پہنچ کر اپنے قبیلہ ازد اور جنوبی عرب کے دیگر قبائل کو جو وہاں آباد تھے اس بات پر آمادہ کر لیا کہ سب مل کر دین کے دشمنوں یعنی امویوں (بنو امیہ کے حکمرانوں) کے خلاف جہاد کریں۔ یزید ابن مہلب نے ان قبائل کی مدد سے بنو امیہ کے اقتدار کے خلاف جہاد کا علم بلند کر دیا۔ اصطخر اور کرمان کے لوگ بھی اس کے حامی اور مددگار بن گئے۔ خلیفہ یزید ثانی نے پہلے ابن مہلب کے ساتھ صلح کرنے کی کوشش کی جب اس میں کامیابی نہ ہوئی تو اپنے بھائی مسلمہ ابن عبدالملک کو لشکر دے کر عراق کی طرف بھیجا۔ ۲۵ اگست ۷۲۰ء کو کوفہ اور واسط کے درمیان "العقر" کے مقام پر مسلم اور ابن مہلب کے درمیان جنگ ہوئی۔ مجاہدین نے شکست کھائی۔ ابن مہلب مارا گیا۔ فاتحین نے اس کے سارے خاندان کو مرتد اور واجب القتل قرار دیا۔ تمام مردوں کو موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ عورتوں اور بچوں کو لونڈی غلام بنا کر فروخت کر دیا گیا۔ عرب مسلمانوں کے باہمی جنگ و جدال کے سلسلے میں جو حضرت علی رضؓ کے عہد میں شروع ہوا تھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ ایک فریق نے دوسرے فریق کے ساتھ متحارب کافروں یا مشرکوں کا سا سلوک کیا ہو۔

یزید ثانی کے دُوسرے کارنامے

یزید ثانی نے مکّہ اور مدینہ کے نظم و نسق کو یکجا کر کے ایک حاکم کے زیر انتظام کر دیا۔ مصر کے دیوان (مردم شماری کے رجسٹر) پر نظر ثانی کرائی۔ عمر ابن عبدالعزیز کی نافذ کردہ زرعی اصلاحات کو منسوخ کر کے زمین کی انفرادی ملکیت کو از سر نو بحال کیا اور مالکانِ اراضی پر بلا تخصیص مُسلم و غیر مُسلم ٹیکس لگایا۔ یزید نے عیسائیوں کے ساتھ حُسنِ سلوک سے پیش آنے کی وہ پالیسی بھی ترک کر دی جو عمر نے اختیار کی تھی۔ یزید ثانی بھی یزید اوّل کی طرح عیش و عشرت کا دلدادہ تھا۔ شکار اور موسیقی کا بہت شوقین تھا۔ اُسے مغنیہ اور رقاصہ عورتوں سے بہت دلچسپی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ ایک منظورِ نظر مغنیہ کی وفات کا صدمہ ہی اُس کی موت کا موجب بنا اور یزید ثانی جنوری ۷۲۴ء مطابق ۱۰۶ھ میں فوت ہو گیا۔ اُس کی جگہ اس کا بھائی ہشام ابنِ عبدالمالک خلیفہ بنا۔

بنو امیّہ کا نواں خلیفہ

ہشام ابن عبد الملک

سنہ ۱۰۶ھ سے سنہ ۱۲۵ھ
سنہ ۷۲۴ء تا سنہ ۷۴۳ء

یزید ثانی کے بعد عبد الملک کا چوتھا بیٹا ہشام مسند آرائے خلافت ہوا۔ جس نے سنہ ۱۰۶ھ سے لے کر سنہ ۱۲۵ ہجری تک اُنیس سال حکومت کی۔ ہشام نے اپنی بود و باش کے لئے دریائے فرات کے کنارے رصافہ کے ایک قصبہ میں محلات بنوائے۔ ہشام زیادہ تر اسی جگہ رہتا تھا۔ رصافہ اس وجہ سے اچھا خاصا شہر بن گیا اس خلیفہ کے عہد کے موٹے موٹے واقعات حسب ذیل ہیں :-

عراق کے حاکم کا عزل

خالد بن عبد اللہ القصری عراق کا بیدار مغز اور منتظم حاکم تھا جس نے

عراق میں آبپاشی کے سسٹم کی بہت کچھ اصلاح کی اور واسط کے قریب دلدل پاٹ کر بہت سی نئی زمین زراعت کاری کے لئے نکالی - خالد پندرہ سال عراق کا حاکم رہا لیکن وہ غلے کی سٹہ بازی کرنے لگا - لوگوں نے خلیفہ سے شکایت کر کے اُسے معزول کرا دیا -

زید ابن علیؓ کا خروج

خلفائے بنو اُمیہ اگرچہ جبر و تشدد کے بل پر ساری مملکتِ اسلامی کے حکمران بن گئے تھے - لیکن عامۃ الناس کا ایک معتدبہ طبقہ اُن کے اقتدار سے بیزار رہتا تھا - شیعہ فرقہ کے لوگ اپنے مذہبی عقیدہ کی بنا پر اِن سے نفرت کرتے تھے - خارجی پہلے ہی سے مخالف تھے - اہلِ سنت میں سے علمائے حقانی کے گروہ نے کبھی اُن کی خلافت پر جواز کی مُہر ثبت نہ کی - مدینہ کے علمی اور دینی حلقے جو کتاب و سنّت کے حامل تھے - اُنہیں جائر و جابر سلاطین قرار دیتے تھے - اور عامۃ الناس دِل سے خواہاں تھے کہ کہیں ان کے دُنیوی اقتدار کا خاتمہ ہو اور مملکتِ اسلامی میں صحیح خلافتِ اسلامی کے نمونے کی حکومت قائم ہو جائے - ہشام کے خلیفہ بننے پر زید ابن علیؓ نے عوام کے اِس رُجحان کو بھانپ کر لوگوں سے بیعت لینا شروع کر دیا - اِس کا اعلان تھا کہ :-

(۱) میں کتاب و سنّت کے مطابق خلافت کے صحیح فرائض بجا لاؤنگا -

(۲) فاسق و فاجر حکمرانوں سے جنگ کروں گا۔
(۳) ضعیفوں اور ناتوانوں کی دست گیری کروں گا۔
(۴) وظائف بحال کر دوں گا۔ اور بیت المال کو مسلمانوں پر مساوی طور پر بانٹوں گا۔
(۵) ان مجاہدین کو جو سالہا سال سے سرحدات پر پڑے ہیں واپس بلاؤں گا۔"

لیکن عراق کے حاکم یوسف ابن عمر الثقفی نے یہ تحریک آسانی سے دبادی۔ کوفہ کے گلی کوچوں میں لڑائی ہوئی۔ اور تحریک دب گئی۔ بنوامیہ کے اقتدار کا تختہ الٹنے کے لئے شیعوں کی یہ پہلی کوشش تھی۔ جو ناکام رہ گئی تاہم تحریک اندر ہی اندر جاری رہی اور دن بہ دن زور پکڑتی چلی گئی۔

اندلس کی مہم

سنہ ۱۱۱ھ سے سنہ ۱۱۴ھ
سنہ ۷۲۸ء سے سنہ ۷۳۲ء تک

ہشام کے عہد میں اندلس (ہسپانیہ) میں عربوں اور بربریوں کے درمیان بدمزگی ترقی کرنے لگی اور ان کے باہمی اختلافات کے

باعث فتوحات کی رفتار سست ہوگئی۔ منازہ نامی ایک بربری سردار نے اندلس کی شمالی سرحد پر ایک خود مختار ریاست قائم کرکے بورڈو کے ڈیوک سے اتحاد کرلیا۔ خلیفہ ہشام نے ان حالات کی اطلاع پاکر عبدالرحمٰن ابن عبداللہ الغافقی کو اندلسیہ کا حاکم بنا کر بھیجا۔ عبدالرحمٰن نے ایک جنگ میں بربری منازہ کو شکست دی۔ اور بورڈو کے ڈیوک پر گیرون اور ڈارڈون تک یلغار کرکے اس کا اور اس کے حلیف ہسپانوی ڈیوک کا قلع قمع کردیا۔ عبدالرحمٰن کی فوجوں نے ان دونوں کا تعاقب لوائر کے مقام تک کیا۔ اتنے میں آسٹریا کا سپہ سالار چارلس مارٹل فرانس سے لشکر جرار لے کر ہسپانیہ کے عیسائیوں کی مدد کے لئے آپہنچا۔ طورس اور پائیٹیرس کے قریب اکتوبر سنہ ۷۳۲ء مطابق سنہ ۱۱۴ھ میں عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان جنگ ہوئی، جس میں عبدالرحمٰن الغافقی شہید ہوگیا۔ سالار کے مارے جانے پر عربوں اور بربریوں کے درمیان جھگڑا پیدا ہوا اور اسلامی لشکر راتوں رات میدان سے پسپا ہوگیا۔ اس کے بعد اندلس کے مسلمانوں نے فرانس میں پیش قدمی کرنے کی طرف توجہ مبذول نہ کی۔

بربریوں کی بغاوت

سنہ ۱۲۰ھ سے سنہ ۱۲۴ھ۔ سنہ ۷۳۸ء سے سنہ ۷۴۲ء تک

بربری لوگ یعنی شمالی افریقہ کے اصلی باشندے پکے مسلمان بن

چکے تھے۔ اور اسلام کے بڑے بہادر مجاہد تھے۔ لیکن بنو امیہ اور قریش کی استکباری قومی روش انہیں اپنے سے ادنٰی لوگ قرار دیتی تھی۔ اس لئے خارجیوں نے انہیں بنو امیہ اور عربوں کے اقتدار کے خلاف اکسایا اور انہوں نے مراقش سے قیروان تک علم بغاوت بلند کر دیا۔ مقامی امیرانہ لیسبہ کے ایک سالار عقبہ سے مدد لینے کے باوجود بربریوں کی اس بغاوت کو فرو نہ کر سکے۔ خلیفہ ہشام نے ۱۲۳ھ مطابق ۷۴۱ء میں کلثوم ابن عیاض کے زیر کمان ایک شامی لشکر بھیجا اور نواسے مقام پر عربوں اور بربریوں کے درمیان شدید معرکہ آرائی ہوئی خلیفہ کی فوج نے شکست کھائی۔ کلثوم مارا گیا۔ اس کا بھتیجا بلج ابن بشر بڑی مشکل سے ایک تہائی لشکر کو بچا کر اندلس پہنچ سکا۔ اگلے سال عربوں کے ایک دوسرے لشکر نے جو شام سے آیا تھا بڑی مشکل سے قیروان کا قبضہ حاصل کیا۔

ایشیائے کوچک پر یلغاریں

خلیفہ ہشام کے عہد میں ایشیائے کوچک کی سرزمین پر رومیوں سے متواتر لڑائیاں جاری رہیں۔ خلافت کا لشکر ہر سال گرمی کے موسم میں ایشیائے کوچک کی مہم اختیار کرتا تھا۔ اور رومیوں کو مبتلائے پیکار کر کے سردی کے موسم میں واپس آجاتا تھا۔

زوال کے آثار

ہشام بڑا لالچی خلیفہ تھا۔ اس نے جزیرہ قبرص کے لوگوں کا خراج بڑھا دیا۔ اسکندریہ کا خراج دُگنا کردیا۔ اپنے حاکموں سے استحصال در کرتا رہا۔ اس خلیفہ کے عہد میں عربوں کے تشدد اور استکبار سے تنگ آکر بربریوں نے بغاوت کردی۔ خراسان کے ترک اور ایرانی بددل ہونے لگے۔ جن میں خاندانِ رسالت کے حامیوں کو اپنی انقلابی سرگرمیوں کا مرکز بنانے کے لئے نہایت موزوں زمین مل گئی۔ ہشام نے ۱۷ فروری ۷۴۳ء کو وفات پائی۔ اس کی موت کے وقت سلطنت کا حال خراب ہوچکا تھا اور نظم ونسق کی طنابیں ڈھیلی پڑ گئی تھیں۔

حضرت حسن بصریؒ کی وفات

سنہ ۱۱۲ھ ۷۲۸ء

مشہور ومعروف مقتدائے تصوف حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے اسی خلیفہ کے عہد میں وفات پائی۔ آپ نے اوائل عمر میں حضرت علیؓ سے فیضان حاصل کیا اور امام حسنؓ کی صحبت سے شرفیاب ہوئے۔ ان کی ساری زندگی خلفائے بنو اُمیہ کے دورِ تاریک میں دین کی شمع روشن رکھنے کی جدوجہد میں گزری۔ آپ کے رُوحانی فیضان کا سلسلہ بہت وسیع تھا۔ بہت سے مشائخ تصوف اس عہد میں آپ کی صحبت سے فیض یاب ہوئے۔

بنو امیہ کا دسواں اور گیارہواں خلیفہ

ولید ثانی ابنِ یزید ثانی

اور

یزید ثالث ابنِ ولید اوّل

۱۲۵ھ سے ۱۲۶ھ
۷۴۳ء سے ۷۴۴ء تک

ہشام کی وفات پر عبدالملک کے ایک پوتے اور یزید ثانی کے بیٹے ولید ثانی کو خلیفہ بنا لیا گیا۔ یہ خلیفہ اپنے باپ کی طرح عیش و عشرت کا دلدادہ تھا اور بڑا شوقین مزاج شخص تھا اِس نے اپنی جوانی کے سال فلسطین کے ایک قصر میں بڑی لاابالی سے گذارے تھے۔ اور خلیفہ بن کر بھی وہ اپنے ایک صحرائی محل میں دادِ عیش دیتا رہا۔ اِس ولید کا ہم نوالہ اور ہم پیالہ القاسم ابن طفیل نامی ایک شاعر تھا جس کے اشعار

حیرہ کے آخری لخمی بادشاہ (حضرت عمرؓ کا ہم عصر) کے درباری شاعر عدی ابنِ زیاد کے تتبع میں   مئے دوسالہ، معشوق چاردہ سالہ کے مضامین سے پُر ہوا کرتے تھے۔ ولید نے خلافت کا خزانہ جلد ہی عیش و عشرت میں اُڑا دیا اور لوگوں کو استحصالِ زر کے لئے تنگ کرنے لگا۔ لوگوں نے اس کے جبر سے تنگ آ کر دمشق میں عبدالملک کے ایک اور پوتے یزید کو جو ولید اوّل کا بیٹا تھا۔ خلافت کی مسند پر بٹھا دیا۔ نئے خلیفہ نے ولید ثانی کا قلع قمع کرنے کے لئے لشکر بھیجا۔ ولید بڑی بہادری سے لڑا حالانکہ ایک عیاش طبع آدمی سے ایسی توقع نہ تھی۔ لیکن شکست کھا کر بخرِہ کے قلعے کی طرف پسپا ہو گیا۔ خلیفہ کے لشکر نے اس کا تعاقب کیا اور قلعہ کے اندر پہنچ کر اُسے ایسے حال میں قتل کر دیا جبکہ وہ قرآن شریف پڑھ رہا تھا۔ یہ واقعہ ۱۷ اپریل ۷۴۴ء کو ظہور پذیر ہوا۔ یزید ثالث بھی اسی سال کے اندر اندر مر گیا۔

بنو امیّہ کا بارھواں خلیفہ

ابراہیم ابنِ ولید اوّل

۱۷ ھ ۷۴۴ء

یزید ثالث کی وفات پر دمشق کے اعیان و عمائد خلافت نے ابراہیم ابن ولید اوّل کو خلیفہ بنا لیا۔ لیکن اس کے خلاف مروان ابن محمد ابن مروان ابن الحکم نے خروج کیا۔ یہ مروان بڑا آزمودہ کار سپہ سالار تھا۔ اس کا باپ محمد الجزیرہ اور آرمینستان کا حاکم رہ چکا تھا جو اپنے عہد میں رومیوں سے برسرِ پیکار رہا۔ اس مروانِ ثانی نے اپنے باپ ہی کے زیرِ نگرانی جنگی تربیت حاصل کی اور بارہ سال قفقاز میں عیسائیوں سے لڑتا رہا۔ اُس نے فوج کی از سرِ نو تنظیم کی۔ قبائلی لشکروں کے بجائے دستے بنائے۔ سپاہیوں اور افسروں کی باقاعدہ تنخواہیں مقرر کر دیں۔ اس سے پہلے خلافت کے لشکری حاصل شدہ خراج کو آپس میں بانٹ لیتے تھے۔ مروان ثانی نے

نے جنگ کے پرانے طریقوں میں بھی تبدیلیاں پیدا کیں۔ پہلے متحارب لشکر پھیل کر ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہوتے تھے اور اول مبارزت کی لڑائیاں لڑی جاتیں۔ پھر عام ہلہ بول دیا جاتا تھا۔ مروان نے لشکر کو ایسے دستوں میں منقسم کر دیا جو سرعت کے ساتھ نقل و حرکت کر کے چھاپے مار سکتے تھے۔ اس مروان نے لبنان میں ابراہیم ابن ولید کے لشکر کو شکست دی۔ اس نے ولید ثانی کے وارثوں کو مسندِ خلافت دلانے کے لئے خروج کیا تھا۔ لیکن ابراہیم کا سپہ سالار لبنان میں شکست کھا کر دمشق کی طرف پسپا ہوا تو اس نے ولید ثانی کے دو بیٹوں کو جو اس کی رکاب میں تھے قتل کرا دیا اور خود دمشق کا خزانہ سمیٹ کر بھاگ گیا۔

بنو امیہ کا تیرھواں خلیفہ

مروانِ ثانی ابنِ محمد ابنِ مروانِ اول

سنہ ۱۲۷ھ سے سنہ ۱۳۲ھ تک

سنہ ۷۴۵ء سے سنہ ۷۵۰ء

اب مروانِ ثانی نے دمشق پہنچ کر لوگوں سے اپنی خلافت پر بیعت لی اور حران جا بیٹھا تاکہ بنو قیس کی امداد حاصل کر سکے جو ان اطراف میں آباد تھے۔ مروان کا عہد بغاوتوں، شورشوں، جنگوں اور انقلابوں کی ایک مسلسل داستان ہے۔ جو آخر کار مروان کے قتل اور خاندانِ بنو امیہ کے اقتدار کے خاتمہ پر منتج ہوئی، اس کے عہد میں بنو امیہ کی سطوت و جبروت کا سنگھاسن ڈول چکا تھا۔ اس لئے ہر طرف شورشیں اور بغاوتیں رونما ہونے لگیں۔ ان سب کا مختصر حال ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

بنو کلب کی شورش

جب بنو کلب نے جو معاویہ اوّل کے وقت سے خاندان بنو اُمیّہ کی طاقت سے رُوحِ رواں چلے آرہے تھے دیکھا کہ مروانِ ثانی اُن کے حریفوں یعنی بنو قیس کی حمایت پر تکیہ کر رہا ہے تو اُنہوں نے ملک شام میں مروان کے خلاف شورش برپا کر دی۔ مروان نے بنو قیس کی مدد سے یہ شورش دبا دی۔ شام کے بنو کلب نے رصّافہ میں سلیمان کو خلیفہ بنا لیا تھا جس نے قنسّرین پر قبضہ کر لیا۔ مروان نے سلیمان کو شکست دی جو پہلے حمص کو بھاگا۔ مروان نے حمص کا محاصرہ کر لیا جو کئی مہینے جاری رہا۔ فتح حاصل کرنے کے بعد اُس نے حمص کی فصیل گرا دی اور کئی قلعے مسمار کرا دیئے۔ سلیمان حمص سے نکل کر کوفہ کی طرف بھاگ گیا۔ مروان نے شام کے دُوسرے شہروں مثلاً بعلبک۔ دمشق۔ القدس وغیرہ کے قلعے بھی مسمار کرا دیئے تاکہ اُنہیں اُس کے مخالفین (بنو کلب) استعمال نہ کر سکیں۔

شیعوں کا خروج

شیعوں نے مروان کو شام کے اندر بنو کلب کی شورش دبانے میں مصروف پاکر کُوفہ میں عبد اللہ ابن معاویہ ثانی کو جو امام جعفر صادقؓ کا مرید بن چکا تھا۔ خلیفہ بنانے کا اعلان کر دیا۔ زید ابن علیؓ کے پیرو

بھی شیعوں سے مل گئے۔ عبداللہ نے کوفہ کے قلعے پر قبضہ جما لیا۔ عراق کے اموی حاکم عبداللہ ابنِ عمر ابن عبدالعزیز نے عبداللہ ابن معاویہ کو شکست دی۔ لیکن اُسے ایران کی طرف جانے سے نہ روکا۔ عبداللہ ابن معاویہ نے اصفہان و اِصطخر کو اپنا مستقر بنایا اور شیعہ فرقہ کے لوگ اس کے اردگرد جمع ہونے لگے۔ ان میں زیادہ تعداد ایرانیوں کی تھی۔ عبداللہ نے خوزستان، فارس اور کرمان کی ولایتوں پر اپنا اثر و اقتدار قائم کر لیا۔ خلیفہ مروان نے عامر ابن ضبارہ کے زیرکمان ایک لشکر عراق کی طرف بھیجا۔ جس نے وہاں کے خارجیوں کو جو باغی ہو گئے تھے شکست دی یہ خارجی دریائے دجلہ کو عبور کر کے شیعہ خلیفہ عبداللہ ابن معاویہ کے پاس پناہ گیر ہوئے۔ پھر عامر نے عبداللہ پر بھی چڑھائی کر دی۔ اور اُس کے لشکر کو مرو الشاہجان کے مقام پر شکست دی۔ شیعہ خلیفہ عبداللہ شکست کھا کر خراسان کی طرف بھاگ گیا۔ وہاں اور ہی قصہ چل رہا تھا خراسان میں بنوعباس کے ایجنٹ بنوعباس کے لئے زمین تیار کر رہے تھے۔ بنوعباس کے ایلچی ابومسلم خراسانی نے عبداللہ ابنِ معاویہ کو ان کا مخالف وہ حریف سمجھ کر قتل کرا دیا۔

عبداللہ ابنِ عمر کی سرکشی

عراق کے اموی حاکم عبداللہ ابن عمر بن عبدالعزیز نے شیعہ خلیفہ عبداللہ ابنِ معاویہ کو کوفہ سے نکال دیا تھا لیکن اُس نے مروان

کو خلیفہ تسلیم کرنے سے بھی انکار کر دیا۔ اس پر مروان نے نضر ابن سعید الہراشی کو عراق کا حاکم مقرر کیا۔ اور لشکر دے کر عبداللہ ابن عمر کی سرکوبی کے لئے کوفہ کی طرف بھیجا۔ عبداللہ اور نضر تین مہینے کوفہ کی دیواروں کے نیچے آپس میں لڑتے رہے۔ لیکن جب خارجیوں نے ان دونوں پر حملہ کر دیا تو دونوں متحد ہو گئے۔ اور دونوں نے مل کر خارجیوں کا مقابلہ کیا۔ خارجی غالب رہے تو عبداللہ ابن عمر ابن عبدالعزیز نے خارجیوں سے صلح کر لی اور بدستور سابق کوفہ کا حاکم بنا رہا۔ لیکن مروان کے ساتھیوں سے جب اس نے شکست کھائی تو مروان نے عبداللہ ابن عمر کو حرّان کے زندان میں ڈال دیا۔ جہاں وہ ۱۳۲ھ میں طاعون کی وبا میں مبتلا ہو کر مر گیا۔

خارجیوں کی شورش

بدامنی اور طوائف الملوکی کے اس دور میں خارجیوں نے الجزیرہ کے شمالی حصہ میں ربیعہ قبیلہ کے لوگوں کو مروان کے خلاف آمادہ بغاوت کر لیا۔ اور ضحاک ابن قیس الشیبانی کو خلیفہ بنانے کا اعلان کر دیا۔ خارجیوں نے دو اموی حاکموں عبداللہ بن عمر اور نضر بن سعید الہراشی کو آپس میں لڑتا دیکھ کر دونوں پر حملہ کر دیا۔ لیکن دونوں نے متحد ہو کر خارجیوں کا مقابلہ کیا اور شکست کھائی عبداللہ نے خارجیوں سے صلح کر لی۔ اور کوفہ کا حاکم بنا رہا۔ بیس ماہ کے بعد

سنہ ۷۴۶ء میں خارجیوں نے الجزیرہ پر چڑھائی کی اور موصل سر کر لیا۔ مروان نے اپنے بیٹے کو مقابلے کے لئے بھیجا۔ اُس نے شکست کھائی اور نصیبین میں قلعہ نشین ہو گیا۔ آپ مروان نے جو شام کی بدامنی پر قابو پا چکا تھا خود لشکر لے کر چڑھائی کی اور خارجیوں کو شکست فاش دی۔ خارجیوں کا خلیفہ اور اس کا جانشین دونوں مارے گئے۔ مروان کے سالار یزید ابن ہبیرہ نے عراق میں خارجیوں کی سرکوبی کی۔

خراسان میں عبّاسیوں کی تحریک

بنو اُمیّہ کی دُنیوی خلافت کے عہد میں متعدد تحریکیں اُن کے اقتدار کا تختہ اُلٹنے کے لئے کام کر رہی تھیں۔ ایک مذہبی فرقہ شیعوں کا تھا جو معاویہ اوّل کے وقت سے بنو اُمیّہ کے اقتدار کا مخالف چلا آرہا تھا۔ اور یہ عقیدہ رکھتا تھا کہ خلافت کے حقدار اہلِ بیتِ رسُول اللہؐ ہیں۔ ان کے سوا اور کوئی نہیں ان میں کا ایک فرقہ زیدیوں کا تھا جو زید ابنِ علیؓ کے جانشینوں کو اپنا دینی امام و مطاع سمجھ رہا تھا ایک فرقہ حضرت امام حسنؓ کی اولاد کو اور ایک فرقہ حضرت امام حسینؓ کی اولاد کو امام مانتا تھا۔ اہلِ بیت رسول اللہؐ کے ائمہ کرام نے مسلمانوں میں دُنیوی خلافت قائم ہو جانے کے بعد اپنی تمام تر توجہات مسلمانوں کے اندر دینِ حقّہ کی تبلیغ و ترویج پر مرتکز کر دی تھیں۔ شیعوں کے علاوہ اہلِ سنّت کے مقتدر علمائے کرام بھی اس عہد میں بنو اُمیّہ کی خلافت

کو سلاطین جابر کی دنیوی حکومت سمجھتے تھے۔ اس لئے عامۃ الناس میں بنو اُمیّہ کے اقتدار کے خلاف بیزاری ترقی کرتی چلی گئی۔ بنو اُمیّہ کے اقتدار کے رقیبوں میں علویوں اور فاطمیوں کے علاوہ خارجی بھی تھے۔ جو جنگِ صفیّن کے وقت سے بنو اُمیّہ اور اہلبیت دونوں کے خلاف چلے آرہے تھے۔ اور ایک بنو عبّاس رضؓ تھے۔ جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عبّاس رضؓ کی اولاد ہونے کی وجہ سے منصبِ خلافت کو وراثتاً اپنا جائز حق متصوّر کر رہے تھے۔ عبداللہ ابنِ عباس رضؓ حضرت علی رضؓ کے عہد میں عراق کے حاکم تھے۔ اُنہوں نے حضرت علی رضؓ کی وفات پر امیر معاویہ سے صلح کر لی تھی۔ عبداللہ ابنِ عباس رضؓ ایک مستند عالمِ دین بھی تھے جنہوں نے بہت سی صحیح حدیثیں جمع کر کے روایت کیں۔ عبداللہ ابن عبّاس رضؓ کے صلبی جانشین بھی یکے بعد دیگرے حضرت علی رضؓ کی اولاد کی طرح آئمہ دین بنتے رہے۔ عبداللہ ابنِ عبّاس کا بیٹا علی دمشق میں رہتا تھا۔ لیکن ولیدِ اوّل کی وفات پر حامیہ میں جا بسا۔ اُس نے ۳۶ء مطابق ۱۱۸ھ میں وفات پائی۔ علی کا بیٹا محمد شیعوں کا امام بن بیٹھا۔ اُس نے اپنے بیٹے ابراہیم کو مسندِ امامت کا وارث مقرر کر دیا۔ بنو عباس کے ایلچی ہر جگہ بالعموم اور مملکتِ خلافت کے مشرقی اقطاع میں بالخصوص دیر سے کام کر رہے تھے۔ ۴۶ء مطابق ۱۲۸ ہجری میں عبّاسی امام ابراہیم نے ابو مسلم عبدالرحمٰن ابن مسلم نامی ایک ایرانی نژاد شخص کو اپنا ایلچی بنا کر

خراسان بھیجا۔ اِس وقت بنو اُمیّہ کے خلیفہ مروان ثانی کے عہد کی ابتدا تھی اور اس کے اقتدار کے خلاف شام میں بنو کلب نے، عراق میں شیعوں اور خارجیوں نے نیز خود اموی حاکم عبداللہ ابن عمر نے اور مغربی ایران میں خارجیوں نے شورشیں برپا کر رکھی تھیں۔ ابو مُسلم نے خراسان پہنچ کر پہلے قبیلہ خزاعہ کے مستقر میں نماز جمعہ کے اندر عباسی امام ابراہیم کے نام کا خطبہ پڑھنا شروع کیا۔ قبیلہ کے بعض سرداروں نے اِس پر اعتراض کیا۔ تو ابو مسلم مخزان چلا گیا۔ جہاں جنوبی عرب کے بعض قبائل اس کے مرید بن گئے۔ ابو مُسلم نے خراسان کے ایرانی دہقانوں کو بھی مُسلمان بنا کر اپنے حلقۂ ارادت میں شامل کر لیا۔ ابو مُسلم ہندوستان کے ہندوؤں کی طرح تناسخ کا قائل تھا اور اپنے آپ کو خدا کا اوتار ظاہر کرتا تھا۔ ایرانی نو مسلم اس کے بہت زیادہ عقیدت مند ہو گئے۔ اسی طرح ابو مُسلم نے اپنے مریدوں کی بھاری جمعیت تیار کر کے وادئ مرغاب کے مرکز مرو پر قبضہ جما لیا کیونکہ یہاں کے عرب آپس میں پھٹے ہوئے تھے۔ مرو پر قبضہ جا کر ابو مسلم نے نیشاپور کے اموی حاکم نصر ابن سیار کے خلاف جنگ شروع کر دی۔ اموی حاکم پر پہلے قبیلہ طے کے ایک شخص قحطبہ ابن صالح نے حملہ کیا۔ قحطبہ امام ابراہیم کے بارہ خراسانی خلیفوں یعنی نائبوں میں سے ایک تھا۔ امام ابراہیم نے ۷۴۷ء مطابق ۱۲۹ھ میں مکہ معظمہ میں قحطبہ کو اپنا خلیفہ بنا کر سیاہ علم عطا کیا تھا۔ قحطبہ نے خراسان میں طوس کے مقام پر

اموی حاکم نصر کے بیٹے کو شکست دی۔ نصر جرجان کی طرف بھاگ گیا۔
۷۴۸ء مطابق ۱۳۰ھ میں ابومسلم خراسانی نیشاپور میں داخل ہوا
نصر کی درخواست پر عراق کے حاکم یزید ابن ہبیرہ نے جو خارجیوں
کو شکست دے کر عراق کا حاکم بنا تھا کمک بھیجی۔ قحطبہ نے اسے
بھی شکست دی۔ نصر بھاگتا ہوا مارا گیا۔ اس کی فوج اور بقیۃ السیف
شامی فوج جو عراق سے آئی تھی۔ نہاوند کے مقام پر جمع ہوئیں۔ قحطبہ
کے بیٹے حسن نے ان کا محاصرہ کر لیا۔ کرمان کے اموی حاکم عامر المری
کے زیرِ کمان ایک بھاری لشکر محصورین کی امداد کے لئے آگے بڑھا
جسے قحطبہ نے اصفہان تک پیچھا ۱۰ مارچ ۷۴۹ء مطابق ۱۳۱ھ
میں شکست دی نہاوند کی محصور شامی فوج نے یہ خبر سُن کر ہتھیار ڈال
دیئے۔ نصر کی فوج نے ہتھیار ڈالے جس کے ایک ایک آدمی کو
خراسانیوں نے چن چن کر قتل کر دیا۔

قحطبہ یہ فتح حاصل کرنے کے بعد عراق کی طرف بڑھا۔
عراق کا اموی حاکم یزید ابن ہبیرہ دجلہ کو عبور کر کے مقابلے کو آیا۔
لیکن قحطبہ نے کوفہ کی طرف چڑھائی کر دی۔ یزید نے تعاقب کیا۔
۲۷ اگست ۷۴۹ء کو قحطبہ نے پلٹ کر یزید کے کیمپ پر حملہ کیا جو انبار
کے مقام پر تھا۔ یزید واسط کی طرف پسپا ہوا۔ قحطبہ کسی جھڑپ میں مارا
گیا یا دریا کو عبور کرتے ہوئے اس کی موجوں کی نذر ہو گیا۔ اس کے
بیٹے نے فوج کی کمان سنبھالی اور آگے بڑھ کر کوفہ پر قبضہ جما لیا۔

کوفہ میں عباسی خلافت کا اعلان

۱۳۰ھ — ۷۴۸ء

کوفہ میں بنو عباس کے ایجنٹ پہلے ہی سے مصروف کار تھے ابو سلامہ نامی ایک شخص خاندان نبوت کا وزیر ہونے کی حیثیت سے کوفہ میں خفیہ طور پر کام کر رہا تھا۔ حسن بن قحطبہ کی خراسانی فوج کے فاتحانہ داخلے پر ابو سلامہ نے انتظامی امور کی زمام اپنے ہاتھ میں لے لی۔ خلیفہ مروان نے خراسان میں عباسیوں کی کامیاب تحریک کا حال سن کر بنو عباس کے امام ابراہیم کو حامیہ سے گرفتار کر کے حرّان کے زندان میں ڈال دیا تھا۔ لیکن امام مذکور اپنے خاندان کے افراد کو گرفتاری سے پہلے کوفہ بھیج چکا تھا۔ اور ان کو حکم دیا تھا کہ میرے بھائی ابوالعباس کو میرا جانشین سمجھتے ہوئے اس کے کہنے پر چلنا اکتوبر ۷۴۹ء میں خاندان بنو عباس کے چودہ افراد کوفہ پہنچ گئے۔ وزیر ابو سلمہ امام ابراہیم کا ذاتی دوست تھا۔ وہ اس کے سوا دوسرے عباسیوں کو خاطر میں نہ لاتا تھا۔ اس نے حضرت علیؓ کے

خاندان میں سے کسی شخص کو آگے لانے کی کوشش کی لیکن وہ لوگ اپنے میں سے کسی ایسے موزوں شخص کو پیش نہ کرسکے جو خلافت اور امامت کی ذمہ داریوں کا بار سنبھال سکتا۔ آخر ابومسلم خراسانی کے نمائندے نے بنوعباس کے چودہ افراد کو اس بات پر رضامند کرلیا کہ وہ ابوالعباس کے ہاتھ پر بیعت کرلیں اور اُسے خلیفہ بنا لیں۔ ابوالعباس اس وقت بخار میں مبتلا تھا۔ خطبہ دینے کے لئے منبر پر چڑھا تو کچھ نہ کہہ سکا۔ اس کے بجائے اس کے چچا داؤد نے تقریر کی اور قرآن کریم کے حوالے دے کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ بنوعباس کا خاندان حضرت علیؓ کے خاندان کی بہ نسبت مسلمانوں کی امامت اور خلافت کا زیادہ حقدار ہے۔ نیز اُس نے اس بات پر زور دیا کہ خراسانیوں نے اہلِ عراق کو شامی ظالموں کے پنجے سے نجات دلائی ہے اور وہ بنوعباس کے حامی ہیں۔ ابوالعباس پہلے کوفہ میں رہا پھر ابوسلامہ کے پاس خراسانیوں کے کیمپ میں چلا گیا۔ وہاں سے حیرہ گیا۔ ابوسلامہ کو ابومسلم خراسانی کے مریدوں میں سے کسی نے قتل کر دیا۔ اور ابوالعباس کو اس کی خواہ مخواہ کی سرپرستی سے نجات مل گئی۔

مروان سے جنگ، دمشق پر قبضہ اور خلافت بنوامیہ کا خاتمہ

سنہ ۱۳۲ھ مطابق سنہ ۷۵۰ء

دجلہ کی شمالی وادی میں عباسیوں کی طرف سے عون ابن الازدی

یلغار کر رہا تھا۔ سقوطِ کوفہ کے بعد اِس لشکر کی کمان عبداللہ ابن ابوالعباس کے ہاتھ میں دے دی گئی۔ مروانِ ثانی دمشق سے شامیوں کا بھاری لشکر لے کر آیا۔ دریائے زاب کے کنارے فیصلہ کن جنگ ہوئی مروان نے شکست کھائی۔ وہ حرّان اور دمشق ہوتا ہوا ساحلِ مصر کے مقام زلمو کی طرف بھاگ گیا۔ خراسانیوں نے تعاقب کرتے ہوئے شام کی ولایت پر قبضہ جما لیا دمشقیوں نے مقابلہ کیا اور ہار گئے۔ آخری جنگ مصرِ زیریں میں بوصیر کے مقام پر اگست ۷۵۰ء مطابق ۱۳۲ھ میں ہوئی مروان مارا گیا اور اقتدارِ خلافت کی زمام بنو اُمیہ کے ہاتھ سے نکل کر بنو عبّاس کے ہاتھ میں چلی گئی۔ واسط میں مروان کا حاکم یزید ابن ہبیرہ اڑا ہوا تھا۔ مروان کی ہلاکت کی خبر سُن کر اُس نے صلح کی بات چیت کی۔ چالیس دن کی گفت و شنید کے بعد شرطیں طے ہوئیں جن کی تصدیق ابوالعباس نے بھی کر دی۔ لیکن جب یزید نے ہتھیار ڈال دیئے تو ابوالعباس نے امویوں کے سارے سردار قتل کرا دیئے۔

بنو اُمیّہ کے عہد پر ایک نظر

خلفائے بنو اُمیّہ کی حکومت

شیخین رضی اللہ عنہما کا عہدِ دینِ اسلام کی ایسی خالص حکومت کا عہد تھا جو کسی قسم کے غل وغش سے آلودہ نہ تھی۔ اس عہد کے مسلمانوں کے سامنے اپنی آخرت کی بھلائی اور رضائے الٰہی کے حصول کی خاطر دین کی خدمت بجا لانے کے سوا اور کوئی مقصد نہ تھا۔ انہوں نے جو کچھ کیا اللہ کے دین کی سربلندی اور اطاعت کے لئے کیا۔ ان میں ایسے لوگوں کی کافی تعداد موجود تھی جنہوں نے براہ راست سرچشمۂ ہدایت سے فیضان حاصل کیا تھا۔ اور اللہ کے رسول ﷺ کی صحبت میں تربیت پائی تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں طرح طرح کے فتنے سر اُٹھانے لگے۔ کیونکہ مسلمانوں کے معاشرے میں ایسے لوگ پیدا ہونے لگے جو آخرت پر دُنیا کی زندگی کی آسائشوں اور فوائد کو ترجیح دیتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد کی فتوحات کے باعث مسلمانوں کی سوسائٹی کے بعض متقدر لوگ اور بعض عوام حکمرانی کے منصوبوں اور دولت کی فراوانی کے نشوں سے آشنا ہونے لگے۔

اس مرض کی ترقی نتنے پیدا کرنے کا موجب بنی جن کو حضرت علیؓ ایسے مخلص۔ بے غرض اور بہادر خادم دین کی کوششیں بھی فرو کرنے میں کامیاب نہ ہو سکیں۔ فتنہ و فساد کی ترقی خاندان بنو اُمیّہ کی خالص دُنیوی اور استبدادی حکومت قائم کرنے پر منتج ہوئی۔ مسلمانوں کے حکمران طبقہ نے نہ صرف دین کی خدمت کے احساس کو پس پشت ڈال دیا۔ بلکہ وہ قیصر و کسریٰ کا صحیح جانشین بن گیا۔ بنو اُمیّہ کے حکمرانوں نے اگرچہ خلیفہ ہی کا لقب اختیار کیا۔ لیکن وہ درحقیقت رُوم کے قیصروں اور ایران کے کسراؤں کی طرح مطلق العنان شہنشاہ تھے۔ اُنہوں نے اپنے اقتدار کی بنیادیں جاگیرداری ہی کے پُرانے معاشرتی نظام پر قائم کیں۔ اور معاشرے میں ایک ایسا طبقہ پیدا کر لیا جو انعاماتِ خسروی کے لالچ میں ہر اچھے بُرے اقتدار کی ریڑھ کی ہڈی بن جایا کرتا ہے۔ بنو اُمیّہ کی حکومت نہ تو اسلام کی دینی حکومت تھی۔ نہ مسلمانوں کی جمہوری حکومت تھی بلکہ وہ اُن عربوں کی قومی حکومت بن گئی جو بنو اُمیّہ کے شاہی خاندان کے وفادار اور مدد و معاون بننے کے لئے حاضر و آمادہ تھے۔ بنو اُمیّہ کے شاہی خاندان کے افراد کے بعد قریش کو حکمرانی کے مناصب پر فائز کیا جاتا تھا۔ بنو کلب اور ان کے اتحادی عرب قبیلے بنو اُمیّہ کے اقتدار کی عسکری پُشت پناہ بنے۔ دُوسری قوموں کو مثلاً ایرانیوں بربریوں اور ترکوں کو مسلمان ہو جانے کے باوجود عیسائیوں، پارسیوں اور یہود

اور یہودیوں کی طرح محکوم رعایا سمجھا جاتا تھا۔ قصہ مختصر بنو امیہ کی دُنیوی حکومت نے عام طرزِ عمل میں بھی اسلام کی تعلیمات کو پسِ پشت ڈال دیا یعنی غیر عرب مسلمانوں سے مساوات کا سلوک نہ کیا اور غیر مسلموں سے وہ رواداری نہ برتی جس کی تاکید کی گئی تھی۔ علوی۔ خارجی اور عباسی اِن کے حریف تھے۔ انہیں عربوں کے ایک طبقہ میں اور غیر عربوں میں ایسی زرخیز زمین مل گئی جس میں وہ اچھی فصل کاشت کرنے کی اُمید پر بنو اُمیہ کے خلاف بیزاری پھیلانے کے لئے تخم ریزی کر سکتے تھے۔ محکومین یعنی مملکتِ اسلامی کے عوام علویوں اور عباسیوں کو اُمید بھری نگاہوں سے دیکھنے لگے۔ اور خاندانِ نبوت کے وارثوں کو خلافت کا جائز حقدار متصور کرنے لگے۔ دینِ اسلام کے اعلیٰ مقاصد کو پسِ پشت ڈالنے اور اسلام کی تعلیمات سے منحرف ہو جانے کے باوجود خلفائے بنو اُمیہ اسلام ہی کے نام پر حکومت کرتے تھے۔ فرض شناس علمائے دین کا طبقہ اُن کی مستبدانہ حکومت کو صحیح اور جائز نہیں سمجھتا تھا لیکن اُنہیں ایسے عالمانِ دین مل گئے جو ان کے حق میں فتوے دینے لگے۔ اور ان کی حکومت کو جائز اسلامی حکومت ثابت کرنے کے درپے ہو گئے۔ خلفائے بنو اُمیہ کے عہد میں اُن کی دنیوی استبدادی حکومت کو جائز اسلامی خلافت ثابت کرنے کے لئے بہت سی جھوٹی حدیثیں وضع کی گئیں۔ بعد میں جن کی چھان بین کرنا بہت مشکل کام بن گیا۔ شاہانِ بنو اُمیہ نے آئندہ کے لئے ایک نمونہ قائم کر دیا کہ مسلمان

کے بادشاہ اور سلاطین مطلق العنان ہوں۔ خلیفہ کہلائیں اور خلافت کو آبائی یا خاندانی وراثت بنالیں۔ عیش و عشرت میں شان و شوکت کے ساتھ زندگی بسر کریں۔ حدودِ شریعت کو پامال کریں اور فاسق و فاجر اور ظالم و مستبد ہونے کے باوجود مسلمانوں کے لئے واجب الاطاعت بنے رہیں۔ یہ سکہ ایسا چلا کہ مسلمانوں میں حکمرانی کا مقصد یہی سمجھ لیا گیا اور آیندہ ادوار کے مسلمان انہی کے کارناموں پر فخر کرنے لگے ہیں کہ بنو اُمیہ کا پانچواں خلیفہ عبدالمالک علی الاعلان ملحدانہ باتیں کیا کرتا تھا اور جب اس کو خلیفہ بننے کی خوشخبری سنائی گئی تو وہ قرآن پڑھ رہا تھا۔ خبر سنتے ہی اُس نے قرآن پاک کو غلاف میں لپیٹا اور ھذا فراق بینی وبینک (اب سے میرے اور تیرے درمیان جدائی ہے) کہہ کر ایک طرف رکھ دیا۔ ان میں صرف عمر ابن عبدالعزیز ایسا خلیفہ ہو گذرا ہے جس نے صحیح اسلامی نقطے کے مطابق حکومت کرنے کی کوشش کی لیکن اس نے صرف تین سال کا قلیل عرصہ پایا اس لئے کچھ نہ کر سکا تاہم اتنا ہوا کہ عمر ابن عبدالعزیز کا عہد باقی تمام خلفائے بنو اُمیہ پر اس امر کی شہادت بن گیا کہ وہ سب دین کی مقتضیات کو پس پشت ڈال کر حکومت کرتے تھے۔

معاشرے کی حالت

مُلک شام میں بسنے والے عرب مسلمان، حکمران طبقہ کے لوگ

اور اُمراء عیسائیوں کی معاشرت سے بہت کچھ متاثر ہو گئے ۔ اور انہیں شراب نوشی ۔ لہو و لعب اور قمار بازی کی بُرائیاں گھر کرنے لگیں۔ اس کے علاوہ اُونچے طبقہ کے لوگ موسیقی ۔ مصوّری اور دیگر فنونِ لطیفہ سے بھی کافی دلچسپی کا اظہار کرنے لگے ۔ عربوں کی ابتدائی سادگی اور اسلام کی ضابطہ و منضبط زندگی ایک بھولے ہوئے خواب کی حیثیت اختیار کرنے لگی ۔ سوسائٹی میں گانے والوں اور گانے والیوں کے مستقل طبقے اور طائفے پیدا ہو گئے ۔ دمشق تو رنگ رلیوں کی زندگی کا گہوارہ بنا ہی تھا ۔ مدینہ ایسے شہر میں بھی جہاں تابعین رات دن دین کی نشر و اشاعت میں مصروف رہتے تھے ۔ اور لوگ اُن کی پاک صحبت سے فیضان حاصل کیا کرتے تھے ۔ مغنیات نے ڈیرے جما لئے ۔ یُونس نامی گویئے نے اس دور میں بہت شہرت پائی ۔ روایات میں مکہ کے اندر ایک رئیس کے کلب گھر کا ذکر بھی ملتا ہے ۔ جس میں اُس نے لوگوں کے مطالعہ کے لئے کتابیں رکھی ہوئی تھیں اور تفریحِ طبع کے لئے شطرنج اور گنجفہ کی قسم کی کھیلوں کے سامان بھی رکھ چھوڑے تھے ۔

یہ اُونچے طبقہ کے لوگوں کا حال تھا ۔ لیکن عرب کے بدوی قبائل جو سرحدات اور مملکت کی چھاؤنیوں میں مقیم تھے حسبِ معمول اپنی ابتدائی سادگی ۔ شجاعت ۔ جفاکشی ۔ اسلام کی محبت اور جہاد کے شوق کی صفات سے متصف رہے ۔ اِن غازیوں کے

کے معاش کا انحصار پہلے مالِ غنیمت اور وظائف پر رہا پھر انہیں جاگیریں ملنے لگیں۔

مملکت کے غیر عرب باشندوں میں کچھ تو ایسے لوگ تھے جو مسلمان ہو گئے تھے۔ ان میں ایران کے موالی اور افریقہ کے بربری خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

انہیں عرب مسلمانوں کے سے حقوق تو حاصل تھے۔ لیکن عرب انہیں اپنے سے حقیر قسم کے مسلمان سمجھتے تھے۔

غیر مسلموں میں کچھ تو ذمّی لوگ تھے کچھ خراجی ذمّی محض جزیہ ادا کرتے تھے اور خراجی مقررشدہ خراج دیا کرتے تھے۔ خلافت کی حکومت نے اُن کی داخلی معاشرت سے کسی قسم کا تعرض نہ کیا۔ ان کا مذہبی اور معاشرتی نظام جُوں کا توں برقرار رہا۔ عیسائیوں کے مقدمات کے فیصلے ان کے بطریق اپنی شریعت اور قانون کے مطابق کرتے تھے۔ ترکستان کے ترک جو مُسلمان نہیں ہوئے تھے خراجی تھے ان پر ان کے خوانین حکومت کرتے تھے خود عربوں اور نو مُسلموں میں فوجداری اور دیوانی مقدموں کے فیصلے حکومت کے مامور قاضی شریعتِ اسلامی کے مطابق کرتے تھے۔ ابتدائی عہد کے یہ قاضی فقہی موشگافیوں سے بہت کم واقف تھے۔ عام طور پر فعل کی حیثیت اور شہادت کی بنا پر فیصلہ

صادر کر دیتے تھے۔ یعنی فیصلہ کا بہت کچھ انحصار قضاۃ کی صوابدید پر ہوتا تھا۔ فقہ اسلامی کی تدوین کا کام دوسری صدی ہجری میں شروع ہوا جس کا تذکرہ اپنے مقام پر کیا جائے گا۔

دینی اور علمی سرگرمیاں

اسلام نے مسلمانوں میں شروع ہی میں قرآن پاک کی تلاوت کا والہانہ جذبہ پیدا کر دیا تھا۔ یہ جذبہ مسلمانوں میں حفاظ اور قاری پیدا کرنے اور نوشت و خواند کے شوق کو ترقی دینے کا موجب بنا۔ خلفائے راشدین کے عہد میں قرآن خوانی کے ساتھ حدیث گوئی کے شوق نے بہت فروغ پایا۔ صحابہ کرامؓ لوگوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال کا تذکرہ کرتے تھے۔ لوگ اس تذکار کو بڑی عقیدت کے ساتھ سنتے تھے۔ صحابہ کرامؓ حدیث بیان کرنے میں بڑی ہی احتیاط سے کام لیتے تھے۔ جس کلمہ یا حرف کے متعلق انہیں ذرا سا بھی شبہ ہوتا تھا اسے بیان کر دیتے تھے۔ سننے والے بھی ان احادیث کو اسی احتیاط کے ساتھ ازبر کر لیتے تھے۔ حدیث کی روایت فضیلت اور فخر کی بات متصور ہوتی تھی۔ جو شخص ایک یا دو حدیثوں کا راوی ہوتا تھا وہ بھی مرجع خلائق بن جاتا تھا۔ علم دین کے جویا اس حدیث کی روایت کا حق حاصل کرنے کے لئے دور دراز کے مقاموں سے چل کر اس کے پاس پہنچتے تھے۔ غرض حدیث اہل دین کے نزدیک ایک قابل فخر

متاع تھی جسے بڑی احتیاط کے ساتھ سنبھالا جاتا تھا لیکن بنو اُمیّہ کے عہد میں ان کی استبدادی حکومت کو شرعاً جائز قرار دینے کے لئے بعض جھوٹی حدیثیں بھی وضع ہونے لگیں۔ محدثین نے ایک حدیث کی بناپر دین کی نشر و اشاعت کے تین دَور مقرر کئے ہیں۔ ایک صحابہ کرامؓ کا زمانہ جو سب سے افضل تھا۔ اس کا شمار ۵۲ھ ہجری تک کیا جاتا ہے۔ کیونکہ اس کے بعد کوئی اِکّا دُکّا صحابی باقی رہ گیا تھا۔ دوسرا تابعین یعنی صحابہ کرام رضؓ سے براہ راست کسبِ فیض کرنے والوں کا زمانہ۔ جس کا شمار ۵۲ھ سے ۱۰۲ھ ہجری تک کیا جاتا ہے یہ فضیلت میں دوسرے درجے پر ہے۔ تیسرا تبع تابعین یعنی تابعین سے کسبِ فیض کرنے والوں کا زمانہ جس کا شمار ۵۲ھ ہجری سے ۱۵۲ھ تک یعنی بنو اُمیّہ کی خلافت کے خاتمے کے بیس سال بعد تک کیا جاتا ہے۔ یہ زمانہ فضیلت میں تیسرے درجے پر ہے۔ غرض بنو اُمیّہ کی خلافت کے زمانہ میں تابعین اور تبع تابعین نشرِ دین کی خدمات بجالاتے رہے۔ لوگ دینی اُمور میں انہی سے رجوع کرتے فتوے لیتے اور دین کے نکات سمجھتے تھے۔ مدینہ اِن بزرگانِ کرامؒ کا مرکز تھا۔ صحیح اسلامی تخیل کے علم بردار حاملین کتاب وسنّت کی زیادہ تعداد یہیں رہتی تھی۔ بنو اُمیّہ کی خلافت کی حیثیت اُن کے ہاں عام طور پر زیرِ بحث رہتی تھی۔ اسی لئے خلیفہ عبدالملک کا درباری شاعر عمر ابن ربیعہ ان بزرگوں کی ہجویں لکھ لکھ کر اپنے آقا کی خوشامد کیا کرتا تھا۔ اور انہیں رندانِ

لاابالی کی سوسائٹی میں بے وقر بنانے کی کوشش کیا کرتا تھا۔

اس دور میں بعض اہلِ علم وفضل کے دل میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور حضورؐ کے سوانح حیات پر کتابیں اور رسالے لکھنے کا شوق پیدا ہوا۔ عُروَہ نامی ایک عالم نے سیرت نبویؐ پر متعدد رسالے لکھے یہ بزرگ تابعین میں سے تھے۔ انہوں نے ۹۴ھ ہجری میں یعنی خلیفہ ولید اوّل کے عہد میں وفات پائی اُن کے شاگرد زہری نے بھی سیرت پر کتابیں لکھیں اور مغازی یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کی جنگوں کے حالات مرتّب کئے ظہری کا زمانہ ۵۲ھ سے ۱۲۴ھ تک کا ہے گویا اُن کی زندگی کا علمی دور اپنے اُستاد عروہ کی وفات کے بعد ۹۴ھ ہجری سے شروع ہوا۔ لہذا یہ تبع تابعین میں سے تھے۔ عروہ اور ظہری کی تصانیف بجنسہٖ موجود نہیں۔ البتہ بعد میں آنے والے مصنّفین و مؤلفین نے اُن کی کتابوں سے بہت کچھ اخذ کیا اور اِن کے حوالے دیئے۔ مغازی کے تمام حالات ارباب سیر اور مورّخین نے انہی کی تصانیف سے لئے۔

دُوسری صدی ہجری کے آغاز میں موسیٰ ابن عقبیٰ اور ابو معشر مشہور ارباب سیر ہوئے ہیں۔ یہ دونوں بزرگ ظہری کے شاگردوں میں سے ہیں۔ ظہری کی وفات کے بعد اِن کے شاگرد ابو معشر کے پاس تشریح نکات کے لئے آیا کرتے تھے۔ اُن کی تصانیف بھی ناپید ہو چکی ہیں۔ بعد میں آنے والے مشہور مورّخ طبری نے ان کی

کتابوں کے بہت سے حوالے دیئے ہیں۔

صوفیائے کرام

بنو امیہ کی دنیوی خلافت کا استقرار قائم ہو جانے پر مدینہ منورہ دینِ اسلام کی اشاعت کا مرکز اور سرچشمہ تھا۔ جہاں انس بن مالک صحابی کے سلسلۂ درس و تدریس سے تشنگان علوم دینیہ اپنی طلب کی پیاس بجھاتے تھے اور مملکتِ اسلامی کے دور دراز قطاع سے آکر کسبِ فیضان کرتے تھے۔ حضرت انس بن مالک رض رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص تھے۔ ہجرت کے وقت ان کی عمر دس سال کی تھی۔ دس سال حضور کی صحبت میں رہے۔ اور ۹۳ھ میں ایک سو تین سال کی عمر میں وفات پائی۔ آپ نے خلافتِ راشدہ کے بعد بنو امیہ کی خلافت کے زمانے میں پورے باون سال دین کی نشر و اشاعت کا کام کیا۔ حضرت ابو ہریرہ رض (عمیر ابن عامر) کی طرح حضرت انس رض بھی بہت سی احادیث کے راوی ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رض ۵۸ھ ہجری میں فوت ہو گئے تھے۔ جن لوگوں نے صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے کسبِ فیضان کیا وہ تابعین کہلائے۔ انہوں نے اپنے اپنے رجحان طبع کے مطابق حدیث فقہ۔ تجوید تفسیر وغیرہ میں تحصیلات کیں اور اُن پر زیادہ توجہ دی وہ اشاعت دین کے مبلغ بنے۔ اس کے علاوہ بزرگوں کے فیضان صحبت سے تزکیۂ نفس اور کسبِ مکارمِ اخلاق

کا سلسلہ بھی جو منبع انوارِ ہدایت حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شروع ہوا تھا جاری رہا۔ جو بعد میں تصوف کے نام سے موسوم ہوا صحابہ کرام رضؓ۔ تابعین رحؒ۔ وتبع تابعین رحؒ علم وعمل دونوں میں جامع کمالات تھے۔ تاہم مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ بعض طبائع نے علم پر عمل کو اور بعض نے علم کو عمل پر ترجیح دینی شروع کر دی۔ اس طرح اُمت میں علماء اور صوفیا کے دو الگ الگ سلسلے قائم ہونے لگے۔ جو بزرگ تزکیۂ نفس اور عرفانِ الٰہی کے حصول کی جدوجہد میں زیادہ منہمک ہوئے وہ صوفی کہلائے۔ کیونکہ ان میں سے اکثر دنیوی لذائذ کو ترک کر کے صُوف کے کپڑے پہننے لگے تھے۔ ابتدائی ادوار کے ائمہ دین اور علمائے کرام بھی سے اکثر باعمل و اصحابِ معرفت ہونے کے لحاظ سے بھی باکمال تھے لیکن جوں جوں زمانہ گزرتا گیا۔ علمائے ظاہر کی ایک الگ جماعت بن گئی اور اربابِ معرفت کے سلسلے الگ قائم ہونے لگے۔ علمائے ظاہر کی تبلیغ یہ تھی کہ دین کے احکام پر چلو۔ اور اس کی شریعت کی پابندی کرو۔ صوفیائے کرام کی کوشش یہ تھی کہ ان کے حلقۂ ارادت میں آنے والے لوگ احکامِ دین و شریعت کی پیروی اور پابندی کے ساتھ ساتھ بہتر قسم کے انسان اور مسلمان بنیں اور توحید الٰہی کی صحیح صحیح معرفت حاصل کرنے کی طرف متوجہ رہیں۔ بنو اُمیہ کی دنیوی خلافت قائم ہو جانے پر صالحین اُمت حکمرانوں کی اصلاح کی طرف سے مایوس ہو کر دین کی خدمت میں لگ گئے۔ اور اس عہد کے حالات میں

ہمیں ایسے مردانِ باخدا کے وجود کا سُراغ ملتا ہے جنہوں نے سیاست کی طرف سے قطع نظر کر کے علمی اور عملی حیثیت سے دینِ اسلام کی ترویج کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر دیں۔ اور لوگوں کو ظاہری اور معنوی حیثیت سے سچے مُسلمان بنانا۔ اور ان میں رضائے الٰہی کے حصول کی خاطر زندگی بسر کرنے کی صفات پیدا کرنا اپنی زندگیوں کا مقصود قرار دے لیا۔ تابعین میں سے جن بزرگوں نے خلفائے بنو اُمیّہ کا عہد پایا۔ امام باقرؒ۔ ابو حازم مکیؒ۔ سلیمان دارانیؒ اور حسن بصریؒ بہت مشہور ہیں۔ خواجہ حسن بصریؒ نے ۷۲۸ء مطابق ۱۱۲ھ میں وفات پائی۔ اِس وقت بنو اُمیّہ کے تختِ خلافت پر خلیفہ ہشام بن مروان متمکن تھا۔ خواجہ حسن بصریؒ نے حضرت علیؓ سے کسبِ فیضان کیا تھا۔ اور حضرت امام حسنؓ کے ہم صحبت رہے تھے۔ گویا اُنھوں نے بنو اُمیّہ سے پہلے کے خلفاء کا عہدِ حکومت اور اس کے عبرت انگیز حالات دیکھے۔

ادب و شعر

بنو اُمیّہ کے زمانے میں عربی زبان کی شاعری نے جو رنگ اختیار کئے وہ اِس عہد کے عام رجحانات کے آئینہ دار ہیں۔ بنو اُمیّہ کے ابتدائی دور میں دمشق میں الاخطل عیسائی۔ عراق میں فرزدق اور جریر مشہور شاعر ہوئے ہیں۔ ان کا کلام یا تو شاہانِ بنو اُمیّہ کی شان میں قصیدہ

محبوبی کا مظہر ہے۔ یا انہوں نے بنو امیّہ کے مخالفین کی ہجو میں لکھی ہیں۔ خلیفہ عبدالمالک کا ایک درباری شاعر عمر ابن ربیعہ جو مکّہ کا باشندہ اور قبیلہ مخزوم کا ایک فرد تھا۔ مدینہ شریف کے محدثین اور علمائے کرام کی ہجویں لکھا کرتا تھا۔ یہ اس دور کے شعرا کی سیاسی شاعری تھی۔ یہ شعرا پرانے عرب شاعروں کی طرح قصائد کی تشبیب میں عشقیہ مضامین باندھتے تھے۔ لیکن انہوں نے قصائد سے الگ مستقل عشقیہ نظمیں لکھنے کو بھی رواج دیا۔ عمر ابن ربیعہ کی عشقیہ نظموں اور رومان آفریں گیتوں میں حسین وجمیل عورتوں سے معاشقہ کے اظہار کے مضامین کی بھرمار ہے۔ اس کی شاعری دردِ فراق اور سوزِ محبت کے اظہارات سے خالی نظر آتی ہے بعد میں آنے والے شعراء نے بھی اس کی پیروی کی۔ ولید ثانی کے عہد میں شاعری میں مے نوشی اور مستی وسرشاری کے مضامین نے فروغ پایا۔ زمانۂ جاہلیت میں شاعر محض شاعرانہ تعلّی کے لئے مے کا ذکر کرتے تھے۔ اسلام میں مے نوشی کی ممانعت کے باوجود شعرا اس کے ذکر سے الگ نہ ہوسکا۔ اور ولید ثانی کے زمانہ میں مے نوشی اور مستی وسرشاری کے مضامین باندھنا ایک عام فیشن بن گیا۔ ولید ثانی کا ہم نوالہ اور ہم پیالہ القاسم ابن طفیل نامی ایک شاعر تھا جس نے ولید کو ایسی شاعری کا مدّاح بنادیا۔ اس اسکول کے شعرا عدی ابن زیاد کے پیرو تھے جو عہدِ نبوت میں حیرہ کے آخری لخمی بادشاہ کا شاعر تھا۔ مدینہ میں احواز نامی ایک شاعر اسی عہد میں ہو گزرا ہے اس کا کلام بھی عشقیہ مضامین سے لبریز نظر آتا ہے۔ خلیفہ ہشام کے زمانے کے ایک شاعر الکمیت

کا کلام اہلِ بیت سے عقیدت و محبت کے اظہار سے مملو نظر آتے ہیں۔

فنی ترقیات

جس سلطنت کی بنیادیں ایرانی و رومی تمدن پر قائم ہوئیں ان میں ہر طرح کے فنون کی ترقی چنداں تعجب خیز امر نہیں۔ بنو امیہ کے بادشاہوں کو جا بجا عالیشان قصر تعمیر کرانے کا بہت شوق تھا۔ اُن کے تتبع میں اُمرا بھی اپنے رہنے سہنے کے لئے محلات تعمیر کرانے لگے۔ مسجدیں بھی تعمیر کرائی گئیں۔ نہروں اور کاریزوں کی مرمت پر بھی کافی توجہ صرف کی جاتی تھی۔ صنعت و حرفت بھی رُوبہ ترقی تھی۔ بنو اُمیہ کے ابتدائی خلفا نے اپنے لئے جو قصر تعمیر کرائے اُن کا نقشہ بدوی کیمپوں کے نمونہ پر ہوتا تھا۔ فرق یہ تھا کہ خیموں کے بجائے پتھر سے بنائے ہوئے کمرے اور دالان بنائے جاتے تھے۔ موآب میں "المشتیٰ" نامی ایک قصر دیر تک قائم رہا۔ یہ موسم سرما کے قیام کے لئے تعمیر اسے شام کے کنارے بنایا گیا تھا۔ یہ محل ایرانی اور اسلامی فنِ تعمیر کا معجون مرکب تھا۔ بحیرہ مردار کے کنارے "قصیر العامرہ" کے نام سے ایک محل بنایا گیا تھا جو شکستہ حالت میں اب بھی موجود ہے۔ یہ محل غالباً ولید اوّل نے تعمیر کرایا تھا۔ اس کے دالان کی ایک دیوار پر خلیفہ کی ایک تصویر بنائی گئی تھی جس کے سر کے گرد اقبال کا ہالہ تھا۔ اس کے سر پر چترِ شاہی تھا جو ستونوں پر قائم دکھایا گیا تھا۔ دائیں طرف ایک عورت کی تصویر بھی جو ہاتھ کے اشارے سے خلیفہ کی طرف اشارہ کرتی دکھائی گئی تھی

بائیں جانب ایک حاجب عصا لئے کھڑا تھا۔ اس کے بعد چار بادشاہوں کی ایک قطار بنائی گئی تھی جو خلیفہ کے سامنے پیش کرنے کے لئے نذر لئے کھڑے ہیں۔ یہ بادشاہ جیسا کہ اُن کے لباسوں سے ظاہر ہوتا تھا۔ قیصر رُوم۔ خسرو ایران۔ حبشہ کا نجاشی اور ہسپانیہ کا بادشاہ روڈرک تھے۔ ان سے ذرا فاصلے پر دو اور بادشاہ کھڑے تھے جن میں سے ایک غالباً چنگیز خان خاقان تاتار یا شہنشاہِ چین تھا اور دُوسرا سندھ کا راجہ داہر تھا۔ خلیفہ کے تخت کے نیچے لہریں مارتا ہوا سمندر دکھایا گیا تھا جس میں مچھلیاں اور کشتیاں بھی بنائی گئی تھیں۔ اُوپر فضا میں پرندے اُڑتے دکھائے گئے تھے۔ خلیفہ کی تصویر کے دائیں ہاتھ پر ایک ننگی عورت کی تصویر تھی اور اسی کے پیچھے ننگے بدن کا ایک پہلوان بنایا گیا تھا۔ باقی دیواروں پر گھڑ دوڑوں۔ جنگوں۔ گورخروں اور ہرنوں کے شکار کے مناظر بنائے گئے تھے۔

چھت پر خطِ سرطان اور شمالی آسمان کے ستاروں کے مناظر دکھائے گئے تھے۔ اس قصر کے حمام کی دیواروں پر ننگی عورتوں کی تصویریں تھیں۔ ایک کمرہ میں ہبوطِ آدم کا نقشہ منقش کیا گیا تھا ایک دیوار پر ایک عورت بچہ جنتی ہوئی دکھائی گئی تھی جس کے پیچھے دو مرد کھڑے تھے۔ ایک دیوار پر ایک عورت مرد کی لاش پر نوحہ کرتی ہوئی بنائی گئی تھی جسے عزرائیل فرشتہ پیچھے ہٹا رہا تھا۔ اسی ایک مثال سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ تعمیر اور مصوّری کا فن اس دَور میں کس حد تک پہنچ چکا تھا۔

تاریخِ اسلام

جلدِ دُوم

پانچویں کتاب

بنوعبّاس کی خلافتِ ناقصہ

سنہ ۱۳۲ھ سے سنہ ۶۵۶ھ

سنہ ۷۵۰ء سے سنہ ۱۲۵۸ء تک

(۱)

ابو العبّاس عبداللہ السفّاح

سنہ ۱۳۲ھ سے سنہ ۱۳۶ھ

سنہ ۷۵۰ء سے سنہ ۷۵۴ء تک

بنو اُمیّہ کا قتلِ عام

ابو العبّاس عبداللہ نے مسندِ خلافت پر متمکّن ہوتے ہی خاندانِ بنو اُمیّہ کے افراد کو خون کا غسل دیا اور السفّاح یعنی خون ریز کا لقب پایا۔ مروان کی شکست اور ہلاکت کے بعد ابو العباس دمشق پہنچا اور اُس نے خاندانِ بنو اُمیّہ کے پچاس سر کردہ افراد کو کھانے پر دعوت دی۔ جب یہ سب لوگ جمع ہو گئے تو جلّادوں کو حکم دیا کہ ان سب کو تہِ تیغ کر دیں۔ سب کے سب قتل کر دیئے گئے اِس کے

بعد السفاح نے بنو امیہ کے افراد کے قتلِ عام کا حکم دے دیا۔ ساری مملکت میں انہیں چن چن کر قتل کیا گیا بلکہ جنگل کے درندوں طرح ان کا شکار کھیلا گیا۔ السفاح کو بنی امیہ سے اس قدر شدید نفرت تھی کہ ان کے تمام خلیفوں کے مقبرے تک مسمار کرا دیئے گئے۔ صرف معاویہؓ اوّل اور عمر ابن عبدالعزیزؒ کے مقبروں کو علیٰ حالہا چھوڑ دیا گیا۔ خلیفہ ہشام کا ایک پوتا عباسیوں کی شمشیرِ انتقام سے بچ بچا کر اندلس (ہسپانیہ) پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ وہاں کے مسلمانوں نے اس کا خیر مقدم کیا اندلس میں اس اموی نے پہلے امارت پھر متوازی خلافت قائم کر لی۔ جس کا حال اگلی کتاب میں اس کے بعد بیان کیا جائے گا۔

بنو قیس کی بغاوت

السفاح کے خلیفہ بننے پر شام کے عرب قبائل بنو قیس نے جو آخری اموی خلیفہ مروان کے منظورِ نظر تھے۔ بغاوت کر دی۔ اور ابو محمد سفیانی کو اپنا لیڈر بنا لیا۔ عباسیوں نے ۱۳۲ھ ۷۵۰ء میں بنو قیس کی سرکوبی کی۔ ابو محمد حجاز کی طرف بھاگ گیا۔ جہاں وہ گرفتار ہوا اور قتل کر دیا گیا۔ ابو محمد کے پیرو اب تک اس کی مراجعت کا انتظار کر رہے ہیں۔ موصل کے نواحی پہاڑ کوہ سنجار میں یزیدی گروہوں کا ایک قبیلہ اب بھی موجود ہے جو بنو امیہ کے مذہب کا دم بھرتے ہیں۔

(۲)

المنصور

سنہ ۱۳۶ھ سے سنہ ۱۵۸ھ تک

سنہ ۷۵۴ء سے سنہ ۷۷۵ء تک

ابو العباس عبداللہ السفاح کے بعد اس کا بھائی المنصور خلیفہ تھا۔ اس خلیفہ کے عہد میں جابجا شورشیں ہوئیں اور بغاوتیں رونما ہوئیں۔ اس نے اپنے عہد کے بیشتر وقت اور اپنی استعداد اور طاقت کو بنو عباس کے اقتدار کی جڑیں مضبوط کرنے پر صرف کیا۔ اور اپنے جانشینوں کے مستحکم اقتدار کے لئے راہیں صاف کردیں۔

شام میں چچا کی سرکشی اور ابو مسلم خراسانی کا قتل

۱۳۷ھ = ۷۵۴ء

المنصور کے خلیفہ بننے پر اُس کے چچا عبداللہ ابن علی نے جو اپنے بھائی کے بعد خود خلیفہ بننے کے خواب دیکھ رہا تھا بغاوت کردی اور ابو مسلم خراسانی خراسانیوں کا لشکر لے کر گیا جس نے بغاوت فرو کی۔ ابو مسلم کو خلیفہ نے اس فتح کے صلے میں بابل کا حاکم بنا دیا۔ یہ ابو مسلم ہی تھا جس کی ان تھک کوششوں اور محنتوں نے بنو عباس کو خلافت دلانے اور اُن کا اقتدار قائم کرنے میں بہت کچھ مدد کی تھی۔ ابو مسلم خراسانیوں میں بہت محترم اور ہردلعزیز تھا خراسانی اُسے اپنا پیرو اور دینی پیشوا سمجھتے تھے اور اس کے ہر حکم پر جانیں قربان کرنے کے لئے تیار رہتے تھے۔ خلیفہ المنصور اس کے اثر و رسوخ سے بہت خائف تھا۔ بابل کا حاکم بننے کے تھوڑا عرصہ بعد المنصور وہاں آیا۔ خلیفہ کی آمد پر ابو مسلم کے پیرو اس سے بگڑ گئے۔ اور کسی بات پر جھگڑا اس حد تک بڑھ گیا کہ ابو مسلم کو اس کے مریدوں ہی نے خلیفہ کی آنکھوں کے سامنے قتل کر دیا۔ المنصور اس حادثے پر ٹس سے مس نہ ہوا اور اس نے قاتلوں سے

کسی قسم کی باز پرس نہ کی۔

خراسان۔ مدینہ اور عراق میں بغاوتیں

سنہ ۱۶۱ھ سے سنہ ۱۶۷ھ تک

ابو مسلم کے قتل کی خبر سُنکر اس کے ایک معتقد سند باد نے خراسان میں بغاوت کا علم بلند کر دیا اور لشکر لے کر ایمان میں میدیا و کرمان تک یلغار کی۔ خلیفہ کے لشکر نے سند باد کو شکست دے کر اس بغاوت کا قلع قمع کر دیا۔

اس کے ساتھ ہی شیعوں نے مدینہ اور عراق میں بیک وقت بغاوت کے علم بلند کر دیئے۔ اس فرقہ کے لوگ عقیدۃً حضرت علیؓ اور حضرت فاطمۃ الزہراؓ کی اولاد کو خلافت کا جائز وارث سمجھتے تھے۔ اسی لئے بنو اُمیّہ کے بعد بنو عبّاس کی خلافت کے قیام پر دل سے بیزار تھے۔ اولادِ علیؓ بھی یہ سمجھ رہی تھی کہ بنو عبّاس نے ہم سے دھوکا کیا۔ اور خود خلافت کا اقتدار سنبھال لیا۔ اس لئے سنہ ۱۶۱ء میں مدینہ میں النفس الزکیہ محمد بن عبد اللہ بن حسن نے جو باپ کی طرف سے حسنی اور ماں کی طرف سے حسینی تھے۔ بغاوت کا علم بلند کیا اور لوگوں سے

اپنی خلافت پر بیعت لینا شروع کر دیا۔ اور اُدھر بصرہ میں محمد کے
بھائی ابراہیم نے سادات کا علم بلند کر دیا۔ مدینہ کے علمی اور دینی حلقوں میں
اِن دنوں امام مالکؒ بن انسؓ کا بہت شہرہ تھا۔ لوگ ان کی علمی فضیلت
اور تقویٰ کے بہت معترف تھے۔ امام مالکؒ نے محمد کی بیعت کے
نامعتبر ہونے کا فتویٰ صادر کر دیا۔ اِس لئے مدینہ کے بہت سے لوگ
اُس کی امداد کرنے کے خیال سے دست بردار ہو گئے۔ خلیفہ المنصور کے
سالار عیسیٰ ابنِ موسیٰ نے مدینہ پہنچ کر بغاوت فرو کی۔ محمد اور اس کے خاندان
کے تمام افراد قتل کر دیئے گئے۔ ان کی جائدادیں ضبط کر لی گئیں۔ مدینہ کی بغاوت
فرو کرنے کے بعد عیسیٰ ابنِ موسیٰ نے بصرہ پر لشکر کشی کی جہاں محمد کے
بھائی ابراہیم نے نہ صرف بصرہ کی ولایت میں بلکہ سوسیانہ (قدیم عیلام)
اور ایران کے بعض اقطاع میں لوگوں کو بہت بڑی حد تک متاثر
کر کے اپنا حامی بنا لیا تھا۔ کوفہ کے نزدیک جہامرہ کے مقام پر ابراہیم
اور موسیٰ ابنِ عیسیٰ کے درمیان جنگ ہوئی۔ ابراہیم نے شکست کھائی
اور لڑتے ہوئے جان دے دی۔ اس شکست سے شیعوں کے
حوصلے پست ہو گئے۔ اور بغاوت فرو کر لی گئی۔ ان بغاوتوں کا نتیجہ
اِس شکل میں رونما ہوا کہ سادات جو بنو عباس کی نگاہ میں مشتبہ تھے
ان کے معتوب ہو گئے اور بنو عباس اور ان کے عامل ان سے سا
ہر جگہ سختی کے ساتھ پیش آنے لگے۔ اور ان کی نقل و حرکت کی کڑی
نگرانی کرنے لگے۔

دیگر مہمیں

المنصور کے عہد میں شام اور عراق کی سرحدوں پر بازنطینی رومیوں سے جنگ وجدال کا معرکہ متواتر گرم رہا۔ اس کے علاوہ خلیفہ نے قفقاز میں خزر ترکوں کی سرکوبی کرنے کے لئے ایک مہم بھیجی جو بحیرہ خزر کے کناروں سے اُٹھ کر قفقاز کی ولایت میں لوٹ مار کرتے تھے۔ بحیرہ خزر کے جنوب میں دیلمیوں نے بھی سر اُٹھایا۔ خلیفہ کے لشکر نے ان کی شورش کو دبایا۔ ان کے علاوہ دریائے جیحون کے پار کے ترکوں اور سندھ پار کے ہندوؤں نے بھی اسلام کے اقتدار سے نجات حاصل کرنے کے لئے ہاتھ پاؤں مارے۔ ان کا خیال تھا کہ خلافت کا منصب چونکہ نئے خاندان کے ہاتھوں میں منتقل ہو گیا ہے۔ اس لئے نئے حکمرانوں کے لئے ان دُور افتادہ ملکوں کا سنبھالنا مشکل ہو گا۔ لیکن خلیفہ المنصور نے دونوں طرف لشکر بھیجکر ترکوں اور ہندوؤں دونوں کے خیال کو غلط ثابت کر دیا۔

بغداد اور کرخ کی آبادی

خلیفہ المنصور نے دمشق اور کوفہ دونوں کو چھوڑ کر دریائے دجلہ کے کنارے ایک غیر معروف سے گاؤں بغداد کو اپنا دارالخلافت بنانے کے لئے پسند کیا۔ جو مملکت کا ایک مرکزی مقام تھا۔ المنصور نے

اس مقام پر شاندار عمارتیں بنوائیں۔ اور نئے شہر کا نام رکھا جو مشہور نہ ہوا۔ اور بغداد کے نام سے جو در اصل ساسانی بادشاہ نوشیرواں عادل کا "باغ داد" تھا شہرت پائی۔ دریا کے دوسرے کنارے کرخ کے نام سے ایک دوسرا شہر آباد ہو گیا۔

امام اعظم حضرت ابو حنیفہ کی وفات

۱۵۰ھ ۷۶۷ء

امام اعظم حضرت ابو حنیفہ نے خلیفہ المنصور کے عہد میں ۷۶۷ء مطابق ۱۵۰ھ میں وفات پائی۔ یہ پہلے امام ہیں جنہوں نے اسلامی فقہ کو مدون کیا اور فتویٰ دینے کے اصول و قواعد مرتب فرمائے۔ آپ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے۔ اور آپ نے ۱۵۰ھ میں بحالت نظر بندی زندان میں وفات پائی۔ خلیفہ نے انہیں قاضی القضاۃ کا عہدہ قبول نہ کرنے کی بنا پر نظر بند کر دیا تھا۔ روایت ہے کہ خلیفہ المنصور ان سے اس بنا پر ناراض تھا کہ انہوں نے شیعوں کی شورش کے زمانے میں ابراہیم کو یعنی سادات کو حق بجانب قرار دیا تھا۔ اسی کدورت کی بنا پر خلیفہ نے امام اعظم کو نظر بند کرایا۔ اور عامۃ الناس کی روز افزوں عقیدت کا حال دیکھ کر بحالت نظر بندی زہر کھلا کر واصل بالحق کرا دیا۔

اندلس میں اموی امارت کا قیام

۱۴۵ھ - ۷۶۳ء

ہم لکھ چکے ہیں کہ ابوالعباس عبداللہ سفاح نے جب خاندان بنو اُمیّہ کے افراد کو خون کا غسل دیا اور اِس خاندان کے لوگ چن چن کر قتل ہونے لگے تو خلیفہ ہشام ابن عبدالملک کا ایک پوتا عبدالرحمٰن کسی طرح چھپ چھپا کر شمالی افریقہ کی ولایات سے گذرتا ہوا اندلس (ہسپانیہ) پہنچ گیا۔ اندلس کے عربوں نے اُسے خلفائے بنو اُمیّہ کا جائز وارث سمجھتے ہوئے اُس کے ہاتھ پر بیعت کرلی اور اسی طرح عبدالرحمٰن نے قرطبہ میں اپنی امارت قائم کرلی۔ اُس نے اپنے آپ کو اِس وقت خلیفہ کہلانا مناسب نہ سمجھا اور محض امیر کہلانے پر اکتفا کرلی۔ یہ امارت آگے چل کر ایک متوازی خلافت بن گئی۔ جس کا حال اگلے باب میں الگ بیان کیا جائے گا۔

تبصرہ

خلیفہ المنصور نے اپنے اکیس سالہ عہدِ خلافت میں اپنے چچا کی شورش کو دبا کر اور خراسانیوں، شیعوں، خزری ترکوں، دیلمیوں اور النہر

اور دریائے جیحون کے پاس کے ترکوں اور سندھ کے ہندوؤں کی سرکوبی کرکے مملکت اسلامیہ کے مشرقی اقطاع میں بنو عباس کے سطوت و جبروت کا سکہ بٹھا دیا اور اس کے ساتھ ہی بازنطینی رومیوں کے حملوں کے مقابلے میں بھی مملکت کا دفاع کیا۔ مملکت کا نظم و نسق اسی ڈھب پر قائم رہا۔ جو بنو اُمیہ کے عہد میں رائج ہو چکا تھا۔ المنصور کے تعمیری کاموں میں صرف بغداد اور کرخ دو بڑے شہروں کا آباد کرنا ہے۔ اور ایک ایسے عہد میں جو خارجی جنگوں اور داخلی شورشوں سے بھرا ہوا ہو اتنا بھی بہت کچھ ہے۔

(۳)

خلیفہ المہدی

سنہ ۱۵۸ھ سے سنہ ۱۶۹ھ تک

سنہ ۷۷۵ء سے سنہ ۷۸۵ء تک

خلیفہ المنصور کے بعد اس کا بیٹا المہدی مسندِ خلافت پر بیٹھا اس خلیفہ کے عہد میں بھی متعدد بغاوتیں اور شورشیں اٹھیں اور بنو عباس کے اقتدار کے استحکام کا کام جس پر المنصور کا سارا عہد صرف ہوگیا تھا جاری رہا۔

خراسان میں المقنع کا خروج

سنہ ۱۶۱ھ سے سنہ ۱۶۳ھ تک سنہ ۷۷۸ء سنہ ۷۸۰ء تک

خراسان کی ولایت مذہبی اور سیاسی تحریکوں کا گہوارہ بن چکی

تھی۔ اِس ولایت کی سرحدیں مختلف مذاہب رکھنے والے ملکوں سے ملتی تھیں۔ اِس لئے یہاں پر اسلام۔ بدھ مت۔ زرتشتی دین۔ ترکوں اور مغلوں کی ارواح پرستی (شمنیّت) اور ہنود ہند کے مشرکانہ عقاید کا ایک سنگم سا بن گیا تھا۔ خراسان کے باشندے ان سب مذاہب کے جستہ جستہ عقاید سے متاثر ہوتے رہتے تھے۔ ابومسلم خراسانی مسلمان کہلانے کے باوجود تناسخ کا قائل تھا اور ہندوؤں کے عقیدہ کے مطابق خدا کا اوتار ہونے کا مدعی بن گیا تھا۔ اِس کے پیرو اور مرید بھی ہندوؤں کے بہت سے مشرکانہ عقایدرکھتے تھے۔ خلیفہ المنصور کے عہد میں ابومسلم اپنے خراسانی مریدوں کا ایک وفد لے کر خلیفہ کے حضور میں حاضر ہوا۔ اِس وفد نے خلیفہ سے التجا کی کہ ہمیں ہندوؤں کی طرح راجا پوجا کی اجازت دی جائے۔ آپ راجہ ہونے کی حیثیت سے خدا کے اوتار ہیں اور آپ کی پرستش کرنا ہمارا فرض اور ہماری نجات کا ذریعہ ہے۔ خلیفہ المنصور نے انہیں بہت کچھ سمجھایا اور کہا کہ اُن کے یہ عقاید باطل ہیں لیکن وہ نہ مانے اِس لئے خلیفہ کے حکم سے سب کے سب قتل کردیئے گئے۔ ابومسلم کے قتل کی وجہ بھی یہی تھی۔ ابومسلم کے قتل پر اس کے ایک مرید سند باد نے خراسان میں بغاوت کا عَلم بلند کیا اور ایران میں دُور تک یلغار کی۔ سند باد کی یہ بغاوت طاقت سے دبا دی گئی۔ لیکن اس واقعہ کے تین سال بعد ابومسلم کے ایک اور شاگرد اور مرید ہاشم المقنع مروی ایرانی نے خراسان میں بغاوت کا

علم بلند کر دیا۔ یہ ہاشم جو بعد میں المقنع کے نام سے مشہور ہوا ابو مسلم کا کاتب یعنی سیکرٹری رہ چکا تھا۔ ابو مسلم کے قتل ہو جانے پر المقنع نے ابو مسلم کا جانشین، خدا کا اوتار اور پیغمبر ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ ابو مسلم کے معتقدین اس کے گرد جمع ہونے لگے۔ المقنع لوگوں کو ماہ نخشب" کا معجزہ بھی دکھاتا تھا۔ یعنی اپنے حکم سے تاریک راتوں میں آسمان پر ماہتاب نکال کر دکھایا کرتا تھا۔ اس شعبدہ بازی کے لئے اس نے پارے سے بھرا ہوا ایک حوض بنا رکھا تھا رات کے وقت اس کا عکس آسمان پر ڈالا جاتا تھا۔ جو دیکھنے میں چاند معلوم ہوتا تھا جب اس نے اپنے مریدوں اور معتقدوں کی اچھی خاصی جمعیت فراہم کر لی تو اس نے خلیفہ المہدی کے عہد میں ۷۷۸ء میں سنام کے قلعے سے بغاوت کا علم بلند کر دیا اور تھوڑے ہی دنوں میں خراسان کی ساری ولایت سر کر لی۔ خلیفہ عبدالمہدی نے المقنع کی سرکوبی کے لئے لشکر بھیجا المقنع متعدد شکستیں کھانے کے بعد قلعہ نشین ہو گیا اور آخر ۷۸۰ء میں محاصرہ کی شدت سے تنگ آکر اور خلیفہ کے لشکروں کے حملوں کی تاب نہ لا کر اپنے بال بچوں سمیت آگ میں جل مرا۔ یعنی راجپوت عورتوں کی طرح جوہر کی رسم ادا کر دکھائی۔

جرجان میں مزدکیوں کی شورش

۱۶۲ھ ۷۷۹ء

۷۷۹ء میں ایران کے شمالی صوبہ جرجان یا گورگان میں

مزدکیوں کی تحریک نے پھر زور پکڑا۔ یہ لوگ عصر حاضر کی اصطلاح میں اشتراکی تھے۔ یعنی زر۔ زن اور زمین کو سب لوگوں کی مشترکہ ملکیت قرار دیتے تھے۔ خراسان میں المقنع کا زور ٹوٹنے کے بعد المقنع کے بہت سے شاگردان کے ساتھ آن ملے۔ خلیفہ المہدی کے زمانے میں ان کی جمعیت ترقی کرنے لگی۔ لیکن انہوں نے کوئی ایسی حرکت نہ کی کہ حکومت کو ان کا نوٹس لینے کی ضرورت محسوس ہوتی

افریقیہ کے بربریوں کی شورش

شمالی افریقیہ کے بربری قبائل مسلمان ہو چکے تھے لیکن بنو امیہ کے عہد سے انہیں دوسرے درجے کے مسلمان سمجھا جاتا تھا۔ یعنی عرب انہیں حقارت کی نگاہوں سے دیکھتے تھے اور اپنے سے درجہ میں کم خیال کرتے تھے۔ بربریوں نے خلفائے بنو امیہ کے عہد میں بھی متعدد شورشیں برپا کیں اور اسی سلسلے میں انہوں نے خلیفہ المہدی کے زمانے میں بھی قیروان کے نزدیک شورش برپا کر دی۔ عربوں کے استکبار کی وجہ سے بربری قبائل نے خارجیوں کے عقائد قبول کر لئے تھے۔ اور خارجی انہیں وقتاً فوقتاً حکومت کے خلاف بھڑکاتے رہتے تھے۔ بربریوں کی یہ شورش آسانی کے ساتھ فرو کر لی گئی۔

احتساب شرعی کا محکمہ

خلیفہ المہدی کے زمانے میں بعض لوگوں کے طبائع دین اسلام کے معتقدات کی طرف سے منحرف ہونے لگے۔ خلیفہ المہدی نے دینی عقاید کا احتساب کرنے کے لئے ایک محکمہ قائم کر دیا۔ اور جابجا ایسے افسر مقرر کر دیئے جو ملحدوں اور زندیقوں کے خیالات کا محاسبہ کرنے کے بعد انہیں سزائیں دیتے تھے۔ یہ افسر "عارف" کہلاتے تھے۔ اس محکمہ کے ہاتھوں ایک شخص عبداللہ ابن المقفّع ایرانی نے موت کی سزا پائی۔ یہ شخص نو مسلم تھا جس کا پہلا نام روزبہ تھا۔ اس نے "خدائی نامہ" اور "کلیلہ و دمنہ" کا ترجمہ عربی میں کیا۔ اور ایک نیم سیاسی اور نیم مذہبی سی تحریک جاری کر دی۔ محکمۂ احتساب عقائد نے جب اس سے بازپرس کی تو اُس نے اپنی صفائی میں اپنے بیان کا ایک ایسا مسودہ تیار کیا جو ذو معنی تھا۔ "عارف" نے اُسے قتل کرا دیا۔

اسی طرح بصرہ کے ایک شاعر صالح ابن عبدالقدوس نے اپنے ملحدانہ عقاید کی تلقین شروع کر دی۔ وہ زرتشتیوں کی طرح نیکی اور بدی کی دو الگ الگ مستقل طاقتوں کا قائل تھا یعنی زرتشتیوں کے اہرمن اور یزدان کی طرح دو خداؤں کا وجود مانتا تھا۔ اس کے علاوہ وہ بعض باتوں میں اپنے آپ کو مانیشیوں اور مزدکیوں یعنی مانی اور مزدک کے پیروؤں کا ہم خیال بھی ظاہر کرتا تھا۔ جب اُسے

پتا چلا کہ حکومت اُسے احتساب کے شکنجے میں کسنے والی ہے تو دمشق کی طرف بھاگ گیا۔ لیکن وہاں سے پکڑ کر بصرہ لایا گیا۔ "عارف" کی عدالت نے اُس کے عقائد سے آگاہ ہونے کے بعد اس پر زندیق ہونے کا فتویٰ لگا دیا اور اسے صلیب پر لٹکانے کی سزا دی۔ یہ واقعہ سنہ ۷۸۳ء میں رونما ہوا۔

ایک اور شاعر بشار ابن برد بھی کھلم کھلا آتش پرستی کی تلقین کیا کرتا تھا اسے بھی موت کی سزا ملی۔ ملحدوں اور زندیقوں کے علاوہ خود مسلمانوں میں حکومت کے مسلمہ عقائد سے اختلاف رکھنے والوں کو بھی احتساب کے شکنجے میں کسا جاتا تھا۔ المہدی کے زمانے میں اہلِ سنت والجماعت کا مسلک سرکاری مذہب سمجھا جاتا تھا۔ اس مسلک کے عقائد کے برخلاف تلقین کرنے والوں سے احتساب کا محکمہ باز پرس کرتا تھا اور فتوے لگایا کرتا تھا۔ یہ واقعات ظاہر کرتے ہیں کہ خلفائے بنو عباس کے زمانے میں مختلف قوموں اور مذہبوں کے باہمی اختلاط کی وجہ سے لوگوں کے مذہبی عقائد میں فرضیت رونما ہونے لگی تھی اور الحاد و زندقہ کی عام رو چل نکلی تھی۔

(۴)

خلیفہ الہادی

۱۶۹ھ ۱۷۰ھ
سے
۷۸۵ء ۷۸۶ء
تک

المہدی کے بعد الہادی خلیفہ بنا جس نے صرف ایک سال حکومت کی۔ اس کے عہد کا کوئی واقعہ قابلِ ذکر نہیں۔

(۵)

ہارون الرشید

۱۷۰ھ سے ۱۹۳ھ تک

۷۸۶ء سے ۸۰۹ء

الہادی کے بعد ہارون الرشید خلیفہ بنا۔ اس خلیفہ کا عہد عوام کی خوشحالی کا زمانہ تھا۔ جس میں علم و فن، صنعت و حرفت۔ اور داخلی اور خارجی تجارت نے بہت ترقی کی ہارون الرشید کے عہد میں مملکت کے خزانے مال و دولت سے معمور ہو چکے تھے۔ اس لئے ہارون الرشید کے دربار کی شان و شوکت اپنے عہد کے تمام دوسرے بادشاہوں سے بہت ارفع ہو گئی تھی۔ زندگی کے ہر شعبہ میں مسلمان دوسری اقوام پر بازی لے گئے تھے۔ خلیفہ ہارون الرشید کے عہد کے اہم واقعات بصورت ذیل ہیں:۔

برامکہ کا عروج وزوال

ہارون الرشید نے یحییٰ برمکی کو جو اس کے پیشرو کے عہد میں آذربیجان کا گورنر تھا اپنا وزیر بنایا اور اس کے بیٹوں فضل اور جعفر کو بھی اچھے عہدوں پر فائز کر دیا۔ برامکہ کا خاندان بنو عباس کا پرانا وفادار ملازم تھا۔ ابوالعباس السفاح نے خالد ابن برمک کو جو کاتب یعنی سیکرٹری تھا۔ اپنا وزیر بنا لیا تھا۔ برامکہ یا برمکیوں کے آباؤ اجداد ولایت بلخ کے شہر نوبہار کے باشندے تھے۔ اور وہاں بدھ بھکشوؤں کی مشالہ کے پروہت تھے۔ بنو امیہ کے عہد میں جب عربوں نے بلخ کی ولایت کو سر کیا تو مسلمان ہو گئے۔ خالد ابن برمک بہت قابل شخص تھا۔ اُس نے لڑکپن کا زمانہ ابومسلم اور قحطبہ کی فوج میں بھرتی ہو کر بسر کیا۔ السفاح نے اُسے وزیر بنا لیا۔ خالد مالیات اور تعمیرات کا ماہر تھا اور بڑا بہادر سپاہی تھا۔ السفاح کے بعد طبرستان کا گورنر بنا پھر المنصور کے عہد میں موصل کی گورنری پر فائز ہوا۔ اس کا بیٹا یحییٰ آذربیجان کا گورنر بنایا گیا۔ یحییٰ المہدی اور الہادی کے زمانے میں شہزادہ ہارون الرشید کا وفادار رہا۔ اور اُس کی مالیات کا انتظام کیا کرتا تھا۔ ہارون الرشید نے خلیفہ بنتے ہی یحییٰ کو اپنا وزیر بنا لیا اور مملکت کا انتظام اسی پر چھوڑ دیا۔ ہارون خود عیش و نشاط میں زندگی

بسر کرتا تھا لیکن رعایا کے حالات سے باخبر رہتا تھا۔ وزیر کے کاموں کی بھی نگرانی کرتا تھا۔ یحییٰ بہت بوڑھا ہو چکا تھا اس لئے ہارون الرشید نے اُس کے بیٹے جعفر برمکی کو اپنا وزیر بنا لیا۔ برمکی اتنے مالدار ہو گئے تھے کہ خلیفہ کی شان و شوکت اور داد و دہش کا مقابلہ کرنے لگے تھے جعفر نے سخاوت میں بہت نام پایا اور عوام میں بہت ہی ہر دل عزیز ہونے لگا۔ ہارون الرشید اسی سال حج کو گیا۔ جہاں سے واپس آکر اُس نے جعفر کو قتل کرا دیا۔ اور اس کے سر کی نمائش کی۔ اس کے باپ اور بھائی کو زندان میں ڈال دیا۔ اور ان کی ساری جائیداد ضبط کر لی۔

شام میں شورش

سنہ ۱۸۳ھ سنہ ۷۹۹ء

شام کے عرب قبائل بنو قیس اور بنو کلب جو شروع ہی سے ایک دوسرے کے حریف چلے آرہے تھے۔ آپس میں لڑ پڑے۔ ساری ولایت میں لوٹ مار غارت گری اور تاراجی کا بازار گرم ہو گیا۔ جعفر برمکی وزیر نے خود شام میں جا کر اس فتنہ و فساد کو دبایا۔ اور امن قائم کیا۔

شمالی افریقہ میں شورش

سنہ ۱۸۳ھ ۔ ۷۹۹ء

ہارون کے عہد میں شمالی افریقہ کے بربری قبائل نے پھر سر اُٹھایا ۔ اس بغاوت کو جنوبی الجزائر کے حاکم ابراہیم ابن اغلب نے جو زاب میں رہتا تھا کامیابی کے ساتھ فرو کیا ابراہیم کا باپ اغلب چند سال پہلے کی شورش میں جو خلیفہ المہدی کے عہد میں پھوٹی تھی بربریوں کے ہاتھ سے مارا گیا تھا ۔ اس کارنامہ پر خوش ہو کر ہارون الرشید نے ابراہیم ابن اغلب کو شمالی افریقہ کا موروثی سلطان بنا دیا ۔ ابراہیم نے عباسیہ کے نام سے ایک نیا شہر آباد کیا ۔ فرانس کے بادشاہ شارلیمان نے سلطان ابراہیم کے پاس اپنے سفیر بھیجے اور دوستانہ مراسم پیدا کرنے کی خواہش ظاہر کی ۔

رومیوں سے جنگ

سنہ ۱۸۷ھ ۔ ۸۰۳ء

ایشیائے کوچک کی بازنطینی رومی مملکت اور اسلامی خلافت کے درمیان خلفائے بنو امیہ ہی کے زمانے سے جنگ و جدال کے معرکے

برپا ہوتے رہتے تھے۔ جو بنو عباس کے ابتدائی خلفا کے زمانے میں بھی جاری رہے۔ اس سے حد پر مسلمان غازیوں کی چھاؤنیاں مستقل طور پر قائم رہتی تھیں اور جہاد کا فریضہ ادا کرنے کے لئے عام مسلمان بھی رضا کارانہ طور پر آتے رہتے تھے۔ ہارون الرشید کے عہد میں رُوم کے عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان ایک بڑی جنگ واقع ہوئی خلیفہ کے لشکر نے آگے بڑھ کر ہرقلیہ کے شہر پر قبضہ جمالیا۔ قسطنطنیہ کا قیصر نقفور سس (نقفور) دب کر صلح کرنے پر مجبور ہوگیا۔ اور اس نے دربارِ خلافت کو سالانہ خراج بھیجنا منظور کرلیا۔

ترکستان میں شورش

۱۸۹ھ ۔ ۸۰۵ء

۸۰۵ء میں ترکستان کے حاکم رفیع ابن لیث نے سمرقند میں بغاوت کا علم بلند کردیا۔ اور جیحون پار کے ملک پر قبضہ جمالیا۔ ہارون الرشید رفیع ابن لیث کی سرکوبی کے لئے خود لشکر لے کر جارہا تھا کہ راستے میں فرشتۂ اجل آن پہنچا اور ہارون الرشید فوت ہوگیا۔

علمی اور ادبی سرگرمیاں

ہارون الرشید کا عہد عربوں اور عجمی مسلمانوں کی علمی اور ادبی

سرگرمیوں کے موسم بہار کا زمانہ متصور ہوتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد میں آکر علم و فضل کے چشمے یک لخت ابل پڑے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ علمی تحقیقات و تحصیلات کے ذوق و شوق کی بنیادیں بنو اُمیہ ہی کے عہد میں تیار ہونے لگی تھیں اور مدینہ شریف کے دینی حلقوں میں قرآن فہمی حدیث گوئی اور قرآن کی صحت الفاظ و صحتِ اعراب کے تحفظ۔ احادیث کی صحت و حفاظت کے بے پناہ شوق نے جو تابعین اور تبع تابعین کے دلوں میں پرورش پاتا رہا اور ان کے شاگردوں میں منتقل ہوتا چلا گیا، مسلمانوں کے اسی ذوق کو بہت کچھ ترقی دی۔ خلفائے بنو عباس اگر ظاہری ٹھاٹھ باٹھ اور دُنیوی شان و شوکت کے لحاظ سے خلفائے بنو اُمیہ کے پُورے پُورے مقلد تھے۔ بلکہ اُن پر بھی بازی لے گئے تھے۔ لیکن ایک بات میں وہ خلفائے بنو اُمیہ پر فوقیت رکھتے تھے۔ خلفائے بنو عباس کو دین و علم کے ساتھ دلی وابستگی تھی۔ وہ علمار اور صلحا کی قدر کرتے تھے۔ اور ہر قسم کے علم و فن کی سرپرستی کرتے تھے۔ خلفائے بنو اُمیہ کی بہ نسبت ان کا عہد مملکت کی اکثریت کے لئے امن و سلامتی۔ خوش حالی اور فارغ البالی کا زمانہ تھا۔ اس لئے لوگوں کے علمی ذوق نے بہت ترقی کی۔ اور اس عام علمی ذوق و شوق کے نتائج خلیفہ ہارون الرشید کے عہد میں نمایاں طور پر ظاہر ہونے لگے۔ قرآن کریم کو بجنسہٖ و بلفظہٖ محفوظ رکھنے کے شوق نے

بعض علماء کو فنِ تجوید کو ترقی دینے کی طرف راغب کیا۔ ہارون کے عہد میں خلیل بصری نے "کتاب العین" کے نام سے تجوید کی ایک لغت تیار کی۔ جس میں قرأت کے اصول مقرر کر دیئے۔ اسی خلیل نے قرآن پاک کے مستند طرزِ تحریر کو سامنے رکھ کر علم نحو کے ابتدائی اصول مرتب کئے۔ خلیل بصری کے ایک عجمی شاگرد سیبویہ نامی نے ان اصولوں پر اضافہ کیا۔ خلیل نے علم عروض کی بحروں اور وزنوں پر بھی ایک رسالہ لکھا۔ کوفہ میں اسی دور میں الکسائی قاری اور نحوی نے تجوید اور نحو کے علم کو ترقی دی۔ حضرت امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کی عمر کا آخر حصہ بنو عباس کے ابتدائی دور میں گذرا۔ حضرت نے سنہ ۷۶۷ء مطابق سنہ ۱۵۰ ہجری میں خلیفہ المنصور کے عہد میں وفات پائی۔ اسلامی فقہ کو تدوین کرنے کی پہلی جامع اور کامیاب کوشش کا سہرا انہی کے سر پر ہے۔ فقہ کے جو اصول حضرت امام اعظمؒ نے وضع کر دیئے ان پر مسلمانانِ عالم کی بھاری اکثریت آج کے دن تک کاربند ہے۔ امام مالک ابنِ انسؒ بھی اسی زمانہ میں مدینہ میں بیٹھے فقہ کی تدوین کر رہے تھے۔ اور شریعت مصطفویؐ کے نفاذ کے لئے کوشاں تھے۔ جو حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کی وفات سے ۲۹ سال بعد سنہ ۱۷۹ھ میں فوت ہوئے امام مالکؒ کی زندگی کا ایک اہم واقعہ یہ ہے کہ آپ نے جبری طلاق کے ناجائز ہونے کا فتویٰ صادر کیا تو خلیفہ المنصور نے آپ کو اونٹ پر سوار کر کے تشہیر

کرائی اور اتنے تازیانے لگوائے کہ آپ کے دونوں بازو بیکار ہو گئے امام مالک اونٹ پر بیٹھے اعلان فرماتے رہے کہ میں مالک بن انس ہوں اور میں نے فتویٰ دیا ہے کہ جبری طلاق ناجائز ہے۔ بعض رواۃ لکھتے ہیں کہ خلیفہ المنصور کو شبہ تھا کہ امام مالک رحؒ نے النفس الزکیہ محمد بن عبد اللہ ابن حسن رضؓ کے دعوائے خلافت کی حمایت کی تھی۔ اس وجہ سے امام مالک خلیفہ کے زیرِ عتاب آ گئے اور مسئلہ طلاق کو بہانہ بنا کر انہیں تشدد کی آماج گاہ بنا لیا گیا۔ امام اعظم رضؓ کے شاگرد امام ابو یوسف خلیفہ ہارون الرشید کے عہد میں شیخ اسلام اور مفتی اعظم مقرر ہوئے۔ بعض مسائل میں ان کا اجتہاد بھی متاخرین کے لئے سند بن گیا۔

بنو امیہ کے عہد میں عروہ۔ زہری۔ موسیٰ ابن عقبہؒ۔ اور ابو معشر ایسے مصنفین تھے۔ جنہوں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر کتابیں لکھیں اور مغازی یعنی عہدِ نبوت کی جنگوں کے حالات مرتب کئے۔ یہ شوق خلفائے بنو عباس کے ابتدائی دور میں بھی ترقی پذیر رہا۔ چنانچہ ابنِ اسحاق نے مغازی اور سیرتِ رسول پر کتاب لکھی۔ ابن اسحاق کی علمی عمر کا زمانہ ۱۲۵ھ سے ۱۵۱ھ یا ۷۵۲ء سے ۷۶۳ء تک کا سمجھا جاتا ہے۔ اس نے یہ کتاب خلیفہ المنصور کے لئے لکھی تھی۔ امام زہری کے شاگردان کی خدمت میں رفعِ اشتباہات کے لئے حاضر ہوا کرتے تھے۔ بعد کے

مصنفین نے ابنِ اسحاق کے بہت سے حوالے دیئے ہیں۔ اصل تصنیف بھی ناپید نہیں ہوئی۔ کیونکہ دَورِ مابعد کے مورخ ابنِ ہشام نے ابنِ اسحٰق کی ساری کتاب اپنی تصنیف سیرتِ رسولؐ میں نقل کردی ہے۔ اور ابنِ ہشام کی ضخیم تصنیف ملکِ شام کے اندر پُوری کی پُوری طبع ہو چکی ہے۔

ایک اور مورّخ واقدی بھی اسی عہد کی پیداوار ہے۔ جو ۱۳۰ھ میں پیدا ہوا اور ۲۰۷ھ ہجری میں فوت ہوا۔ یہ شخص خلفائے بنو عبّاس کا پروردہ تھا۔ اور بغداد کا قاضی تھا۔ واقدی نے اپنی تصانیف میں داستان سرائی اور مبالغہ آرائی سے بہت کام لیا۔ بعد کے ادوار کے اکثر مورّخ واقعات بیان کرنے میں اس کی تحریروں سے دھوکا کھا جاتے ہیں۔ اس کے شاگرد اور کاتب (سیکرٹری) محمد ابنِ سعد نے بھی اسی موضوع پر کتابیں لکھیں اور سوانح نویسی کی صنف کی ابتدا کی۔

امویوں یعنی خلفائے بنو اُمیّہ کی تاریخ اُن کے آخری عہد میں ابو مخنف ابنِ یحییٰ نامی ایک شخص نے مرتّب کی انقلابِ حکومت کے بعد اُس نے خلفائے بنو عباس کی ملازمت اختیار کرلی۔ اور عبّاسی دربار کو بنو اُمیّہ کی ایسی کمزوریوں سے آگاہ کیا جو اُنہیں معلوم نہ تھیں۔ غرناطہ کی اموی امارت کے دربار نے خلیفہ المنصور کے پاس اعتراضات لِکھ کر بھیجے۔ جس کا جواب عبّاسی دربار نے ابو مخنف کے بتائے ہوئے

حالات کی روشنی میں دیا۔ ابو مخنف نے اصنام کے حالات پر ایک کتاب لکھی۔ اسی عہد میں نصر نے جنگِ صفّین کے حالات پر مشتمل ایک کتاب لکھی جو شیعہ فرقہ کے لوگوں میں بہت مقبول ہوئی۔ سیف ابن عمر الاسدی نے جنگِ جمل کے حالات پر اور حضرت صدیق رضؓ کے عہد کے فتنۂ ارتداد کے حالات پر الگ الگ کتابیں لکھیں۔ اور ان میں بہت کچھ رنگین بیانی سے کام لیا اور اپنے قبیلہ کی بہت تعریف کی بعد میں آنے والے مورخین اس کے بیان سے بہت کچھ دھوکا کھاتے رہے۔ خلیفہ ہارون الرشید کے عہد میں علّان الشعوبی نے قبائل عرب کے حالات پر ایک کتاب لکھی۔

بنو عبّاس کے ابتدائی خلفاء کے عہد میں شعر و شاعری کا انداز قریب قریب وہی رہا جو بنو اُمیّہ کے زمانے میں بن چکا تھا۔ بدوی شاعری رجز و تعلّی کے مضامین سے مملو تھی۔ شہری شاعری کی صنفِ اعظم قصیدہ گوئی تھی۔ ہر قصیدہ متعدد اصنافِ سخن پر مشتمل ہوا کرتا تھا۔ جس میں تشبیب گریز مدح اور التجا و دُعا کے ابواب کا ہونا ضروری سمجھا جاتا تھا۔ موضوعاتِ سخن یہی عشق معاشقہ۔ شکار، شراب، مینا و ساغر۔ ہجو دُنیا کی بے ثباتی اور نوحہ گوئی وغیرہ کے مضامین رائج تھے۔ عبّاسی عہد کے شعراء نے شاعری اور زبان کو بہت جلا دی۔ ایرانی نژاد اور ترکی نژاد شعراء نے بھی عربی زبان میں نظمیں لکھ کر زبان دانی اور سخن گوئی کے جوہر دکھائے۔ خلیفہ ہارون الرشید کے

عہد میں مروان ابن ابی حفصہ شاعر خراسان کے ایک یہودی کا بیٹا تھا۔ خالف الاحمر شاعر فرغنہ (ترکستان) کے ایک آزاد شدہ شخص کا پوت تھا۔ ابو نواس ایک ایرانی دھوبن کا لختِ جگر تھا۔ ابوالعتاہیہ عرب شاعر موت کے مضامین کا ترجمان تھا۔ اس کے کلام میں دنیا کی بے ثباتی اور زندگی کے خاتمہ کے مضامین کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ خلفائے بنو عباس نے علم و ہنر کی سرپرستی کے ساتھ ہی فنونِ لطیفہ کی سرپرستی کو بھی فراموش نہیں کیا۔ بلکہ موسیقی اور مصوری کو بہت کچھ فروغ دیا۔ ہارون الرّشید کے عہد میں ابراہیم ابن الموصلی اور اس کا بیٹا اسحق درباری گویّے تھے اور کنیزوں کو رقص و سرود کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ ان دنوں میں شاہی دربار اور معاشرے کے ثروت مند طبقات میں گانا بجانا سننے کا شوق بہت ترقی کر گیا تھا۔ مغنّیات پردے کے پیچھے بیٹھ کر گاتی اور ساز بجاتی تھیں۔ اور لوگوں نے علمی حیثیت سے بھی موسیقی کے قواعد و ضوابط کی تدوین شروع کر دی تھی۔ علم الغنا اور علم الموسیقہ پر بہت رسالے لکھے گئے۔ خلیفہ ہارون الرّشید کے دربار میں گویّوں سازندوں۔ بذلہ سنج اہلِ لطیفہ گو ظریفوں۔ شاعروں۔ بیت خوانوں۔ عالموں اور مختلف فنون کے ماہروں کا جمگھٹا لگا رہتا تھا۔ علم طب پر خاص توجہ مبذول کی جاتی تھی۔ خلیفہ ہارون الرّشید کے عہد میں بغداد میں پہلا سرکاری ہسپتال قائم کیا گیا۔ خوزستان ایران میں ایک پرانا ہسپتال پچھلے زمانوں سے چلا آتا تھا۔ جس کے اطبّاء علاج کے لئے شاہی دربار میں بلائے جاتے تھے۔

(۶)

الامین ابن ہارون الرشید

سنہ ۱۹۳ھ سے سنہ ۱۹۸ھ تک
سنہ ۸۰۹ء سے سنہ ۸۱۳ء

ہارون الرشید کے بعد اس کا بیٹا امین تختِ خلافت پر متمکن ہوا۔ اور خلیفہ بننے کے ساتھ ہی عیش پرستی کی طرف مائل ہوگیا اس نے اپنے چھوٹے بھائی قاسم کو جسے ہارون الرشید نے اس کے بعد ولی عہد مقرر کیا تھا۔ ولیعہدی کے منصب سے معزول کردیا اور اپنے بڑے بھائی مامون الرشید کا خاتمہ کرنے کے لئے خراسان کی طرف لشکر بھیجا۔ مامون خراسان کا بیدار مغز حاکم تھا۔ اس کی ماں ایک عجمی عورت تھی۔ اور ہارون الرشید نے اپنی چہیتی ملکہ زبیدہ کی خواہش پر مامون کے بجائے زبیدہ کے بیٹے

امین کو ولی عہد بنا دیا تھا۔ مامون اپنے حسنِ انتظام اور حسنِ سلوک کے باعث مملکت میں ہر دلعزیز تھا۔ امین نے اُسے اپنا خطرناک حریف سمجھتے ہوئے اس پر لشکر بھیج دیا۔ جس کا سپہ سالار ابن عیسےٰ تھا۔ مامون نے اپنے سپہ سالار طاہر بن حسین کو لشکر دے کر مقابلے کے لئے بھیجا۔ خراسان کی سرحد پر لڑائی ہوئی۔ امین کے سپہ سالار نے شکست کھائی اور مارا گیا طاہر نے اُس کا سر کاٹ کر مامون کی خدمت میں بھیج دیا۔ خلیفہ امین الرشید نے دوسرا لشکر بھیجا اُس نے بھی شکست کھائی۔ تیسرا لشکر روانہ کیا جس نے خانقین کے مقام پر پہنچ کر آگے بڑھنے اور مامون کے خلاف لڑنے سے انکار کر دیا۔ ان شکستوں اور امین کی حرکتوں کے باعث عوام الناس میں بہت بد دلی پھیل گئی تھی اور فوج میں بغاوت کے آثار رونما ہونے لگے تھے۔ اتنے میں عرب کے امرار نے مامون کو خلیفہ قرار دیتے ہوئے اپنے بیعت نامے بھیج دیئے اور حسین ابن علی نامی ایک سالار فوج نے امین کے قصر کا محاصرہ کر لیا مامون کے دو جرنیل طاہر اور جرثمہ مارچ کرتے ہوئے بغداد میں آن داخل ہوئے اور انہوں نے محلہ بہ محلہ شہر پر قبضہ جما لیا۔ امین نے ہتھیار ڈال دیئے جرثمہ نے اُسے جان کی امان دے دی تھی لیکن طاہر کے آدمیوں نے قصرِ خلافت پر حملہ کر کے اُسے مار ڈالا۔

امین بہت کاہل۔ عیاش اور ناقص العقل حکمران ثابت ہوا۔ مصنف آغانی لکھتا ہے کہ امین کا حال یہ ہو گیا تھا کہ ساری رات

و نغمہ کی سرمستیوں میں گذار دیتا تھا۔ ایک رت جگے میں خلیفہ اور اُس کے خاندان کے ذکور و اناث نیز اس کے اہلِ دربار اکٹھے مل کر گاتے اور ناچتے رہے۔ غلط بخشیوں کا یہ عالم تھا کہ امین نے اپنے چچا ابراہیم راگی کو ابو نواس کا ایک شعر گانے پر تین لاکھ درہم بخش دیئے۔ الامین کی کشتیاں جن پر بیٹھ کر وہ دریائے دجلہ میں دادِ عیش دیا کرتا تھا۔ مختلف جانوروں مثلاً مچھلی، عقاب، شیر وغیرہ کی شکلوں پر بنوائی گئی تھیں۔ ایک ایک کشتی پر تین تین کروڑ درہم صرف ہوئے۔ امین نے اپنے دربار میں بے ریش و بردت لڑکوں کو رکھنے کا رواج چلایا اور معاشرے میں امرد پرستی کے عجمی ذوق کو ترقی دی۔ امین کی ان حرکات سے اس کی ماں زبیدہ بھی سخت بیزار ہو گئی تھی۔ جس کا اظہار اُس نے اپنے اشعار میں کیا ہے۔

---

(۷)

مامون الرشید (ابوجعفر)

سنہ ۱۹۸ھ سے سنہ ۲۱۸ھ تک

سنہ ۸۱۳ء سے سنہ ۸۳۳ء

داخلی شورشیں

امین کے بعد مامون خلیفہ بنا جس نے ہارون الرشید کی طرح بڑی شان وشوکت سے بیس سال حکومت کی۔ تاہم اس کے عہد میں متعدد داخلی شورشیں رونما ہوئیں جن کو سخت نقصان کے ساتھ دبا دیا گیا۔ سب سے پہلے عراق میں محمد ابن ابراہیم بن طباطبا کی سرکردگی میں علویوں نے شورش برپا کی جسے مامون کے جرنیل ہرثمہ نے فرو کیا۔ اس کے بعد خود ہرثمہ سرکش ہو گیا اور کیفر کردار کو پہنچا۔ بغداد کے

کے لوگوں نے منصور ابن مہدی کو خلیفہ بنایا لیکن وہ مامون کا وفادار رہا۔ مامون نے علویوں اور شیعوں کو اپنانے کے لئے امام علی ابن موسیٰ رضا سے اپنی بیٹی کا نکاح کردیا اور انہیں اپنا داماد بنا لیا۔ بلکہ انہیں اپنا ولی عہد نامزد کردیا۔ اور حکم دیدیا کہ کوئی شخص نہ تو عباسیوں کا سیاہ لباس پہنے نہ علویوں کا سبز رنگ اختیار کرے۔ مامون عباسیوں اور علویوں کی اس رقابت کو جو بنو عباس کے خلیفہ بننے پر چل نکلی تھی ختم کردینے کا خواہاں تھا۔ لیکن عباسی خاندان کے افراد نے خلیفہ کے اس رجحان کو ناپسند کیا اور انہوں نے عراق میں مامون کے چچا ابراہیم راگی کو خلیفہ بنا لینے کا اعلان کردیا۔ مامون عباسیوں کی اس شورش کو سخت ہاتھوں سے دبانے کا خواہاں تھا کہ امام علی بن موسیٰ رضا ؒ ۲۰۳ھ ہجری میں خلیفہ کے ہمراہ مرو سے واپس جاتے ہوئے راستے میں فوت ہوگئے۔ اس حادثہ سے متاثر ہوکر مامون نے عباسیوں پر سختی کرنے کا خیال ترک کردیا اور ابراہیم نے بھی خلیفہ کے سامنے سرِ اطاعت والتیا و جھکا دیا۔

طاہر ابن الحسین کے بیٹے عبداللہ نے حلب میں امین کے حاکم کو شکست دے کر ملک شام کو مامون کی عملداری میں شامل کیا۔

آذربیجان میں ایک شخص بابک نامی نے زر، زن اور زمین کو اجتماعی ملکیت سمجھنے والوں کا قائد بن کر شورش برپا کی ایک ابومسلم خراسانی اور نبوت و رسالت کے جھوٹے مدعی المقنع کے

پیروؤں میں سے تھا۔ شورش آسانی کے ساتھ فرو کر لی گئی (ابو مسلم اور مقنع کا حال گزشتہ اوراق میں اپنے مواقع پر بیان کر چکے ہیں)

خلیفہ بننے کے بعد مامون نے خراسان کو چھوڑ کر دارالخلافت بغداد کی سکونت اختیار کر لی۔ اس لئے خراسان کے خارجی عناصر کو سر اُٹھانے کا موقع مل گیا، خراسان کے حاکم طاہر ذوالیمینین نے اس شورش کو طاقت سے فرو کیا۔

خارجی مُہمیں

خلیفہ مامون کے عہد میں مصر کی بندرگاہ اسکندریہ پر قسطنطنیہ کے عیسائی حکمرانوں کے بیڑے نے حملہ کیا۔ شام کے حاکم عبداللہ بن طاہر نے حملہ آوروں کو شکست فاش دی اور اُنہیں جزیرہ کریٹ (اقریطش) کی طرف مار بھگایا ۸۲۶ء میں مصر و شام کی فوجوں نے کریٹ کے جزیرہ کو سر کیا اور سسلی (صقلیہ) پر حملہ کر دیا۔ ۸۳۱ء میں سسلی کے مقام پلرمو پر قبضہ جما لیا۔ ۲۱۵ ہجری مطابق ۸۳۰ء میں قیصر روم کے ساتھ جنگ چھڑ گئی۔ اور مامون کو پے در پے تین مہمیں ایشیائے کوچک کی طرف بھیجنی پڑیں۔ خلیفہ کی افواج نے ولایت طرطوس کا قلعہ لؤلؤ سر کر لیا۔ ۲۱۸ھ میں مامون خود لشکر لے کر جا رہا تھا کہ راستے میں فرشتہ اجل نے اس کی زندگی کا خاتمہ کر دیا۔

علمی ادبی اور فکری سرگرمیاں

ہارون الرشید کا عہد عربی لٹریچر کا موسم بہار کہلاتا ہے اس کے عہد میں علمی تفتیش کا ذوق بھی مسلمانوں میں کافی حد تک ترقی کر گیا تھا۔ مامون الرشید کے عہد میں علمی اور فکری سرگرمیاں اپنے معراجِ کمال کو پہنچتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ مامون بہت علم دوست اور عالم پرور حکمران تھا اور معاشرے میں حصول علم اور تفتیش علمی کا ذوق اس حد تک ترقی کر گیا تھا کہ اس کی نظیر عصرِ حاضر میں یورپ ہی کے ملکوں نظر آتی ہے مامون کے عہد میں جبکہ یورپ کا شاندار فرمانروا شارلیمان اعظم اور اس کے درباری اسلامیانِ اندلس کی علمی ترقیات سے متاثر ہو کر ابھی نوشت و خواند میں ابتدائی مہارت حاصل کر رہے تھے۔ خلیفہ مامون نے دارالخلافت بغداد میں بیت الحکمت کے نام سے یونان کی قدیم کتابوں اور رسالوں کو عربی زبان میں ترجمہ کرنے کا محکمہ قائم کیا۔ اس محکمہ کا ناظم اعلیٰ حسین ابن اسحاق نامی ایک نسطوری عیسائی طبیب تھا۔ اسے پانچ سو طلائی دینار یعنی پانچہزار روپیہ پاکستانی ماہوار تنخواہ ملتی تھی اور جو شخص کسی کتاب کا ترجمہ کرتا تھا اُسے کتاب کے وزن کے برابر سونا انعام

ادیا جاتا تھا۔ یونانی زبان کی پرانی کتابیں ملک کے اندر اور باہر سے بھاری قیمتیں ادا کر کے خریدی جاتی تھیں۔ تراجم کی نقلیں کاتب لکھتے اور ملک میں نشر کرتے تھے۔ مامون کے زمانے تک علم کے پروانے مختلف اصناف علمی کی داغ بیل ڈال سکتے تھے۔ جن میں فقہ۔ حدیث۔ اسماء الرجال۔ الٰہیات۔ صرف و نحو۔ قواعد لسان۔ عروض۔ تاریخ۔ بلاغت۔ فلسفہ۔ منطق۔ علم الکلام۔ طب۔ ریاضی۔ حساب۔ ہیئت۔ نجوم۔ موسیقی۔ میکانیکی۔ تاریخ۔ طبیعات۔ کیمیا۔ ادویہ سازی۔ عطاری۔ بیطاری وغیرہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ مامون کے حکم سے ہیئت دانوں نے عراق عرب کے ایک دشت کی پیمائش کی اور علم ریاضی کے گروں سے حساب لگا کر کرہ ارضی کے محیط اور قطر کا اندازہ لگایا۔ یہ پیمائش اتنی صحیح تھی کہ عصرِ حاضر کی پیمائشوں نے جو علم ساحت کے ترقی یافتہ اصولوں پر مبنی ہیں اس کی تصدیق کر دی۔

خلیفہ مامون الرشید نے حفظانِ صحت عمومی کا محکمہ قائم کیا۔ مملکت کے بڑے بڑے شہروں میں سرکاری ہسپتال قائم کئے۔ طبیبوں اور عطاروں کے لئے امتحان پاس کر کے سند حاصل کرنا لازمی قرار دے دیا۔ ایک انسپکٹر یعنی نگران مقرر کیا جو غیر سند یافتہ عطائی حکیموں کو پکڑتا تھا۔ اطبا کی جماعت دیہات کا دورہ کر کے لوگوں کا علاج کرتی تھی۔ اور انہیں حفظانِ صحت کے طریقے سکھاتی تھی۔ محابس یعنی قید خانوں میں طبیب روزانہ جاتے اور قیدیوں کی

صحت کا معائنہ کرتے تھے۔ اسی زمانے میں صرف اسلامی مملکت کے سوا دنیا کے کسی ملک میں حفظانِ صحت کا کوئی سرکاری انتظام نہ تھا۔ اسلامی حکومت ہی نے سب سے پہلے اس امر کو حکومت کے وظائف میں داخل کیا۔ علمی چرچوں کی وجہ سے لوگوں کے افکار میں بھی تحریکیں پیدا ہوئیں اور کئی قسم کی فلسفیانہ بحثیں شروع ہوگئیں اس وقت تک منطق اور علم الکلام نے بہت فروغ حاصل کر لیا۔ اور لوگوں کے طبائع دینی معتقدات میں بھی ان سے کام لینے لگے۔ ان فلسفیانہ اور منطقیانہ بحثوں نے دین میں ایک نیا مکتبِ فکر پیدا کر دیا۔ جو معتزلہ کے نام سے موسوم ہوا۔ اس مکتبِ فکر نے خلیفہ مامون اور بعد کے چند خلفا کے عہد میں بہت زور پکڑا۔ اور اس کی وجہ سے بہت سے راسخ العقیدہ علمائے دین قتل کر دیئے گئے یا قید و بند کی سختیوں کی آماج گاہ بنے۔

معتزلہ اور مسئلہ خلق قرآن

معتقدات کے لحاظ سے فکری تحریکیں بنی امیہ ہی کے زمانے میں بلکہ اس سے پہلے بھی شروع ہو چکی تھیں۔ خارجیوں نے حضرت علیؓ کے عہد ہی میں یہ عقیدہ بنا لیا تھا کہ کوئی فاسق و فاجر شخص مسلمان نہیں ہو سکتا۔ فسق و فجور ایمان کو زائل کر کے انسان کو کافر بنا دیتا ہے۔ لہٰذا ہر فاسق و فاجر واجب القتل ہے۔ ان کے مقابلے میں کچھ لوگ، اس

اعتقاد کے پیدا ہونے لگے کہ کیفیت ایمانی ناقابلِ امحاء و زوال ہے گناہوں
کے ارتکاب سے کفر لازم نہیں آتا۔ البتہ گناہوں کی سزا آخرت میں ضرور
ملے گی۔ یا اللہ تعالےٰ سب کے گناہ معاف کر کے انہیں جنت میں داخل
کر دے گا۔ یہ عقیدہ رکھنے والے لوگ مُرجیہ یعنی رجائی کہلائے ان کے
علاوہ قدریہ اور جبریہ کے نام سے اعتقادی اختلافات رُونما ہوئے
قدریہ کہتے تھے کہ جب انسان سے گناہ کا سرزد ہونا مقدور ہو چکا
ہے اور جب خیر و شر اللہ کے ہاتھ میں ہے تو جزا و سزا کے کیا معنی؟
مکتب جبریہ کے لوگ انسان کو فاعل مختار قرار دیتے تھے۔ اور کہتے تھے
کہ انسان اپنے اعمال کے لئے خدا کے سامنے جواب دہ ہے۔ صوفیائے
کرام جذب و سلوک اور عشق و محبت الٰہی کے غلبہ سے اللہ تعالےٰ
کی ذات و صفات کا عرفان حاصل کرنے کے قائل تھے۔ اور فلسفیانہ
انداز سے سوچنے والے لوگوں نے دُوسری قسم کی بحثیں ایجاد کریں جن کو
وہ منطق اور علم الکلام کے زور سے ثابت کرتے تھے۔ ایسے ہی ایک شخص
واصل بن عطا نے ایک نئے فکر کی بنیاد ڈالی اور اپنے ہم سبق عمر
ابن عبید کو اپنا ہم خیال بنا لیا۔ یہ دونوں حضرت خواجہ حسن بصری کے
کے شاگرد اور مرید تھے۔ لیکن اپنے اُستاد اور مرشد سے اختلاف کر کے
ان سے الگ ہو گئے یعنی اُنہوں نے اعتزال کی راہ اختیار کی اس لئے
وہ اور ان کے پیرو معتزلہ کہلائے۔ معتزلہ میں سے جہم بن صفوان
نامی ایک شخص نے اللہ تعالےٰ کی ذات سے اس کی صفات کو الگ

کرنے کی منطقیانہ بحث ایجاد کی۔ اور کہا خدا کی صفات اس کی مخلوق ہیں۔ لہٰذا اس کا کلام بھی مخلوق ہے۔ اس طرح مسئلہ خلقِ قرآن کی بنیاد پڑی۔ اس کے ساتھ ہی معتزلہ نے امکانِ کذب باری تعالےٰ کی بحث چھیڑ دی۔ قرآن کو مخلوق اور اللہ تعالےٰ کے امکانِ کذب کی بحثیں ہمارے خیال میں اس دور کے ملحدانہ رُجحانات کا نتیجہ تھیں۔ مقصد اسلام کے قیود سے چھٹکارا پانے کے لئے بہانے تلاش کرنا تھا۔ مامون کے عہد میں اس الحاد نے اس قدر زور پکڑا کہ ۸۲۷ء مطابق ۲۱۲ھ ہجری میں خلیفہ المامون نے "اعتزال" کو سرکاری مذہب قرار دے دیا اور فرمان صادر کر دیا کہ جو عالمِ دین قرآن کو غیر مخلوق قرار دے گا اُسے سزا دی جائے گی۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ اور مذہب السنت والجماعت کے دیگر راسخ العقیدہ علمائے کرام نے اس سرکاری مذہب کی تکذیب کرنا اپنا فرض منصبی قرار دے لیا۔ امام احمد بن حنبلؒ کو مسئلہ خلق قرآن سے صاف انکار کرنے کی بنا پر سرِ دربار کوڑے لگائے گئے اور زندان میں ڈال دیا گیا۔ متعدد علمائے ربانی کو اعلائے کلمۃ الحق کی بنا پر شہید کر دیا گیا اور اعتزال کے سرکاری مذہب بن جانے کے باعث علمائے حق میں اس کی کھلم کھلا مخالفت کرنے اور سزائیں پانے کی تحریک چل نکلی۔

امام شافعیؒ کی وفات

۸۲۰ء

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی خلیفہ کے عہد میں ۸۲۰ء مطابق ۲۰۵ ہجری میں وفات پائی - ان کی فقہ نے ملک مصر میں بہت عروج حاصل کیا - مصر کے مسلمانوں کی اکثریت اس زمانے میں بھی شافعی فقہ کی پیرو ہے - امام شافعیؒ ۱۵۰ ہجری میں پیدا ہوئے - امام مالکؒ کے تلامذہ میں سے تھے - اور مدینہ - بغداد - اور فسطاط میں قیام فرمایا -

المامون کی داخلی سیاست

مامون کا انداز حکومت ہارون الرشید اور پہلے عباسی خلفا سے مختلف نہ تھا - مملکت ولایات و ممالک پر منقسم تھی جن پر خلیفہ کے مقرر کردہ حاکم مامور تھے - کچھ موروثی جاگیریں بھی تھیں - جن کا انتظام خاندانی امرا کے ہاتھ میں تھا - لیکن یہ سب کے سب دربار خلافت کے تابع تھے - ہارون الرشید نے دیار مغرب (طرابلس تیونس - الجزائر اور مراقش) میں اپنے بہادر سپہ سالار ابراہیم بن اغلب کو موروثی امیر بنا دیا تھا - جس کی وجہ سے وہاں اغلبی خاندان

کی حکمرانی قائم ہو گئی۔ مامون الرشید کے عہد میں اسی طرح کی ایک موروثی امارت مشرق یعنی خراسان میں قائم کر دی گئی جہاں طاہر ابن حسین جو بعد میں طاہر ذوالیمینین کے لقب سے مشہور ہوا کو موروثی امیر بنا دیا گیا۔ طاہر نے مامون کے لئے متعدد لڑائیاں لڑی تھیں اور اس کے بیٹے عبد اللہ نے حلب میں امین کے حاکم کو شکست دی تھی۔ طاہر ذوالیمینین نے خلیفہ مامون کے عہد میں خطبہ جمعہ میں خلیفہ کا نام پڑھنا ترک کر دیا۔ لیکن مامون نے اس بات کا کوئی نوٹس نہ لیا۔ بلکہ اس کی وفات پر اس کے بیٹے طلحہ کو خراسان کا امیر بنا دیا۔ طلحہ کے بعد اس کا بھائی عبداللہ امیر بنا۔

مامون خراسان کا حاکم تھا۔ اور اس نے ترکوں۔ خراسانیوں اور ایرانیوں یعنی عجمیوں کی مدد ہی سے خلافت کا اقتدار حاصل کیا تھا۔ اسی لئے اس کے دربار میں اور اس کے نظام حکومت میں عجمی عنصر بھی دخیل ہونے لگا۔ اور عربوں کی طرح عجمی بھی مناصب حکومت پر فائز ہونے لگے۔ اسی خلیفہ کے عہد میں فارسی ادب کے احیاء کی ابتدا کا سراغ ملتا ہے۔ روایت ہے کہ مامون الرشید کے ورود مرو پر عباس نامی ایک ایرانی شاعر نے فارسی زبان کا قصیدہ پیش کیا۔

(۸)

المعتصم باللہ (ابو اسحاق)

سنہ ۲۱۸ھ سے سنہ ۲۲۷ھ تک
سنہ ۸۳۳ء سے سنہ ۸۴۲ء تک

مامون الرشید کے بعد ابو اسحاق المعتصم باللہ خلیفہ بنا۔ اس کو خلیفہ بنانے میں ان ترک غلاموں کا بہت ہاتھ تھا جو مامون کے عہد میں قصرِ خلافت کے انتظامات میں بہت کافی حد تک دخیل ہو گئے تھے۔ اس خلیفہ نے ہر لحاظ سے مامون الرشید کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کی اور دینِ اعتزال کو رائج کرنے میں بہت سرگرمی دکھائی۔ علمائے حق نے خلقِ قرآن کے سرکاری عقیدہ کے خلاف جہاد باللسان جاری رکھا اور اس خلیفہ کے عہد میں بہت علماء نے دینِ عقیدہ خلقِ قرآن کی علی الاعلان تکذیب کرنے کی بنا پر قتل کیے گئے اور بہت

کو زندان میں ڈالا گیا۔ حضرت امام احمد بن حنبل ؒ کو تازیانے کی بے رحمانہ سزائیں اسی خلیفہ کے عہد میں دی گئیں۔

معتصم کے عہد میں آذربائیجان کے اشتراکیوں یعنی بابکیوں نے پھر شورش برپا کی اور معتصم کے جرنیل حیدر بن کاؤس افشین نے ان کی سرکوبی کی۔ قیصر روم کے ساتھ بھی جنگ ہوئی اور حیدر نے قیصر تھیوفیلوس کو شکست فاش دے کر قلعہ عموریہ چھین لیا۔ یہ جنگ ۸۳۷ء مطابق ۲۲۲ ہجری میں وقوع پذیر ہوئی۔ معتصم کسی رپورٹ کی بنا پر حیدر سے ناراض ہوگیا۔ اور اسے روم کی مہم سے واپس بلا کر مروا ڈالا۔ معتصم ۲۲۷ ہجری میں فوت ہوگیا۔ اس نے دریائے دجلہ کے کنارے ایک نیا خوبصورت شہر آباد کرایا۔ جس کا نام سُرَّ مَنْ رَائَی رکھا جس کے معنی ہیں "خوش ہوا جس نے دیکھا"۔ یہ شہر سومرہ کے نام سے مشہور ہوا اور معتصم نے اسے اپنا دارالحکومت بنایا۔

(۹)

واثق باللہ (ابوجعفر ہارون)

سنہ ۲۲۷ھ سے سنہ ۲۳۲ھ

سنہ ۸۴۲ء سے سنہ ۸۴۷ء

معتصم کے بعد اُس کا بیٹا ابوجعفر واثق باللہ خلیفہ بنا۔ مسئلہ خلقِ قرآن کے خلاف علمائے حق کی تحریک اس کے عہد میں بھی جاری رہی۔ آخر اس خلیفہ نے اہلِ سنت والجماعت کے علماء اور معتزلہ کے علماء کے درمیان مناظرہ کرایا اور معتزلہ کے عقاید سے تائب ہوکر اہلِ سنت والجماعت کے مسلک کو خلافت کا سرکاری دین قرار دیا۔ یہ خلیفہ ادیب اور شاعر تھا۔ اور اس کے کاروبار میں قصرِ خلافت کے ترک غلام اور ملازم بہت زیادہ دخیل تھے۔ بلکہ اُمورِ سلطنت انہی کے ہاتھ میں منتقل ہوگئے۔ واثق نے اشناس نامی

ایک ترک غلام کو اپنا باقاعدہ نائب السلطنت مقرر کر دیا۔ اور اس کے سر پر تاجِ شاہی پہنایا۔ اس سے پہلے خلافت کے نظم و نسق میں نائب السلطنت کا کوئی عہدہ نہ تھا۔ خلفائے عباسی کی اسلامی پالیسیوں کے باعث اس وقت تک عرب و عجم کا امتیاز مٹ چکا تھا اس لئے ایک ترک غلام کے نائب السلطنت بننے سے عربوں پر کسی قسم کا ناخوشگوار ردِ عمل نہ ہوا۔ عرب۔ ایرانی۔ ترک اور حبشی یکساں طور پر حکومت کے نظم و نسق اور معاشرے کی سرگرمیوں میں کام کرتے دکھائی دے رہے تھے۔ واثق ۲۳۲ ہجری مطابق ۸۴۷ء میں فوت ہوا۔ اور اس کی وفات کے ساتھ خلفائے عباسی کی عظمت اور حکمرانی کا پہلا صد سالہ دور ختم ہوا۔ یہی دور عباسی خلفا کے عروج اور شان و شوکت کا زمانہ تھا۔ اس کے بعد ان کے اقتدار میں زوال و انحطاط کے آثار رونما ہونے لگے۔

عباسیوں کا پہلا صد سالہ دورِ عروج و استحکام

حالات و کوائف پر عمومی تبصرہ

عام کیفیّات

اس صدی میں اسلام کی مملکت عباسیوں اور امویوں کی دو خلافتوں پر منقسم ہو چکی تھی۔ عباسی خلافت کا اقتدار وسط ایشیا فرغانہ اور سمرقند تک ہندوستان میں ولایت سندھ و ملتان تک شمالی افریقہ میں بحر ظلمات (اوقیانوس) کے ساحل تک پھیلا ہوا تھا اور اندلس (ہسپانیہ) میں اموی خلفا عباسیوں کے برابر کی شان و شوکت کے ساتھ حکمرانی کر رہے تھے۔ اندلس کا حال ہم الگ باب میں بیان کریں گے۔

اس مقام پر صرف یہی لکھ دینا کافی ہے کہ عروج و ترقی کے منازل طے کرنے کے معاملے میں دونوں مملکتوں کے مسلمان یکساں طور پر سرگرم اور کامیاب تھے۔ کسی ترقی کے اعتبار سے ایک مرکز خلافت کو

دُوسرے مرکزِ خلافت پر ترجیح نہیں دی جا سکتی۔ اس دَور میں اور بعد کے متعدّد اَدوار میں مسلمان تہذیب و تمدّن کے نہ صرف سب سے بڑے علم بردار بنے رہے۔ بلکہ ہر گونہ علمی ترقیات کی بنیادیں اسی دَور میں رکھی گئیں اور تعمیرات۔ صنعت و حرفت۔ تجارت۔ تموّل تمدّن۔ معاشرت اور علم و فنون کے اعتبارات سے مسلمان اس وقت کی دُوسری اقوامِ عالم سے اتنا آگے نکل گئے تھے۔ کہ ہندی چینی۔ تاتاری۔ زنگی اور حبشی ان کے مقابلے میں زمانۂ قبل از تاریخ کی وحشی اقوام نظر آتی تھیں۔ اور اُنہیں خوف و احترام بلکہ عقیدت و تعظیم کی نگاہوں سے دیکھتی تھیں۔ عبّاسیوں کی مملکت ولایات پر بٹی ہوئی تھی جن پر خلفائے بغداد کے مقرّر کردہ حاکم حکومت کرتے تھے۔ بعض ولایات میں موروثی امارتیں قائم کر دی گئیں۔ جن کے امرار خود کو خلیفہ کا مطیع متصوّر کرتے تھے۔ اُسے خراج بھیجتے تھے اور اُس کے ہر حکم کی تعمیل کے لئے حاضر و آمادہ رہتے تھے۔ یہ حاکم اور امرار عساکر پالتے تھے اور خلیفہ کے حکم سے یا اُس کی اجازت لے کر جنگی مہمیں اختیار کرتے تھے۔ پیداوار اور مال و دولت کی اتنی فراوانی تھی کہ ساری مملکت کے لوگ عام طور پر خوش حالی اور فارغ البالی کی زندگی بسر کرتے تھے۔ امرار اور خلفا ارباب کمال کی قدر کرتے تھے۔ اور غربا پروری کو اپنا فریضۂ منصبی سمجھتے تھے۔ اس لئے اس دَور میں محتاجی اور تعیشری کی وہ کیفیات کہیں نظر نہیں

آتی تھیں جو عصر حاضر کے سرمایہ دارانہ نظامِ معیشت نے ہر جگہ پیدا کر رکھی ہیں۔ اس زمانے میں کوئی شخص بھوکا نہیں رہ سکتا تھا۔ کیونکہ امراء کے دستر خوان سب کے لئے کھلے تھے۔ اور مشائخ طریقت کے لنگر جاری رہتے تھے۔ عدل قائم کرنے پر خاص توجہ مبذول کی جاتی تھی۔

تموّل و ثروت

اس دور کے تموّل کا یہ عالم تھا کہ بغداد میں اور مملکت کے دوسرے تجارتی اور صنعتی مراکز میں کروڑ پتی تاجروں اور تجاروں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ تواریخ میں بغداد کے ایک جوہری ابن الجصّاص کا حال لکھا ہے جس پر خلیفہ نے کسی جرم کی پاداش میں سولہ کروڑ طلائی دینار جرمانہ کر دیا۔ اور یہ جوہری جرمانہ ادا کرنے کے بعد بھی دنیا کے ممتاز ترین تاجروں میں شمار ہوتا رہا۔ بیان کیا گیا ہے کہ عام شرفا اور امراء کے گھروں میں تیرہ تیرہ کروڑ دینار کے قیمتی غالیچے بچھے ہوئے نظر آتے تھے۔ عبّاسی خلفاء کے تموّل کا تو اندازہ ہی نہیں کیا جا سکتا۔ روایت ہے کہ ہارون الرشید کی ملکہ زبیدہ سونے اور چاندی کے برتن استعمال کیا کرتی تھی۔ جوتوں میں موتی ٹکوانے کا فیشن سب سے پہلے زبیدہ ہی نے چلایا۔ اس ملکہ نے ایک حج کے موقع پر تیس لاکھ دینار خیرات کئے۔ حاجیوں

کے آرام کے لئے تہہ بنوائی - خلفا عام طور پر تخت نشینی - عروسی اور غیر ملکی سفیروں کے استقبال کے مواقع پر تزک و احتشام کی نمائش کیا کرتے تھے - ۸۲۵ء میں مامون الرشید کی شادی وزیر کی بیٹی بوران کے ساتھ ہوئی - دولہا اور دلہن سونے کے فرش پر جو جواہرات سے مرصع تھا کھڑے کئے گئے - اور ایک ہی جسامت کے ایک ہزار موتی سونے کی طشتری میں رکھ کر ان کے سروں پر سے نچھاور کئے - اس تقریب پر ہال کمرے کے اندر دو سو شمعدان روشن تھے اور شہزادوں اور رئیسوں میں مشکلات تقسیم کئے گئے - جن پر طرح طرح کے انعامات درج تھے - خلیفہ المقتدر کے عہد میں جو اس دور سے پچاس سال بعد کا خلیفہ تھا - قیصر روم قسطنطین ہفتم کے ایلچی آئے - اس تقریب پر دربارِ خلافت کے تزک و احتشام کی خاص نمائش کی گئی - ایک لاکھ ساٹھ ہزار سواروں اور پیادوں نے پریڈ کی - سات ہزار گورے اور کالے خواجہ سرا اور سات سو منصب دربار میں کھڑے ہوئے - ایک سو شیروں کو پریڈ میں چلایا گیا - محلات شاہی پر اڑتیس ہزار پردے لٹکائے گئے جن میں ساڑھے بارہ ہزار پردے خالص زربفت کے تھے - بائیس ہزار غالیچے بچھائے گئے - ایوان میں سونے چاندی اور جواہرات سے بنایا ہوا ایک درخت سجایا گیا جس کی شاخوں پر سونے اور چاندی کے جیو پرندے لگائے گئے تھے - اس شجر پر چڑیا کا نغمہ

پانچ لاکھ مثقال تھا۔ باغ میں کھجور کے بو لے نہال لگائے گئے
جو نخل بندی کے فن کی ترقی کی خبر دے رہے تھے۔ ہم لکھ چکے ہیں
کہ خلیفہ امین نے ابو نواس کا ایک شعر گانے پر اپنے چچا ابراہیم
راگی کو تین لاکھ درہم انعام دیا۔ اور اس کی سیر و تفریح کی کشتیوں
میں سے ایک ایک کشتی پر تین تین کروڑ درہم صرف ہوئے یا کولا
میں طرح طرح کی فضول خرچیاں ایجاد کی جاتی تھیں۔ مثلاً اسی ابراہیم
راگی کا ذکر ہے کہ اُس نے اپنے بھائی ہارون کی ضیافت کی تو ایک
ڈش (قاب) خاص قسم کی مچھلی کی محض زبانیں پکا کر تیار کی گئی تھی
ڈیڑھ سو زبانوں کی قاب پر ایک ہزار درہم سے زیادہ صرف ہوئے
قصہ مختصر اس دور کے خلفاء۔ امراء اور تاجروں کو سخاوت۔ داد و
دہش اور ہر طرح کی فضول خرچیاں کرنے کے باوجود اپنے
مال و دولت کو خرچ کرنے کا کوئی راستہ نظر نہیں آتا تھا۔

سطوت و جبروت

سطوت و طاقت کا یہ عالم تھا کہ جب رُوم کے قیصر نقفور
نے ہارُون الرشید کو گستاخانہ خط لکھا تو اس کے جواب میں قیصر
کو "رومی کتّے" کے خطاب سے نوازا گیا اور لکھوا گیا کہ "تو اپنی اس
گستاخی کا جواب پائے گا نہیں بلکہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا"
فرانس کے سرکاری ریکارڈ میں لکھا ہے کہ فرانس کے شاہ

وشوکت رکھنے والے بادشاہ شارلیمان نے خلیفہ ہارون الرشید کے دربار میں سفارت بھیجی تھی۔ لیکن اس سفارت کا ذکر عباسی دربار کے وقائع نویسوں نے کہیں نہیں کیا۔ گویا بغداد میں اس سفارت کو اتنا اہم نہیں سمجھا گیا کہ اس کا تذکرہ قلم بند کر لیا جاتا۔

خلیفہ مامون الرشید کے عہد میں تبت اور چین کے درمیان جنگ واقع ہوئی اور تبت کے لاماؤں نے خلیفہ بغداد سے امداد مانگی۔ کالی وردی والے۔ عباسی مجاہدین کا ایک لشکر تبت گیا جس نے اہلِ تبت کے ساتھ مل کر چین کی فوجوں سے جنگ کی اور انہیں شکست دی۔ تبت کے تاریخی ریکارڈ میں اس اسلامی لشکر کی امداد کا تذکرہ بڑی اہمیت کے ساتھ درج کیا گیا ہے۔

معاشرت

کشور کشائی اور فتوحات کا زمانہ تو بنو اُمیہ کے عہد کا ابتدائی دور ہی تھا۔ عباسیوں نے اس وسیع سلطنت کو محفوظ رکھنے کیلئے رُوم کے قیاصرہ کے خلاف جنگیں کیں۔ پاکستان میں چند مقامات بیٹھے آتے۔ عباسیوں کے اس ابتدائی دورِ عروج میں حکومت کے اندر دینِ اسلام بہت پھیلا یعنی ایران کے مجوسی اور ترکستان کے ترکوں کی بھاری تعداد نے جوق در جوق دینِ اسلام کی حلقہ بگوشی اختیار کر لی دین کی تبلیغ کا سہرا زیادہ تر صوفیائے کرام اور مشائخ عظام

کی کوششوں کے سرپرست جو اسلام کی زندگی کا عملی نمونہ تھے اور غیر مسلموں کے طبائع کو اپنی سیرت اور اپنے اخلاق کی طاقتوں سے متاثر کرتے تھے۔ اس عہد کے مشائخ عظام میں بعض جید ہستیاں ایسی نظر آتی ہیں جنہوں نے خود اسلام قبول کیا یا جو نومسلم والدین کی اولاد تھے۔ عربی زبان بنو اُمیّہ کے وقت سے سرکاری دفتری زبان بن گئی تھی۔ بنو عباس کے اس ابتدائی دور میں یہ مملکت کی علمی زبان بھی بن گئی۔ اور ہر قسم کی علمی کتابیں اسی زبان میں تصنیف و تالیف ہونے لگیں جن کے لکھنے والے محض عرب نہ تھے بلکہ عجمی بھی عربی زبان میں اتنی مہارت حاصل کرنے لگے کہ ان کی تحریرات مستند شمار ہونے لگیں۔ معاشرتی زبان بھی عربی بن گئی اور تمام پڑھے لکھے لوگ اسی زبان کو بات چیت اور خط و کتابت میں استعمال کرنے لگے۔ بنو اُمیّہ کے عہد میں عرب حکمران متصور ہوتے تھے۔ لیکن بنو عباس کے اس ابتدائی دور ہی میں تمام مسلمانوں کو یکساں قسم کے حقوق ملنے لگے۔ اور غیر عرب بھی حکومت کے بڑے بڑے مناصب پر فائز کئے جانے لگے۔ عربوں اور عجمیوں کا نسلی امتیاز ازدواج باہمی کی ترقی کے باعث مٹتا چلا گیا۔ لونڈی غلام رکھنے کا رواج جو ازمنہ قدیم سے جاری تھا۔ اس عہد میں بھی جاری رہا۔ لیکن دینِ اسلام کی تعلیمات کے زیر اثر مسلمان گھرانوں میں غلاموں سے افرادِ خاندان کا سا سلوک کیا جاتا تھا۔ پہلے محض جنگی قیدی غلام بنائے جاتے تھے۔ پھر بردہ

فرشی کا رواج عام ہوگیا۔ مسلمانوں کی معاشرت کالے۔ زرد، گندمی اور گورے رنگ کے غلاموں کو اپنے اندر جذب کرتی چلی جارہی تھی۔ آزاد مسلمان کو غلام بنانا قانوناً ممنوع تھا۔ لیکن غلام مسلمان ہوجانے پر بھی غلام ہی رہتا تھا تاآں کہ اُس کا مالک اُسے آزاد نہ کردے۔ کنیزماں بن جانے پر زوجیت کے پورے حقوق حاصل کرلیتی تھی۔ آزاد عورت اور غلام مرد کا بچّہ آزاد متصوّر ہوتا تھا

اور غلام مرد اور غلام عورت

کا بچّہ خانہ زاد غلام سمجھا جاتا تھا۔ لیکن یہ غلام اور خانہ زاد خاندان کے افراد کی سی حیثیت رکھتے تھے بلکہ رشتہ داروں سے زیادہ قابلِ اعتماد سمجھے جاتے تھے۔ مالک اپنے غلاموں کے ساتھ اپنی بیٹیوں کے ازدواج کو عار نہیں سمجھتے تھے۔ عبّاسی خلفا نے سیاستہً تختِ خلافت کے قریب چمڑے کا فرش بچھانے کا رواج اختیار کیا جہاں جلّاد سزا یافتہ مجرموں کو خلیفہ اور اہلِ دربار کی آنکھوں کے سامنے موت کی سزا دیا کرتے تھے۔

علمی فنّی اور ثقافتی ترقیات

عبّاسی خلفا کے اِس ابتدائی صدسالہ دور میں علمی ترقیات کی بنیادیں بڑی مضبوطی کے ساتھ قائم ہوئیں۔ سوسائٹی میں ہر قسم کے علوم و فنون کی تحصیل کا شوق بہت ترقی کرگیا۔ اور علمی اور فنّی تحقیقات

کو عوام کا معیارِ معیشت بلند کرنے اور زندگی کو بہتر بنانے کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ اس دور کے نامور عرب شعراء میں سے ہارون الرشید کا درباری شاعر ابونواس۔ کلثوم ابنِ عمرا لتعبانی اور عبداللہ ابن المقفع مجوسی ملحد شاعر خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ موخرالذکر نے ۷۶۰ء میں الحاد پھیلانے کی بنا پر موت کی سزا پائی۔ جابر ابن حیان کوفی الکیمیا کا مشہور و معروف ماہر بھی اسی دور میں گذرا ہے۔ جس نے گندھک اور شورے کے تیزابوں کو ملاکر ایک ایسا نیا تیزاب بنایا جس میں سونا اور چاندی گھل جاتے تھے۔ مشہور عالم اور سائنس دان ابو یوسف یعقوب الکندی بھی اسی عہد میں پیدا ہوا۔ جو فلسفہ، مناظر و مرایا، نجوم اور ہیئت کا بہت بڑا ماہر تھا۔ اس نے مختلف علوم پر کوئی ۲۶۵ کتابیں تصنیف کیں۔ نیچرل ہسٹری کا مطالعہ اور مشاہدہ کیا مادہ کی تبدیلیوں پر نظریات قائم کئے۔ تلواروں کے متعلق ایک پُر از معلومات رسالہ لکھا جس میں پچیس قسم کے فولادوں اور پھلوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ الکندی مہوس یعنی سونا بنانے کا قائل نہ تھا البتہ عطریات کی کشید میں بہت دلچسپی لیتا تھا۔ الحجاج ابن یوسف ابن مطر اس دور میں ریاضی اور علم ہیئت کا بہت بڑا ماہر ہو گذرا ہے اور ابراہیم الفزاری نے ہندی علم ہیئت پر ایک کتاب خلیفہ منصور عباسی کے لئے لکھی۔ محمد خوارزمی نے خلیفہ مامون کے لئے اسی علم پر ایک اور کتاب لکھی۔ اس عہد میں علم ہیئت کے نئے زائچے

مشاہدات کی بنا پر تیار ہوئے اور کرۂ ارضی کے قطر اور محیط کی پیمائش کی گئی۔ الخوارزمی اور ۶۹ دوسرے ہیئت دانوں نے کرۂ ارضی کی تصویر بنائی۔ اجسام سماوی کا نقشہ تیار کیا مملکتِ اسلام کا نقشہ بنایا۔ جغرافیائی معلومات مرتب کیں۔ حساب، الجبرا اور ہندسہ کے علوم ایجاد کئے۔ حساب میں صفر کا استعمال شروع کیا۔

اہلِ سنّت والجماعت کے چاروں ائمہ کرام یعنی حضرت امام ابوحنیفہؒ حضرت امام مالکؒ حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام حنبلؒ اسی دور میں ہو گذرے ہیں۔ جنہوں نے اسلامی فقہ کی تدوین کر کے شریعت کے نفاذ کو آسان تر کر دیا۔ فقہ کی تدوین کے سلسلے میں حضرت امام اوزاعیؒ کی کوششیں بھی قابلِ ذکر ہیں جن کی فقہ نے ملکِ شام میں بہت فروغ حاصل کیا۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کی فقہ نے عراق اور مشرقی ممالک میں رواج پایا۔ امام مالکؒ کی فقہ دیارِ مغرب میں رائج ہوئی۔ امام شافعیؒ کی فقہ نے مصر میں جگہ پکڑی اور امام حنبلؒ کی فقہ نے عرب و نجد میں مقبولیت حاصل کی۔ تفسیر اور حدیث کی طرف بھی اسی دور میں بہت توجہ مبذول کی گئی۔ محمد الکلبی نے قرآن پاک کی ایک تفسیر لکھی جو یہودیوں اور عیسائیوں کی روایات پر مبنی ہے۔ مقاتل البلخی نے قرآن کریم سے قانونی اصطلاحات اخذ کیں اور الفراء نے جو الکسائی نحوی کا شاگرد تھا قرآن پاک کی تفسیر لکھی۔

اس دور کے مقتدر صوفیائے کرام میں حضرت امام جعفرؒ، مالک دینارؒ۔ محمد واسعؒ۔ حبیب عجمیؒ۔ عتبہ ابن الغلامؒ۔ رابعہ بصریؒ۔ فضیل ابن عیاضؒ۔ ابراہیم ادھمؒ۔ بشر حافیؒ۔ بایزید بسطامیؒ داؤد طائیؒ۔ شفیق بلخیؒ۔ عبداللہ بن مبارکؒ۔ سفیان ثوریؒ۔ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے اسمائے گرامی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ یہ وہ بزرگ تھے جنہوں نے خلفا اور امرا سے بے نیاز ہو کر دین کی خدمت کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر دیں اور لاکھوں انسانوں کے طبائع کو صراطِ مستقیم پر لگایا۔ اور جن کا روحانی فیضان آج تک جاری ہے۔

مذہبی تحریکات

اس دور میں مسلمانوں کا سوادِ اعظم تو اہلِ سنت والجماعت کے معتقدات کا حامل تھا۔ تاہم فروعات میں مخصوص قسم کے عقائد رکھنے والے فرقے بھی موجود تھے جو اپنے پیروؤں کی تعداد بڑھانے کے لئے کوشاں رہتے تھے شیعہ یعنی حضرت علیؓ اور ان کی اولاد کو خلافت کا مستحق سمجھنے والے لوگ عباسی حکومت کے معتوب تھے۔ لیکن ایک فرقہ کی حیثیت سے مملکت بھر میں پھیلے ہوئے تھے۔ مملکت میں خارجی عناصر بھی موجود تھے اور ملاحدہ یعنی اسلامی عقائد کے ساتھ مجوسی۔ ہندی اور تاتاری عقائد کو مدغم کر کے نئے مذہب چلانے والے لوگ بھی پیدا ہو گئے۔ ان میں

بعض نے مثلاً ابو مسلم خراسانی اور المقنع نے نبی۔ رسول اور اوتار بننے کے دعوے بھی کئے قدریہ۔ جبریہ۔ مرجیہ وغیرہ خصوصی عقائد رکھنے والے لوگ پیدا ہوئے۔ لیکن انہوں نے جداگانہ فرقہ کی حیثیت اختیار نہ کی۔ البتہ اس عہد کے اواخر میں معتزلہ نے ایک الگ فرقہ کی حیثیت سے زور پکڑا۔ اور اپنے عقائد کو دربار خلافت کا سرکاری دین قرار دلانے میں کامیابی حاصل کر لی۔ لیکن اس دور کے ائمہ۔ فقہا۔ محدثین۔ علمائے دین اور صوفیائے کرام کے وجود و خلوص کی برکات اور ان کی بے لوث دینی خدمات کے باعث مسلمانوں کا سواد اعظم اہل سنت والجماعت کے معتقدات کا قائل رہا۔ اس زمانے میں بعض دلچسپ لوگ نبوت و رسالت کے مدعی بن کر کھڑے ہوئے۔ جن کو ان کے دعاوی کی شدت و اہمیت کی بنا پر قتل وغیرہ کی سزائیں ملیں۔

عبّاسی خلافت کا دُوسرا صد سالہ دَور

۲۳۳ھ سے ۳۳۴ھ

۸۴۷ء سے ۹۴۶ء

عبّاسیوں کی خلافت ترقی - عروج - شان وشوکت - سطوت اور دبدبے کے سو سال گذار لینے کے بعد دُوسرے دَور میں داخل ہوئی جسے اِس کے جمود و زوال کا زمانہ کہنا چاہیئے - یہ دَور بالآخر ملکت کے انتشار اور طوائف الملوکی کے ظہور پر منتج ہوا - اِس زمانے میں سلطنت وخلافت کا کاروبار لشتم پشتم طریق سے محض اِس لئے چلتا رہا کہ عبّاسی خلافت کی پہلی صدی کے معماروں نے حکومت اور نظم و نسق کی بہت مستحکم بنیادیں ڈال دی تھیں اور اِسلامیانِ مملکت کے دلوں پر عبّاسی خلافت کے مذہبی احترام اور ان کی حاکمانہ سطوت کا سکّہ پُوری طرح جما دیا تھا - اِس عہد کے خلفاء حسبِ ذیل گزرے ہیں :-

المتوکل علی اللہ	عہدِ خلافت	۱۵ سال	سنہ ۲۴۷ ہجری تک
المنتصر باللہ	//	چھ ماہ	سنہ ۲۴۸ ہجری تک
المستعین باللہ	//	۳ سال	سنہ ۲۵۲ ھ //
المعتز باللہ	//	۴ //	سنہ ۲۵۵ ھ //
المہتدی باللہ	//	۱ //	سنہ ۲۵۶ ھ //
المعتمد علی اللہ	//	۲۳ //	سنہ ۲۷۹ ھ //
المعتضد باللہ	//	۹ //	سنہ ۲۸۹ ھ //
المکتفی باللہ	//	۶½ //	سنہ ۲۹۵ ھ //
المقتدر باللہ	//	۲۵ //	(اس عہد میں عبداللہ بن معتز شاعر چند گھنٹوں کیلئے اور القاہر باللہ چند روز کے لئے خلیفہ بنا)
القاہر باللہ	عہد خلافت	۱½ سال	سنہ ۳۲۲ ھ تک
الراضی باللہ	//	۷ //	سنہ ۳۲۹ ھ //
المتقی باللہ	//	۳ //	سنہ ۳۳۲ ھ //
المکتفی باللہ	//	// چار ماہ	سنہ ۳۳۳ ھ //

درباری سازشیں اور خلفا کا قتل و عزل

خلافت عباسی کے اس دور میں اکثر خلفا درباری سازشوں

کا شکار ہو کر قتل ہوتے رہے۔ یا دوسرے طریقوں سے مارے گئے
خلیفہ المتوکل علی اللہ کو اس کے بیٹے المنتصر باللہ نے قصر خلافت
کے ترک محافظوں سے سازش کر کے قتل کرا دیا۔ اور خود بھی انہی
ترکوں کے ہاتھوں سے مارا گیا۔ المستعین باللہ کو ترکوں نے پہلے خلافت
سے دست بردار ہونے پر مجبور کیا اور آخر جان سے کر چھوڑا۔ یعنی قتل
کر دیا المعتز باللہ کو انہیں ترک محافظوں نے اتنا پیٹا کہ اسی صدمہ
پانچ دن کے بعد مر گیا۔ المہتدی سے ترکوں نے بغاوت کی اور
لڑے اور خلیفہ جنگ میں مقتول ہوا۔ المعتمد نے ۲۳ سال حکمرانی
کی جس میں اس کا بھائی الموفق بھی برابر کا شریک تھا اور طبعی
موت پائی۔ المعتضد بھی طبعی موت مرا۔ المکتفی بھی قتل سے محفوظ
رہا اور طبعی موت مرا۔ المقتدر باللہ سنتِ جاریہ کے مطابق قتل
ہوا۔ القاہر بامر اللہ کو باغیوں نے اندھا کر کے تختِ خلافت سے
الگ کر دیا۔ الراضی باللہ بیمار پڑ کر طبعی موت مرا۔ المتقی باللہ اندھا
کر کے تخت سے اُتار دیا گیا۔ اور المکتفی کو اس دور کا آخری خلیفہ
تھا۔ درباریوں نے معزول کر دیا۔

اس عہد صد سالہ کے چیدہ چیدہ اہم واقعات
بصورت ذیل ہیں:۔

رُومی قیصروں سے چھیڑ چھاڑ

قیصرِ روم نے خلیفہ المتوکل علی اللہ کے عہد میں ۲۳۸ھ مطابق ۸۵۳ء میں دمیاط پر حملہ کیا اور شکست کھائی۔ ۲۸۱ھ مطابق ۸۹۶ء میں خلیفہ المعتضد کے عہد میں خلافت کے عساکر نے کلوریا کا شہر قیصرِ روم سے چھینا۔ اور ۲۹۱ھ مطابق ۹۰۶ء میں خلیفہ المکتفی باللہ کے عہد میں انطاکیہ کا شہر فتح کیا۔

سِسلی اور اٹلی کی مُہمیں

دیارِ مغرب کے اغلبی خاندان کے امیر ابراہیم بن اغلب نے خلیفہ مامون الرشید کے عہد میں سسلی کے صدر مقام پلرمو کو سر کر کے جزیرہ مذکور کو اپنی مملکت میں شامل کر لیا تھا۔ اس کے بعد اسلامی لشکر نے شاہ نیپلز کی مدد کے لئے اٹلی میں یلغار کی اور کوہ ویسوویس میں اللہ اکبر کے نعرے گونجے۔ ۸۳۱ء میں اغلبیوں نے بحیرہ ادریش اڈیاٹک کی اطالوی بندرگاہ باری پر قبضہ جمایا جو تیس سال قائم رہا۔ وینس پر یلغار کی۔ ۸۴۶ء میں روما کے قریب ارستیا میں فوجیں اتاریں اور پاپائے اعظم کو خراج دینے پر مجبور کیا۔ پاپا دو سال خراج دیتا رہا۔ ۸۶۹ء میں اغلبیوں نے جزیرہ مالٹا سر کیا۔ ۸۷۱ء میں جب لمبارڈ نے باری کی بندرگاہ واپس لے لی اور ۸۸۰ء میں بازنطینی قیصر کے

لشکر نے مسلمانوں کو جنوبی اٹلی سے نکال دیا۔

اعتزال کا خاتمہ

خلیفہ واثق باللہ نے اپنے عہدِ خلافت کے آخری سال میں معتزلہ کے ساتھ علمائے اسلام کا مناظرہ کرایا اور معتزلہ کے عقاید سے تائب ہوگیا۔ اس کے جانشین المتوکل علی اللہ نے تختِ خلافت پر متمکن ہونے کے بعد محدثین اور علمائے دین کو جمع کیا اور انعام و اکرام سے نوازا۔ اور اس طرح فتنۂ اعتزال جس کی وجہ سے بیسیوں عالمانِ دین شہید کر دیئے گئے اور زندانِ بلا میں ڈالے گئے ختم ہوگیا۔ اور معتزلہ ملحد قرار پائے۔

عیسائیوں کا امتیازی لباس

قیصرِ روم کی عیسائی سلطنت خلافتِ عباسیہ سے عام طور پر برسرِ پیکار رہتی تھی۔ اسی لئے خلیفہ المتوکل اللہ نے اپنی مملکت کے عیسائیوں پر (جن میں سے بعض قیصرِ روم کے ساتھ ساز باز رکھتے تھے) چند پابندیاں عاید کر دیں جو دنیائے اسلام میں دیر تک قائم رہیں۔ خلیفہ نے حکم دے دیا کہ ذمی لوگ اپنے گھروں پر شیطان کا پتو بیں مجسمہ نصب کریں۔ قبریں زمین کے برابر رکھیں زرد لباس پہنیں اور اپنے غلاموں کے لباس پر دو زرد لکیریں ڈالا کریں جن

خچر اور گدھے پر سوار ہوں۔ لکڑی کی زین استعمال کریں۔ فراک پر
دو انار بنوائیں۔ فقہائے اسلام نے فتوے جاری کردیا کہ مسلمان
کے خلاف کسی یہودی یا عیسائی کی شہادت قبول نہیں کی جائیگی۔
تاہم عباسی خلافت میں عیسائیوں کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا
جاتا تھا اور انہیں بڑے بڑے سرکاری عہدے دیئے جاتے تھے۔ خلافت
عباسی کی مملکت میں عیسائیوں پر پابندیاں عاید کرنے کی ایک خاص
وجہ یہ بھی تھی کہ انہی ایام میں عیسائیوں نے قرطبہ کی اموی خلافت
میں پیغمبر اسلام کو گالی دے کر سزا پانے کی خطرناک تحریک شروع
کردی تھی جس کی اطلاعیں قرطبہ سے چل کر بغداد تک بھی پہنچتی
تھیں۔ خلیفہ المتوکل نے یہ پابندیاں مملکت کو اس قسم کی مفسدہ
پردازیوں سے بچانے کے لئے عاید کیں۔

بصرہ میں شیعہ ریاست کا قیام اور خاتمہ

المعتمد علی اللہ کے خلیفہ بننے کے پہلے ہی سال میں علی ابن
محمد شیعہ نے بصرہ کے حبشی غلاموں کو آمادۂ بغاوت کرکے بصرہ
میں ایک چھوٹی سی آزاد شیعہ ریاست قائم کرلی۔ اور خود اس کا
بادشاہ بن بیٹھا۔ یہ ریاست سنہ ۲۵۶ھ مطابق سنہ ۸۶۹ء میں
قائم ہوئی اور خلافت کے عساکر نے سنہ ۲۷۰ ہجری مطابق سنہ ۸۸۳ء
میں بصرہ پر چڑھائی کرکے اس کا خاتمہ کردیا۔

مصر میں طولونی خاندان کی موروثی امارت

معتمد باللہ کے سریر آرائے خلافت ہونے کے وقت مصر کے حاکم طولون نے مصر کے اندر موروثی امارت قائم کرلی۔ جو دیار مغرب کی اغلبی امارت اور خراسان کی طاہری خاندان کی امارت کی طرح محض برائے نام خلیفہ بغداد کی اطاعت کا دم بھرتی تھی۔ سنہ ۲۶۴ ہجری مطابق سنہ ۸۷۸ عیسوی میں احمد بن طولون نے شام پر چڑھائی کر کے اس ولایت پر بھی قبضہ جما لیا۔ مصر و شام میں طولونی خاندان کی یہ امارت سنہ ۲۹۳ ہجری مطابق سنہ ۹۰۶ عیسوی تک قائم رہی۔ بعد ازاں خلیفہ نے اس خاندان کو برطرف کر دیا۔ اور مصر پہ اپنا ایک حاکم مقرر کر دیا۔

عراق میں قرامطہ کا خروج

سنہ ۲۷۷ ہجری مطابق سنہ ۸۹۰ء میں خلیفہ معتمد علی اللہ کے عہد میں شیعوں کے اسماعیلی فرقہ کے پیرووں نے عراق میں شورش کا علم بلند کر دیا۔ عراق میں ایک قصبہ کا نام قرمط ہے۔ قرمط کے ایک باشندے حمدان نامی نے جو مذہب اسماعیلیہ کا داعی تھا۔ اپنے پیرووں کی ایک بھاری جمعیت جمع کر لی۔ اور شورش برپا کر دی قرمطی داعی کے پیرووں نے قرامطہ کے نام سے شہرت پائی۔ خلافت کے نظم و نسق کو روبہ زوال دیکھ کر ان لوگوں نے سر اٹھایا اور بغاوت کا علم بلند کر دیا۔

اُنھوں نے عراق کے علاوہ عمان اور مسقط میں بھی بدامنی پیدا کر دی۔ معتمد اور معتضد کے عہد میں دربارِ خلافت ان باغیوں کی سرکوبی کی طرف توجہ مبذول نہ کر سکا۔ لہذا یہ لوگ بہت زور پکڑ گئے۔ خلیفہ المکتفی باللہ کے عہد (۸۹۱ء ہجری مطابق سنہ ۲۹۰ ہجری تک) میں خلیفہ کے لشکر ڈرامطہ سے لڑتے رہے لیکن اُنہیں مغلوب نہ کر سکے۔ سنہ ۳۱۵ ہجری مطابق سنہ ۹۲۸ء میں قرامطہ نے مکّہ معظمہ پر چڑھائی کی۔ چاہِ زمزم کو پاٹ دیا اور خانہ کعبہ کی دیواروں سے حجرِاسود کو اکھاڑ کر عمّان میں لے آئے۔ جہاں اُنھوں نے اس پتّھر کو اپنے بنائے ہوئے کعبے کی دیوار میں نصب کر دیا۔ آخر ۲۴ سال کے بعد سنہ ۳۲۹ ہجری میں خلیفہ المطیع اللہ نے ان باغیوں کی سرکوبی کی اور حجرِاسود کو اپنی اصلی جگہ یعنی مکّہ معظمہ کے بیت اللہ شریف کی دیوار میں نصب کرایا۔

حمدان قرمطی مشہور اسماعیلی داعی احمد بن عبداللہ ابن میمون ایرانی کے خلیفہ حسین الاہوازی کا خلیفہ تھا۔ ابن میمون کی نشر و اشاعت کے باعث اس فرقہ نے بہت زور پکڑا۔ اسی حمدان کے ایک جانشین سلیمان ابنِ عامر نے مکّہ معظمہ پر چڑھائی کی تھی۔

جنوبی عرب میں زیدیوں کا غلبہ

عراق کے قرامطہ کی دیکھا دیکھی عرب کے جنوبی اقطاع یمن اور حضرموت میں شیعوں کے دوسرے فرقے زیدیوں نے جمعیت بنا کر

طاقت اور غلبہ حاصل کر لیا۔ زیدی حضرت زید ابن علیؓ کی امامت کے قائل تھے۔ زیدؒ فاطمی نہ تھے۔ اس لئے اسماعیلی اور اثنا عشری شیعہ انہیں پسند نہیں کرتے تھے۔ اسماعیلی شیعہ صرف سات اماموں کے قائل ہیں اور امام اسماعیلؒ بن امام جعفر صادقؒ کو اپنا پیشوا قرار دیتے ہیں۔ اور اثنا عشری امام موسیٰؒ ابن امام جعفر صادقؒ کو اپنا پیشوا سمجھتے ہیں اور ان کے پانچ جانشینوں کی امامت کے قائل ہیں زیدی ان سے الگ ہیں۔ خلیفہ المعتضد کے عہد میں ۲۸۷ھ ہجری مطابق ۹۰۰ء میں زیدیوں نے جنوبی عرب میں اپنی آزاد ریاست قائم کر لی۔

بخارا میں سامانی خاندان کی آزاد بادشاہی

۲۹۰ھ ہجری مطابق ۹۰۳ء میں یعنی خلیفہ المکتفی باللہ کے عہد خلافت کے دوسرے سال ترکستانات (بخارا و ماوراالنہر) کے حاکم اسماعیل سامانی نے مرکز خلافت کو کمزور پاکر خود مختار بادشاہت قائم کر لی اور وسط ایشیا میں دولت سامانیہ کی بنیاد رکھ دی۔

یہ اسماعیل ایرانی تھا اور مشہور مرزبان بہرام چوبین کی نسل سے تھا۔ اسماعیل کا پڑدادا سامان ایک معمولی ساربان کا بیٹا تھا اور ڈاکو بن کر تاخت و تاراج کرنے لگا۔ اس نے قلعہ السامس فتح کر لیا اور وہاں کا امیر بن گیا۔ سامان کے بیٹے اسد نے مامون الرشید کے

دربارِ خلافت تک رسائی حاصل کر لی اور اس کے تین بھائی سمرقند اندما کرا اور ہراستہ کے حاکم بنا دئے گئے۔ سلکتہ ہجری میں خلیفہ معتمد عباسی نے ترکستان کی حکومت کی سند نصر بن احمد بن اسد کو عطا کی اور بخارا کا حاکم اس کے چھوٹے بھائی اسماعیل کو بنا دیا۔ سٹتہ ہجری میں نصر فوت ہو گیا تو اسماعیل کو ترکستان اور بخارا دونوں کی گورنری کی سند مل گئی۔ سنہ ۲۹۰ھ ہجری میں اسماعیل نے مرکزِ خلافت کی زبوں حالی دیکھ کر خود مختار بادشاہ بننے کا اعلان کر دیا۔ اور دولتِ سامانیہ کے نام سے ایک جداگانہ سلطنت قائم کر لی جس کا حال ہم الگ فصل میں بیان کریں گے۔

خراسان میں صفّاری خاندان کی امارت

سنہ ۲۵۸ھ سے سنہ ۲۹۰ھ تک
سنہ ۸۷۲ء سنہ ۹۰۳ء

خلیفہ معتمد باللہ کے عہد میں سیستان میں ایک بہادر اور جسور شخص یعقوب بن لیث صفّار نے جمعیت بنا کر شورش برپا کر دی۔ اور خراسان کی طاہری خاندان کی موروثی امارت کا خاتمہ کر دیا۔ یہ انقلاب ۲۵۸ ہجری مطابق ۸۷۲ء میں رونما ہوا یعقوب بن لیث نے و ن

خراسان پر اکتفا نہ کی۔ بلکہ قلب ایران پر بھی تاخت و تاراج شروع کردی۔ سنہ ۲۶۲ ہجری مطابق سنہ ۸۷۵ء میں یعقوب کی یلغار بغداد تک جا پہنچی اور خلیفہ معتمد نے اپنے بھائی الموفق باللہ کو مشرقی ممالک کی حکومت کی سند عطا کر کے یعقوب کی سرکوبی پر مامور کیا الموفق کے لشکر نے دیر العقول کے مقام پر یعقوب بن لیث کو شکست دی اور ایران کی مملکت اس کے پنجے سے چھڑا لی۔ لیکن خراسان میں صفاری خاندان کی آزاد امارت قائم ہو گئی۔ یعقوب سنہ ۲۶۶ ہجری تک زندہ رہا۔ اور اس کا بیٹا عمرو لیث اس کا جانشین بنا۔ ۲۹۰ھ کے قریب بخارا اور ترکستان کے سامانی حاکم اور دولت سامانیہ کے بانی اسماعیل نے خلیفہ معتضد باللہ کے عہد میں خراسان کو سر کیا اور صفاری خاندان کی امارت کا خاتمہ کر کے وسیع تر دولت سامانیہ قائم کرلی۔ جس میں ترکستان، بخارا۔ خراسان بشمولیت افغانستان موجودہ شامل تھے۔

تیونیشیا میں فاطمیوں کی خلافت کا آغاز

سنہ ۲۹۷ھ سنہ ۹۱۰ء

اسی زمانے میں جبکہ مملکت خلافت کے اندر جا بجا شورشیں بر

ہو رہی تھیں اور آزاد امارتیں اور بادشاہیاں قائم ہوتی جا رہی تھیں۔ دیارِ مغرب میں اسماعیلی فرقہ کے پیروؤں نے شورش برپا کی۔ اسماعیلیوں کا جماعتی نظام مملکتِ خلافت میں مشرق سے لے کر غرب تک پھیل گیا تھا۔ ان کے دعاۃ مرکزی نظام کے ماتحت مملکت کے اطراف واکناف میں جا جا کر اپنے مخصوص عقاید کی تلقین کرتے تھے اور اپنے فرقہ کے پیروؤں کی تعداد میں اضافہ کرتے رہتے تھے۔ دیارِ مغرب میں اسماعیلیوں کے داعی عبداللہ ابن میمون کو اپنے مریدوں کی تعداد بڑھانے میں خاطر خواہ کامیابی حاصل ہوئی۔ اور اس نے اپنی جمعیت کی مدد سے مغرب میں اغلبی خاندان کے موروثی امیر کے خلاف مسلح بغاوت بلند کر دیا۔ اور سنہ ۲۹۶ ہجری مطابق سنہ ۹۰۹ء میں جب بغداد کے تختِ خلافت پر خلیفہ المقتدر باللہ متمکن تھا۔ اغلبی امیر کے لشکر کو شکست دے کر فرقۂ اسماعیلیہ کے باطنی امام کے نام پر امارت قائم کر لی۔ سنہ ۹۱۰ء میں فرقہ کے امام عبید اللہ محمد نے مہدی ہونے کا دعوئی کیا اور المہدیہ کے نام سے ایک نیا شہر بسا کر فاطمی خلافت کے قیام کا اعلان کر دیا۔ یہ عبید اللہ فاطمی سید ہونے کا مدعی تھا۔ اسی وجہ سے ان کی حکومت جس کا اثر و اقتدار بعد میں وسیع تر ہو گیا فاطمی خلافت کے نام سے موسوم ہوئی۔ بغداد کی خلافت عباسی کا دربار اس خاندان کے فاطمی سید ہونے کا قائل نہ تھا۔ بلکہ انہیں ابن عبداللہ بن میمون ایرانی المجوسی کی اولاد ظاہر کرتا تھا۔ جس نے فرقۂ اسماعیلیہ کا داعی بنکر تقیہ

میں شورش برپا کی۔ عباسی خلفا اپنی حریف خلافت کے خلیفوں کے فاطمی ہونے کا برابر انکار کرتے رہے۔ فاطمیوں کا حال جُداگانہ فصل میں بیان کیا جائے گا۔

اندلیسہ میں اموی خلافت کا اعلان

۳۱۶ھ ۔ ۹۲۸ء

بغداد میں عباسی خلافت کے قیام کے بعد اموی خاندان کے ایک فرد نے اندلیسہ (ہسپانیہ) پہنچکر ۱۳۸ ہجری مطابق ۷۵۶ء میں اپنی آزاد امارت قائم کرلی تھی۔ ۳۱۶ ہجری مطابق ۹۲۸ء میں قرطبہ اندلس کے امیر عبدالرحمان ثالث نے المہدیہ تیونس میں قائم ہونے والی فاطمی خلافت سے متاثر ہوکر اپنے خلیفہ اسلام بننے کا اعلان کردیا۔ اس وقت بغداد میں المقتدر باللہ عباسی خلیفہ تھا۔ اسی طرح چوتھی صدی ہجری کے آغاز میں تین خلافتیں قائم ہوگئیں۔ جن میں سے ہر ایک خلافت مسلمانانِ عالم کی دینی اور دُنیوی قیادت کی مدعی تھی۔ (خلافت اندلیسہ کا حال الگ فصل میں بیان کیا جائے گا۔

بغداد میں امیر الامرا کا تقرر

خلیفہ معتصم باللہ کے وقت سے لے کر تقریباً سو سال تک قصرِ خلافت کے ترک محافظ اور غلام امورِ مملکت اور خلفا کے عزل و نصب میں بہت دخیل ہو رہے تھے۔ خلافت کا اقتدار عملاً ان ہی ترکوں کے ہاتھ میں جا چکا تھا۔ خلفا محض نمائش کے ہاتھی تھے۔ جن کے نام اور منصب کے سامنے مملکت کے امرا اپنے سر جھکا دیتے تھے مرکزی اقتدار کے ضعیف ہو جانے پر مملکت کے اقطاع میں امرا اور حکام آزاد امارتیں اور بادشاہیاں قائم کرنے لگے۔ دربارِ خلافت سے اکثر امراء کا تعلق فقط اتنا رہ گیا تھا کہ وہ خلیفہ کو نذر نیاز اور تحائف وغیرہ بھیجتے رہتے تھے اور اپنے زیرِ تسلط علاقے میں حکمرانی کرنے کے لئے دربار خلافت سے سند امارت حاصل کر لیا کرتے تھے جو امیر طاقتور ہو جاتا تھا دربار خلافت سے سند جواز حاصل کر لیتا تھا اور دوسرے علاقے کے امیر سے جنگ کر کے اس کی امارت کا خاتمہ کر دیتا تھا اس بد نظمی کی کیفیت میں ولایت دیلم کے امیر محمد بن رائق نے کافی طاقت فراہم کر لی۔ دیلم ایرانِ حاضرہ کا وہ صوبہ ہے جو بحیرہ خزر کے جنوب میں واقع ہے۔ جس کا صدر مقام رے تھا جس کے کھنڈروں کے قریب بعد میں تہران آباد ہوا۔ ایران کی دوسری ولایات کے امیر اس کی طاقت کا لوہا ماننے لگے۔ دیلمی امرا۔ بخارا اور ترکستان کے سامانیوں کی طرح ایرانی النسل تھے۔ اور بہرام گور ساسانی کی اولاد

ہونے کے مدعی تھے۔ مرکزِ خلافت کے کمزور ہونے پر ایران کے اندر ان کے اثر و رسوخ کے بڑھ جانے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ایرانیوں کی قومی حس میں بیداری کے آثار پیدا ہونے لگے تھے اور ایرانی خلافت اسلامیہ کے نظم و نسق میں ترکوں کے رسوخ کو کم کر کے اپنا رسوخ بڑھانے کے خواہش مند تھے۔ سنہ ۳۲۰ ہجری مطابق سنہ ۹۳۲ء میں خلیفہ القاہر بامر اللہ نے دیلم کے امیر محمد ابن رایق آلِ بویہ کو بغداد بلا کر اپنا مشیر اور محافظ مقرر کیا۔ اس خلیفہ کو ترکوں نے اندھا کر کے خلافت سے الگ کر دیا۔ اس کے جانشین الراضی باللہ نے سنہ ۳۲۴ھ مطابق سنہ ۹۳۶ء میں امیر محمد بن رایق کو معز الدولہ کا خطاب دے کر امیر الامرا کے لقب سے ملقب کیا اور امورِ مملکت کا انصرام اسی کے حوالہ کر دیا۔ معز الدولہ کا خطاب پا کر دیلمی بویہی کو بغداد اور مملکتِ خلافت کے اندر اپنے اقتدار کا سکہ جمانے میں بڑی مشکلات پیش آئیں۔ اور کافی عرصہ تک بغداد کے اندر شورشیں اور فساد برپا ہوتے رہے لیکن آخرکار آلِ بویہ کے دیلمی امیر یعنی معز الدولہ اور اس کے بھائی اور جانشین ایران کے اندر خلیفہ کے نام پر اپنے اقتدار کا سکہ چلانے میں کامیاب ہو گئے۔

مملکتِ خلافت کا انتشار

اس طرح خلافتِ عباسی کے اقتدار کی دوسری صدی کے اثر

میں خلفا کی حیثیت محض برائے نام سی رہ گئی۔ مملکت میں جا بجا آزاد امارتیں۔ دولتیں۔ بادشاہیاں اور حریف خلافتیں قائم ہوگئیں جن کی تفصیل بصورت ذیل ہے :-

۳۳۴ھ ہجری مطابق ۹۴۶ء میں خلیفہ المستکفی باللہ کے عزل کے وقت مملکت اسلامی کی کیفیت کچھ اس طرح بن چکی تھی۔

(۱) ترکستان بخارا۔ خراسان (بشمول افغانستان و قطاع ایران) میں سامانی خاندان کی بادشاہت۔

(۲) ایران میں بویہیوں (آل بویہ) کا امارتی اقتدار۔

(۳) شام۔ عراق۔ دیار بکر۔ طبرستان۔ آذربائیجان۔ آرمینیا عرب اور مصر میں متعدد امرا جو خلافت بغداد کی اطاعت کا دم بھرتے تھے۔

(۴) یمن میں زیدیوں کی امارت۔

(۵) دیار مغرب (تیونیشیہ اور الجزائر) میں فاطمی خلافت۔

(۶) اندلس (ہسپانیہ) میں اموی خلافت۔

(۷) منصورہ (سندھ) اور ملتان میں فراموش شدہ اسلامی ریاستیں۔

دیگر کوائف

اس عہد میں علمی تفتیش و ترقی کا کام جو ہارون الرشید اور

مامون الرشید کے زمانے سے شروع ہوا تھا۔ برابر جاری رہا۔ طب اور حفظانِ صحت کے علوم کی طرف بہت توجہ مبذول کی جاتی تھی عباسی خلافت کے اِس صد سالہ دَور میں مملکت کے اندر ۳۴ بڑے سرکاری ہسپتال کھل گئے۔ جن میں بیمار رکھے جاتے تھے۔ انسان کا علاج کیا جاتا تھا۔ بیمار عورتوں کا انتظام الگ ہوا کرتا تھا۔ ہر ہسپتال کے ساتھ طبی کتب خانہ۔ اور دَوا خانہ ہوا کرتا تھا۔ اِس دَور کا ایک شہرۂ آفاق طبیب الرّازی تھا جو ۸۲۵ھ سے ۹۲۵ء تک جیا۔ الرّازی بہت سے نئے آلاتِ جرّاحی کا موجد تھا۔ ایک اوزار اتنا باریک بنایا گیا تھا۔ جو بال تک چیر سکتا تھا۔ اِس نے علم طب پر متعدد کتابیں لکھیں چیچک اور خسرہ کے علاج کے سلسلے میں اپنے تجربات پر مشتمل ایک رسالہ تصنیف کیا۔ علم الکیمیا پر ایک کتاب کتاب الاسرار کے نام سے لکھی۔ اور الحاوی کے نام سے طب کا انسائیکلو پیڈیا تیار کیا۔ الرّازی نے ہسپتال کی جگہ معیّن کرنے کے لئے خوشگوار ہوا معلوم کرنے کی اچھوتی ترکیب اختیار کی اور مختلف مقامات پر گوشت کی بانیں لٹکوادیں اور دیکھا کہ کس جگہ پر گوشت میں دیر سے سڑاند پیدا ہوئی۔ اس طرح جو جگہ خوشگوار ترین ہوا رکھنے والی ثابت ہوئی وہیں ہسپتال بنایا گیا۔ خلیفہ المتوکّل کے عہد میں فنِ تعمیر۔ مصوّری نقشہ کشی۔ مجسمہ سازی۔ نقش و نگار۔ رنگ آمیزی۔ خوش نویسی اور خطّاطی معراجِ کمال کو پہنچ گئی تھی۔ خوش نویسی اور خطّاطی کے

ساتھ اوراق کی تزئین و تصویر اور جلد سازی کے فنون کو بہت ترقی حاصل ہوئی۔ اِس عہد کے شعراء میں حماسہ کا مؤلف ابو تمام۔ المقتدر باللہ کے عہد کا یک روزہ خلیفہ ابن معتز۔ سہل ابن ہارون اور وزیر ابن الزیات بہت مشہور ہیں۔ ادب و شعر کے لحاظ سے عباسی خلفا کا ابتدائی دور اور یہ دور فصاحت و بلاغت کے کمال کا زمانہ متصور ہوتا ہے۔ علوم و فنون کے دوسرے شعبوں میں سرگرمی کے ساتھ کام جاری رہا۔ اِمرا عام طور پر علم پرور اور عالم نواز تھے۔ اُمرا کے دربار میں اربابِ کمال کا اجتماع قابلِ فخر سمجھا جاتا تھا۔ دربارِ خلافت بھی علما اور اربابِ کمال کا بہت قدردان تھا۔ مشہور مورخ طبری بھی اسی عہد کے روشن ستاروں میں سے ہے جس نے سنہ ۳۱۰ ہجری مطابق سنہ ۹۲۳ء میں وفات پائی۔

خلافتِ عباسیہ کے اس صد سالہ دور میں آفاتِ ارضی و سماوی نے بھی مملکت کو بہت کچھ نقصان پہونچایا۔ خلیفہ المتوکل علی اللہ کے عہد میں (سنہ ۲۴۱ھ) میں صاعقہ کے باعث بہت سے آدمی ہلاک ہوگئے۔ عراق میں مُرغی کے انڈے کے برابر اولے پڑے۔ مغرب کے تیرہ گاؤں زمین میں دھنس گئے۔ تیونیشیہ۔ رے۔ خراسان۔ نیشاپور اور طبرستان میں سخت زلزلے آئے۔ اور کئی مقامات پر زمین پھٹ گئی۔ خلیفہ معتمد علی اللہ کے عہد (سنہ ۲۶۰ ہجری) میں عراق میں وبا پھوٹ پڑی جس کے باعث بہت سی آبادی تلف ہوگئی۔ عراق اور حجاز میں

سخت قحط رونما ہوا۔ ۲۹۲ھ ہجری میں دریائے دجلہ میں سخت طغیانی آئی۔ جس کے باعث بغداد کا بہت سا حصہ تباہ ہو گیا۔ الراضی باللہ کے عہد میں حسین الشمغانی نامی شخص نے نبی ہونے اور مردوں کو زندہ کرنے کا دعویٰ کیا۔ اور بہت لوگوں کو اپنا قائل اور مرید بنا لیا۔ یہ مرتد خلیفہ کے حکم سے قتل ہوا اور کیفر کردار کو پہنچا۔

اس عہد کے مشائخ اور صوفیائے کرام میں ذوالنون مصری رح۔ سہل ابن عبداللہ تستری رح۔ معروف کرخی رح۔ سری سقطی رح۔ احمد خضرویہ رح۔ جنید بغدادی رح۔ ابو حفص حداد رح۔ احمد بن عاصم۔ عمر بن عثمان المکی رح۔ ابو خیر نساج۔ احمد مسروق منصور حلاج رح۔ اور بہت سے بزرگوں نے شہرت پائی اور دین کی خدمت کی۔ منصور حلاج رح کو بعد کے بعض صوفیائے کرام سچا صوفی خیال نہیں کرتے۔ بعض نے انہیں ساحر قرار دیا۔ اور فلسفی گردانا۔ بعض کا خیال ہے کہ حسین منصور دو تھے۔ ایک صوفی تھا اور دوسرا قرمطی۔ منصور نے تصوف میں انا الحق کا فلسفہ ایجاد اور رائج کیا۔ اور سولی کی سزا پائی۔ منصور حلاج کو خلیفہ المقتدر کے عہد میں دار پر لٹکایا گیا۔

ائمۂ حدیث

علمِ دین کی سرگرمیوں کے اعتبار سے اس دور کو ائمہ حدیث کا زمانہ کہنا چاہیئے۔ اس سے پہلے کے صد سالہ دور میں ائمہ دین یعنی حضرت امام اعظمؒ۔ حضرت امام مالکؒ۔ حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ حضرت امام جعفر صادقؒ۔ اور حضرت امام اوزاعیؒ نے اپنی زندگیاں بسر کیں اور اس دوسرے دور میں ایسے بزرگانِ دین ظاہر ہوئے جنہوں نے اپنی زندگیاں احادیث نبوی کی چھان بین اور تدوین کے لئے بسر کر دیں صحاح ستہ یعنی حدیث کی چھ جامع کتب اس زمانے میں تیار ہوئیں۔ جامع الصحیح کے مؤلف (امام محمد بن اسماعیل البخاری) سنہ ۱۹۴ ہجری میں بمقام بخارا پیدا ہوئے۔ انہوں نے حدیثیں جمع کرنے کیلئے مملکتِ اسلام میں دور دراز کے سفر کئے۔ اور سنہ ۲۵۶ ہجری ۶۲ سال کی عمر میں بخارا سے سمرقند جاتے ہوئے خرتنگ کے مقام پر وفات پائی۔ اس زمانہ کے عامۃ المسلمین میں علمِ حدیث حاصل کرنے کا شوق اس قدر فراواں تھا کہ جب امام بخاری سفر کے بعد وطن کو واپس لوٹے تو نیشاپور میں اُن کا شاہانہ استقبال کیا گیا۔ اور بخارا کے لوگوں نے شہر سے باہر تین میل تک خیمے نصب کر لئے اور راستے میں امام پر درہم و دینار نچھاور کرتے گئے۔ اُن کی

تالیف کردہ کتاب حدیث الجامع الصحیح اور اسماء الرجال کے تذکرے، تاریخ کبیر، تاریخ صغیر اور تاریخ واسط بہت ثقہ اور معتبر سمجھے جاتے ہیں۔ امام مسلم رح اسی دور میں ۲۰۶ھ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۲۶۱ھ میں وفات پائی۔ یہ صاحب امام بخاری کے شاگرد تھے۔ اُن کی کتاب حدیث الجامع المسلم کے نام سے مشہور ہے۔ امام محمد بن عیسے بن سورۃ الترمذی صاحب الجامع والعلل ۲۰۹ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۷۵ھ میں وفات پاگئے۔ سنن نسائی کے مؤلف امام احمد بن شعیب رح ۲۱۴ھ ہجری میں پیدا ہوئے۔ اور ۳۰۳ھ میں وفات پائی۔ امام محمد بن یزید ابن ماجہ قزوینی ۲۰۹ھ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۲۷۳ھ میں وفات پاگئے۔ ان چھ احصوں کی تالیف کردہ کتب حدیث بہ اجماع ثقہ اور معتبر سمجھی جاتی ہیں۔

خلافتِ عباسیہ کا تیسرا صد سالہ دور

سنہ ۳۳۴ھ سے سنہ ۴۳۶ھ تک

سنہ ۹۴۶ء سے سنہ ۱۰۴۶ء

خلافتِ عباسیہ کے تیسرے صد سالہ دور کا آغاز جیسا کہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں ایسے حال میں ہوا جب کہ مملکتِ اسلامیہ کے شیرازے کے اجزا پریشان ہو چکے تھے۔ تیونیشیہ اور اندلس میں دو حریف اور متوازی خلافتیں نمودار ہو چکی تھیں۔ اور ولایات کے امرا نے خود مختار بادشاہیاں اور سلطنتیں قائم کر لی تھیں۔ تاہم یہ امرا اور سلاطین خلیفۂ بغداد کو اپنا مقتدا اور پیشوا مانتے اور دربار خلافت سے سند خوشنودی حاصل کرنے کو اپنے اقتدار کے استحکام کے لئے ضروری متصور کرتے تھے۔ ایران اور عراق میں خود بغداد کے اندر بویہی (آلِ بویہ) خاندان کے امرا کا سکہ چلتا تھا۔

اور یہ امرا عباسی خلفا کو وظیفہ دیا کرتے تھے۔ اور خلفا اسی پر قانع تھے۔ اس کے علاوہ کچھ نذریں اور نیازیں دُور اُفتادہ ولایات کے حاکموں امیروں اور سلطانوں سے بھی وقتاً فوقتاً موصول ہوجاتی تھیں۔ اور اس صد سالہ عہد کے عباسی خلفا حسب ذیل ہوگذرے ہیں

المطیع اللہ	مدت خلافت	۲۹ سال ۴ ماہ	۳۶۳ہجری تک
الطائع اللہ	"	۱۷ " ۹ "	۳۸۱ " "
القادر باللہ	"	۴۱ " ۴ ماہ	۴۲۲ " "
القائم باللہ	"	۴۴ " ۸ "	۴۶۷ " "

اس خلیفہ کے عہد میں خلافتِ عباسیہ کا تیسرا صد سالہ دَور اختتام پذیر ہوا۔ اس دَور کے واقعات جو دربارِ خلافت سے براہ راست تعلق رکھتے ہیں حسب ذیل ہیں:-

خلیفہ المطیع اللہ الفضل کے عہد میں بدامنی اور انارکی پھیل گئی اور امیر الامرا معز الدولہ اپنے اقتدار کے استحکام کے لئے کوشاں رہا۔ اس زمانہ میں حلب کا امیر سیف الدولہ حمدانی ایک طاقتور حکمران تھا جو روم کے عیسائیوں سے مدت العمر برسر پیکار رہا۔ اس کے دربار میں عربی کا مشہورِ آفاق شاعر المتنبی اور مشہورِ زمانہ فلاسفر حکیم فارابی اس امیر کی علم پروری کا روشن ثبوت بن کر موجود رہے۔ ایسے حال میں جبکہ مملکتِ اسلام کا قلب یعنی ایران و عراق طرح طرح کی سازشوں اور جھگڑوں کی آماجگاہ بن رہا تھا۔ امیر سیف الدولہ

حمدانی نے رُوم کے عیسائیوں کو اسلامی مملکت کو پامال کرنے سے روکے رکھا۔

اسی خلیفہ کے عہد میں ۳۳۹ھ ہجری مطابق ۹۵۰ء میں قرامطہ اور عثمان کے قرامطہ کی سرکوبی کی گئی اور حجرِ اسود کو جسے قرامطہ ۲۲ سال پہلے اٹھا کر لائے تھے بیت اللہ شریف کی دیوار میں اپنی جگہ پر نصب کرایا گیا۔

۳۵۵ھ ہجری مطابق ۹۶۶ء میں تیونیشیہ کے فاطمی خلیفہ کے ایک سالار جوہر نامی نے مصر پر لشکر کشی کی اور مصر کو فاطمی خلافت کے دائرہ میں شامل کر لیا۔ فاطمی خلیفہ المعزالدین اللہ نے اس فتح کے بعد مصر کی سکونت اختیار کر لی اور قاہرہ کے نام سے نیا شہر آباد کر کے اسے دارالخلافت بنایا۔ اس طرح مصر کی ولایت اور دیار مغرب عباسی خلافت کے برائے نام حلقۂ اثر سے بھی باہر نکل گئی۔

اب ہم مملکت اسلامی کے ان قطعات کے حالات الگ الگ فصول میں بیان کریں گے جہاں آزاد حکومتیں اور امارتیں قائم ہو گئی تھیں۔ تاکہ پڑھنے والوں کو تاریخی واقعات کی رفتار کا حال صاف اور صریح طور پر معلوم ہو سکے۔

دولتِ سامانیہ اور دولتِ غزنویہ

ہندوستان پر مجاہدینِ اسلام کی یلغاریں

دولتِ سامانیہ کا عروج وزوال

سنہ ۲۷۹ھ سے سنہ ۴۱۶ھ تک

ہم گذشتہ باب میں اپنے موقع پر لکھ چکے ہیں کہ سنہ ۲۷۹ ہجری میں اسماعیل سامانی حاکم بخارا و ماوراءالنہر نے مرکزِ خلافت سے آزاد ہو کر دولتِ سامانیہ کی بنیاد رکھ دی اور سنہ ۲۹۰ ہجری میں خراسان کے حکمران صفاری خاندان کے امیر کو شکست دیکر خراسان کی مملکت بھی اپنے حلقۂ اقتدار میں شامل کر لی۔ قلبِ خلافت کے کمزور ہو جانے پر دیارِ مشرق میں اس طاقتور اسلامی سلطنت کا ظہور اس لحاظ سے

فائدہ مند ثابت ہوا کیونکہ یہ سلطنت وحشی تاتاریوں کے حملوں کے سامنے مملکتِ اسلام کے لئے ایک سدِ سکندری بن گئی۔ ۲۷۹ھ ہجری مطابق ۸۹۲ء سے ۴۱۶ ہجری مطابق ۱۰۲۵ء تک اس خاندان کے نو بادشاہ یکے بعد دیگرے حکمران بنے ۴۱۶ھ میں محمود غزنوی کی یلغار نے جس کا حال آگے چل کر بیان کیا جائے گا۔ اس خاندان کی بادشاہی کا خاتمہ کر کے بخارا اور ماوراءالنہر کی مملکت کو دولتِ غزنویہ میں شامل کر لیا۔ امیر نصر ثانی جس نے ۳۰۱ ہجری ۹۱۳ء سے لے کر ۳۲۹ھ ۹۴۲ء تک حکومت کی اس خاندان کا بہت ذی شوکت بادشاہ تھا۔

سامانی خاندان کے ایک بادشاہ عبدالملک کی وفات پر جو ۳۵۰ ہجری مطابق ۹۶۱ء میں ہوئی بخارا کے اہلِ دربار نے اس کے کمسن بیٹے منصور کو بادشاہ بنا لیا۔ عبدالملک کا ایک غلام الپتگین اس وقت خراسان کا حاکم تھا جس نے منصور کو بادشاہ بنانے کے خلاف رائے بھیجی تھی۔ اس لئے الپتگین دربارِ بخارا سے باغی ہو کر خراسان کا خودمختار حکمران بن بیٹھا۔ اس طرح ۳۵۰ ہجری ۹۶۱ء میں سامانیوں کی وسیع سلطنت دو حصوں میں منقسم ہو گئی۔ سامانی خاندان کے حکمران بڑے علم دوست تھے اور انہوں نے فارسی زبان کے احیاء کی تحریک کو بہت فروغ دیا۔ اس زمانے میں ایران کے اندر اور مملکتِ بخارا میں ایسے اُمرا پیدا ہو گئے تھے جو فارسی زبان کی ترویج کا خاص خیال رکھتے تھے۔

فارسی زبان میں شعر کہنے کا سُراغ تو خلیفہ المامون کے عہد میں بھی ملتا ہے۔ جب کہ اُس کے داخلۂ مرو پر عباس نامی ایک شاعر نے فارسی زبان میں قصیدہ لکھ کر پیش کیا تھا۔ لیکن فارسی غزل کا موجد رودکی نصر بن احمد سامانی کا درباری گویّا اور شاعر تھا۔ جس کی ایک غزل نے بادشاہ کے دِل میں جب کہ وہ ہرات کے نواح میں خیمہ ڈالے پڑا تھا بخارا کی یاد تازہ کردی اور اُس نے اُسی وقت بخارا کی طرف کوچ کرنے کا حکم دے دیا۔ رودکی کی اِس شہرۂ آفاق غزل کا مطلع حسب ذیل ہے:-

بوئے جوئے مولیاں آید ہمی
یادِ یارِ مہرباں آید ہمی

الپ تگین نے غزنین میں اپنی خود مختار امارت سنہ ۳۵۳ ہجری مطابق سنہ ۹۶۱ء میں قائم کرلی تو سلطنت سامانی دو حصّوں میں منقسم ہوگئی۔ اُمرائے سامانیہ کمزور ہوتے چلے گئے اور وسط ایشیا کے ترکوں نے بخارا اور خراسان کو اپنی ترکتاز کی آماجگاہ بنا لیا۔ جس کی وجہ سے بخارا کے سامانی امرا غزنین کے دربار سے امداد لینے پر مجبور ہوتے رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سنہ ۴۱۶ھ مطابق سنہ ۱۰۲۴ء میں غزنین کے سلطان محمود اعظم نے جس کا حال آگے چل کر بیان کیا جائے گا۔ بخارا کے سامانی امیر کو نا اہل پاکر سلطنت بخارا کا نظم و نسق بھی اپنے قوی ہاتھوں میں لے لیا اسی طرح بخارا اور ماوراء النہر میں سامانی خاندان

کی امارت کا خاتمہ ہو گیا۔

دولتِ غزنویہ کا ظہور و عروج

الپ تگین حاکمِ خراسان نے جو دربارِ سامانی سے الگ ہو کر ۳۵۳ھ سنہ ۹۶۲ء میں نیشاپور۔ ہرات۔ بلخ۔ بامیان۔ کابل اور غزنیں کی ولایات کا خود مختار بادشاہ بن بیٹھا تھا۔ ۳۶۷ھ سنہ ۹۷۶ء میں وفات پائی۔ اور اہلِ دربار نے اُس کے بیٹے ابو اسحاق کے بجائے اس کے داماد اور غلام سبکتگین کو بادشاہ بنا لیا۔ سبکتگین الپ تگین کا زرخرید غلام تھا۔ لیکن اُس نے اپنی بہادری اور ہمت و جوانمردی زیرکی اور قابلیت کے بل پر اپنے آقا کے دل کو اس حد تک موہ لیا کہ الپ تگین نے اپنی بیٹی اس کے ساتھ بیاہ دی اور اُمورِ سلطنت کے انصرام میں اس سے مدد لینے لگا۔ سبکتگین نے غزنیں کو اپنا دارالحکومت بنایا۔ اور ترک سردار بغرا خاں کے مقابلے میں بخارا کے سامانی بادشاہ کی مدد کر کے اُس سے امارتِ غزنیں پر متمکن ہونے کی سند حاصل کر لی۔ سبکتگین کو غزنیں کا امیر بننے کے بعد کوہستان سلیمان کے پٹھانوں سے نپٹنا پڑا۔ جنہوں نے ملتان اور سرحدِ سندھ کے کوہستانی علاقے میں ایک آزاد ریاست قائم کر رکھی تھی۔ امیر سبکتگین کے زمانے میں اس ریاست کا والی شیخ حمید لودھی تھا جس کے تعلقات پنجاب کے ہندو راجہ جے پال کے ساتھ بہت دوستانہ تھے

امیر سبکتگین کو کوہستان کے پٹھانوں کے ساتھ متعدد لڑائیاں لڑنی پڑیں اور آخرکار شیخ حمید لودھی نے امیر سبکتگین کے ساتھ صلح کرلی۔

پنجاب کے راجہ سے جنگ

ان ایام میں پنجاب کے ہندو راجاؤں کی حکومت پشاور سے آگے جلال آباد اور لمغان تک کے علاقہ تک پھیلی ہوئی تھی۔ اور جے پال نامی ایک راجا امیر سبکتگین کا ہم عصر تھا جس کی راجدھانی لاہور میں تھی۔ جے پال نے امیر سبکتگین کی بڑھتی ہوئی طاقت کو اپنے لئے خطرہ محسوس کرتے ہوئے غزنین کی مملکت پر شمال کی طرف سے لشکر کشی کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ راجہ جے پال نے درہ خیبر سے پار ہو کر یلغار شروع کی۔ سبکتگین نے جلال آباد کے قریب مقابلہ کیا۔ گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ جس میں ہندو راجہ کے لشکر نے اسلام کے مجاہدین کے ہاتھوں شکست کھائی۔ راجا اسیر ہوا۔ تاوان جنگ ادا کرنے کی شرط پر امان پائی اور امیر سبکتگین کے ایلچیوں کو لے کر لاہور واپس آگیا۔ لاہور پہنچ کر راجا نے بدعہدی کی اور تاوان جنگ دینے سے انکار کردیا۔ اس پر سبکتگین نے لشکر لے کر پشاور کے علاقے میں یلغار کی۔ اور قلعہ لمغان کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔

اس کے بعد راجا جے پال نے ہندوستان کے راجاؤں سے

خط وکتابت کر کے انہیں مملکتِ غزنین پر حملہ کرنے کے لئے اُبھارا اور متذکرہ صدر مہم کے تین سال بعد راجہ ایک لشکر جرّار لے کر جس میں دہلی اجمیر اور قنوج کی فوجیں بھی شامل تھیں، پشاور کی طرف روانہ ہو گیا۔ اُدھر امیر سبکتگین کو بھی اس لشکر کی روانگی کی اطلاع مل گئی چنانچہ وہ بھی لشکر لے کر پہاڑوں سے نیچے اُتر آیا اور پشاور کے میدانوں میں خیمہ زن ہو گیا۔ ہندوؤں کا لشکر بھی آن پہنچا اور سخت جنگ وقوع پذیر ہوئی۔ کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ آخر کار ہندو حملہ ہار کر بھاگ نکلے۔ مجاہدینِ اسلام نے اُن کا تعاقب کیا۔ راجہ جے پال نے دریائے اٹک تک کا علاقہ ہار دیا اور آئندہ کے لئے خراج دینا منظور کیا۔ راجہ جے پال کو اس شکست پر اتنی ندامت ہوئی کہ وہ لاہور پہنچ کر چتا میں جل کر مر گیا۔ اس کی جگہ اس کا بیٹا انند پال راجا بنا۔ یہ جنگ سنہ ۳۸۱ ہجری مطابق سنہ ۹۹۱ء میں وقوع پذیر ہوئی۔

امیر ناصرالدین سبکتگین نے سنہ ۳۸۷ھ مطابق سنہ ۹۹۷ء میں شہر ترند (بلخ) میں وفات پائی۔ اس کے چھوٹے بیٹے اسماعیل نے غزنین میں امیر بننے کا اعلان کر دیا۔ بڑا بیٹا محمود اس وقت نیشاپور میں تھا۔ محمود نے اپنے برادر اصغر کو خط لکھ کر سمجھانے کی کوشش کی لیکن وہ راہِ راست پر نہ آیا اس لئے دونوں کے درمیان لڑائی ہوئی جس میں محمود فتحیاب ہوا۔ اور امارتِ غزنین پر امیر سبکتگین کا جانشین بنا۔

محمود غزنوی بُت شکن

۳۸۷ھ سے ۴۲۱ھ تک

۹۹۷ء سے ۱۰۳۰ء

عین اس حال میں جب کہ مملکت اسلام خلافت کے تین مراکز یعنی قرطبہ قاہرہ اور بغداد میں منقسم ہو چکی تھی۔ بغداد کے عباسی خلفا کا اقتدار محض برائے نام سا رہ گیا تھا۔ اُمرائے مملکت نے خودسری کر کے جا بجا آزاد امارتیں قائم کر لی تھیں۔ جسد اسلام میں ہر طرف ضعف و انحطاط کے آثار ترقی پذیر تھے۔ امارت غزنین کے نظم و نسق کی زمام ایک اولوالعزم اور بلند اقبال بطلِ جلیل امیر محمود نے سنبھالی اور اپنی ہمت۔ جوانمردی۔ شجاعت اور قابلیت کے بل پر دولتِ غزنویہ کو عروج کی بلندیوں تک پہنچا کر اسلام کی شان و شوکت کے فرسودہ جسم میں نئی جان ڈال دی۔ محمود غزنوی نے مملکت کے خودسر عناصر کی سرکوبی کی۔ کمزور امرا کا خاتمہ کر کے اپنی سلطنت کو وسعت دی۔ اور دینِ اسلام کے پیغام کو کفرستان ہند میں

دُور دراز تک پہنچانے کے لئے فتوحات کا ایک نیا سلسلہ شروع کردیا جو خلافتِ عباسیہ کے قیام کے وقت سے یک سر رُکا پڑا تھا۔ خلفائے بنو عباس نے اپنی سطوت و طاقت کے عروج کے زمانے میں بھی مملکتِ اسلامی کو توسیع دینے کی طرف توجہ مبذول نہیں کی تھی۔ زنگ تاتار اور ہند کے کفرستانوں کے مقابلے میں انہوں نے صرف دفاعی حکمتِ عملی اختیار کی۔ ان کے عہد میں رُوم کے قیصروں اور تاتار کے خاقانوں کے ساتھ متواتر جنگیں ہوتی رہیں۔ لیکن کشور کشائی کی مُہمیں اختیار نہیں کی گئیں۔ مرکزِ خلافت کی توجہ ملوکاتِ ہند (سندھ) کی طرف سے یکسر ہٹ گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سندھ کے بہت سے اقطاع ہندوؤں نے زور مار مار کر مسلمانوں سے واپس لے لئے۔ باجگزار راجاؤں نے خراج دینا بند کردیا۔ اور صرف منصورہ اور ملتان کی آزاد اسلامی ریاستیں باقی رہ گئیں۔ عہدِ عباسی کے نصفِ اوّل میں تیونشیہ کے اغلبی امرا نے سسلی اور جنوبی اٹلی پر یلغاریں کیں اور کچھ عرصہ کے لئے اِن اقطاع پر اسلام کی حکومت قائم رکھی۔ لیکن اس سارے عہد میں کوئی ایسی شاندار مہم اختیار نہ کی گئی جو دین کی نشر و اشاعت کے لئے مسلمانوں پر نئے نئے ملکوں کے دروازے کھول دیتی۔ پورے ڈھائی سو سال کے بعد کفرستان کی ایک نئی مملکت میں اسلام کی فاتحانہ یلغاروں کا وہی پُرانا عالم پھر دیکھنے میں آیا جو اسلام کی پہلی صدی کی تاریخ کا مایہ الامتیاز تھا۔

اس قابلِ فخر کیفیت کے احیار کا سہرا سلطان محمود غزنوی کے سر پر ہے۔ جس نے غزنیں سے اُٹھ کر خراسان۔ بخارا۔ خیوا ترکستان۔ ایران اور عراق عجم کے ملکوں میں اپنے سطوت وجبروت کا سکہ چلایا اور شمالی ہندوستان کو نگر کوٹ (کانگڑہ) کالنجر۔ گوالیار اور سومنات (گجرات کاٹھیاواڑ) تک تاراج کرکے بُت شکن ہونے کا لقب حاصل کیا۔

سلطان محمود غزنوی نے اپنے ۳۴ سالہ عہدِ حکمرانی میں ایک لحظہ کے لئے بھی چین سے کام نہ لیا۔ اور مشرق ومغرب اور شمال وجنوب میں مہاتِ عسکری کا ایک سلسلہ جاری رکھا۔ اور جس طرف لشکر کشی کی فتح ونصرت نے قدم چومے اور بخت واقبال نے یاوری کی۔ راجگانِ ہند سے امیر سبکتگین ہی کے عہد میں چھیڑ چھاڑ شروع ہو گئی تھی۔ یہ جنگ سلطان محمود کے عہد میں متواتر جاری رہی۔ اور سلطان کو ۱۰۰۱ء سے ۱۰۲۶ء تک کے پچیس سال عرصہ میں کوئی سترہ مہیں ہندوستان کے خودسر۔ پیمان شکن اور مبارزہ طلب راجاؤں کو نیچا دکھانے کے لئے اختیار کرنی پڑیں۔ جو مُہیں سلطان نے وسطِ ایشیا کے ترکوں۔ بخارا اور خوارزم کے خودسر سلطانوں اور ایران وعراق عجم کے دیلمی امیروں کو سر کرنے کے لئے اختیار کیں وہ ان سے علاوہ ہیں۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ سلطان محمود زیبِ اورنگ اور زیبائشِ قصر بننے پر مردِ میدان

بنے رہنے کو ترجیح دیتا تھا۔ لہٰذا اُس نے ساری زندگی لشکر کشی اور کشور کشائی میں صرف کر دی۔

سلطان محمود اور پنجاب کے راجہ انند پال کا پہلا مقابلہ دریائے اٹک کے دائیں کنارے وہند کے مقام پر ہوا جو مضافات پشاور کا ایک مقام تھا۔ جنگ کی وجہ اس خراج کو ادا کرنے سے راجا کا انکار تھا۔ جو اس کے باپ جے پال نے امیر سبکتگین کو دینا منظور کر لیا تھا۔ راجہ انند پال کو شکست ہوئی اور سلطان کے لشکروں نے آگے بڑھ کر بھیرا کا قلعہ تاراج کر دیا۔ یہ جنگ سنہ۱۰۰۶ء میں وقوع پذیر ہوئی۔ دو سال بعد سلطان محمود نے پنجاب کی سرزمین میں لاہور اور بھٹنڈا تک لشکر کشی کی اور راجہ جے پال دوم پسر انند پال کو شکست دے کر بشرطِ خراج راجہ رہنے دیا۔ لیکن پنجاب اور شمالی ہند کے راجے اپنی آزادی حاصل کرنے کے لئے ساز باز کرتے رہتے تھے۔ محمود کے غزنین جانے کے بعد بھٹنیر کے راجا نے ملتان کے امیر داؤد بن نصیر ابن شیخ حمید لودھی کو سلطان سے باغی کرا دیا اور محمود نے بھٹنیر اور ملتان پر لشکر کشی کی۔ اسی اثنا میں بھٹنڈا کے راجا سکھ پال پسر جے پال نے سرکشی کی جس کو سلطان کے امرا نے جو پنجاب میں تھے سزا دی۔ اتنے میں ایلک خاں ترک نے خراسان کے حاکم کو آمادۂ بغاوت کر دیا۔ اور محمود خراسان پر لشکر کشی کرنے پر مجبور ہو گیا۔ ایلک خاں سے جنگ ہوئی جس میں ایلک خاں نے

شکست کھائی۔ سلطان کو خراسان میں مصروفِ مہمات پاکر پنجاب کے راجا نے ملتان کے امیر اور شمالی ہند کے دوسرے راجاؤں کی مدد سے پشاور کے نواح میں فوجیں جمع کرلیں ارادہ یہ تھا کہ مملکت غزنیں پر چڑھائی کی جائے۔ اتنے میں سلطان خراسان کی مہم سے واپس آچکا تھا۔ فوراً اس طرف متوجہ ہوا۔ اور راجگانِ ہند کی متحدہ فوج کو شکست دی۔ راجا خوف زدہ ہوکر نگرکوٹ (کانگڑہ) کے قلعے میں پناہ گزین ہوا اور وہاں بیٹھ کر جنگ کی نئی تیاریوں میں مصروف ہوگیا۔ محمود نے اگلے سال نگرکوٹ تک یلغار کی اور وہاں کے قلعے کو تاراج کیا۔ اس کے بعد سلطان محمود نے ان راجاؤں کو جنہوں نے پنجاب کے راجا کو بار بار سرکشی پر آبھارا اور آمادہ فساد کیا تھا۔ سزائیں دینے کیلئے پے درپے یلغاروں کا ایک سلسلہ شروع کردیا۔ اور تھانیسر۔ نندوگڈھ۔ کشمیر۔ قنوج متھرا۔ کالنجر گنالیار وغیرہ کی مہمیں اختیار کیں۔ ان ہی مہمات میں ملتان کی قرمطی اسماعیلی امارت کا بھی خاتمہ کردیا جس کے امرا ہندو راجاؤں کے ساتھ ساز باز رکھتے تھے۔ اور فاتح اسلام کی مخالفت کرتے رہتے تھے۔ ملتان کے اسماعیلی ملتان سے نکل کر سندھ میں سے ہوتے ہوئے سورت اور بمبئی میں پہنچ گئے۔ گجرات کا ٹھیاواڑ کے راجہ نے انہیں پناہ دی۔ اور وہیں رہنے سہنے لگے۔ ملتان کی ولایت اور پنجاب کی ریاست سلطنت غزنیں کے ساتھ

ملحق کر لی گئی۔ قرامطہ کے تعاقب میں محمود کو گجرات کی مہم اختیار کرنی پڑی۔

کفرستان ہند میں سلطان محمود غزنوی کی آخری یلغار گجرات کا کٹھیاواڑ کے مقام سومنات تک پہنچی محمود کو بتایا گیا کہ ہندوؤں کا سب سے بڑا دیوتا سومنات کے مندر میں ہے۔ اور ہندو کہتے ہیں کہ جن بتوں کو سلطان محمود نے توڑا ہے ان سے سومنات دیوتا ناراض تھا۔ اس لئے سلطان انہیں توڑنے میں کامیاب ہوگیا۔ اب کہ محمود نے سومنات پر حملہ کرنے کی ٹھان لی ہے۔ دیوتا جی اسے مزا چکھا دیں گے۔ محمود نے ملتان اور راجپوتانہ کے صحرا کی راہ سے کاٹھیاواڑ کے بڑے مرکز سومنات کی طرف لشکرکشی کی انہلواڑہ کے راجا نے محمود سے تعرض نہ کیا اور وعدہ کرلیا کہ وہ ان ہندو راجاؤں کا ساتھ نہ دے گا جو محمود کا مقابلہ کرنے کے لئے سومنات کے قریب جمع ہو رہے ہیں۔ سومنات کے سامنے میدان میں گھمسان کا رن پڑا اور انہلواڑے کا راجا بھی وعدہ شکنی کرکے بھاری لشکر لے کر محمود کے لڑتے ہوئے عساکر کے عقب سے نمودار ہوگیا۔ ہندو اپنے بڑے دیوتا اپنے مندر اور اس کے اندر صدیوں کی فراہم کی ہوئی دولت کے انباروں کی حفاظت کرنے کے لئے جان توڑ کر لڑے۔ مسلمانوں کے حوصلے چھوٹ گئے۔ محمود نے یہ حال دیکھ کر خرقان کے درویش حضرت ابوالحسن رح کے عطا کردہ

خرقہ کو سامنے رکھ کر دوگانہ ادا کیا اور بارگاہ ایزدی میں فتح ونصرت کی التجا کی۔ مجاہدین کو اُبھارا۔ اور راجہ انہلواڑہ کے مقابلے کے لئے ایک دستے کو بھیج کر باقی ماندہ فوج کے ساتھ سومنات کے قلعے پر ہلّہ بول دیا۔ ہندوؤں نے شکست کھائی اور مال و دولت سے بھرا ہوا مندر مسلمانوں کے قدموں پر آن گرا۔ برہمنوں نے سلطان سے التجا کی کہ آپ مُنہ مانگے زروجواہر لے لیں لیکن سومنات دیوتا کی مُورتی کو نہ توڑیں۔ محمود نے جواب دیا کہ میں دُنیا اور آخرت میں بُت فروش کہلانے کے بجائے بُت شکن کہلانا پسند کرتا ہوں۔ اس لئے مُورتی کو ضرور توڑوں گا۔ یہ کہا اور گرز مار کر کھوکھلے طلائی بُت کو جو سترہ گز لمبا تھا ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اس بُت کے اندر سے زروجواہر کا اتنا انبار نکلا جو برہمنوں کی پیش کش سے کہیں زیادہ مالیت کا تھا۔ محمود نے بلاشُبہ ہندوستان کی مہموں میں مندروں کو تاراج کیا اور بتوں کو توڑا۔ کیونکہ مندر اس زمانے میں اقتدار کے مراکز تھے۔ اور ہندو دیوتاؤں ہی کے نام پر محمود کا مقابلہ کرتے تھے۔ اور محمود ہندوؤں کے عقاید باطلہ کی عملی تکذیب کے لئے بتوں کا توڑنا ضروری خیال کرتا تھا تاکہ خدائے واحد کے نام کا بول بالا ہو۔ سومنات کا واقعہ اس الزام کو غلط قرار دینے کے لئے کافی ہے کہ محمود نے صرف مال و دولت لوٹنے کے لئے ہندوستان کی مہمیں اختیار کیں اور مندروں کو اسی لئے لوٹا کہ ان میں زروجواہر کے

انبار لگے ہوئے تھے۔ محمود نے اس مال و دولت کو جو ہندوستان کے مندروں میں صدیوں سے بیکار پڑا ہوا تھا۔ مقفّل خزانوں سے باہر نکالا اور لوگوں میں تقسیم کر دیا تاکہ ان کے کام آئے۔ اس مال و دولت کے باعث مملکت غزنویہ کے عوام کا معیار حیثیت بلند تر ہو گیا۔ اور عام لوگ خوش حالی کی زندگی بسر کرنے لگے۔

سلطان محمود نے سومنات کی فتح کے بعد دیوتا کی طلائی مورتی کے تین ٹکڑے کئے۔ ایک ٹکڑا غزنیں میں اپنے خزانے میں رکھا۔ دُوسرا خلیفۂ بغداد القادر باللہ کی نذر کر دیا۔ اور تیسرا مکہ معظمہ میں بھیج دیا تاکہ اس کا سونا فقراء میں تقسیم کیا جا سکے۔ محمود نے اس کے علاوہ بہت سے تحائف خلیفہ القادر باللہ کی خدمت میں نذر کے طور پر بھیجے۔ اور دربارِ خلافت سے حسب ذیل خطاب کی سند حاصل کی ا۔

" الامیر السید الملک المؤید یمین الدولہ امین الملت ابوالقاسم محمود ابن ناصر الدین ابو منصور سبکتگین ملک المشرق بجانب بیت "

سلطان محمود غزنوی نے ۴۰۸ھ ہجری مطابق ۱۰۱۷ء میں دریائے سیحون کے کنارے خوارزم کی مملکت سر کی اور ۴۱۶ھ مطابق ۱۰۲۵ء میں بخارا کے سامانی امیر عبدالملک کی امارت کا خاتمہ کر کے مملکت بخارا و ماوراء النہر کو بھی سلطنت غزنویہ میں

شامل کر لیا۔ طبرستان کے امیر شمس المعالی قابوس نے خود ہی سلطان محمود کی اطاعت قبول کر لی۔ ایران کی امارت پر بویہی خاندان کے ہم قابض تھے اور دربارِ خلافت میں بھی انہی کا اثر و اقتدار غالب تھا۔ امیر فخر الدولہ کی وفات کے بعد اس کی بیوہ حکمران بنی رہی۔ اور جب تک ایک عورت ایران کی ملکہ تھی سلطان نے اس طرف کا رُخ نہ کیا۔ اس عورت نے اپنے بیٹے کے جوان ہو جانے پر امارت کا کاروبار اس کے سپرد کر دیا۔ جس نے مجد الدولہ کے لقب سے فرماں روائی کی۔ لیکن بویہی خاندان کے دیلمی امرا کے اس عہد میں نظم و نسق کی حالت بہت خراب ہو چکی تھی۔ اس لئے سومنات کی مہم سے لوٹنے کے بعد سلطان محمود نے ایران پر چڑھائی کی۔ طبرستان کا امیر شمس المعالی قابوس بھی مازندران میں سلطانی لشکر کے ساتھ آن ملا۔ مجد الدولہ نے مقابلے کی تاب نہ دیکھ کر اپنے آپ کو سلطان کے حوالہ کر دیا۔ مجد الدولہ کو غزنیں بھیج دیا گیا۔ اور ایران کی مملکت سلطنتِ غزنویہ میں شامل کر لی گئی۔ اس طرح غزنوی سلطنت کے وسیع دامن میں پنجاب۔ ملتان۔ غزنیں۔ خراسان۔ بخارا۔ خوارزم۔ ماوراء النہر (نیم روز) عراق عجم (ایران) سیستان اور طبرستان کی ولایات سما گئیں۔ جن کا نظم و نسق سنبھالنے کے لئے دربار خلافت سے باقاعدہ اسناد حاصل کر لی گئیں۔

محمود ایک جری اور بہادر غازی مرد ہونے کے علاوہ بڑا زیرک فہیم ۔ نیک دل علم پرور اور ارباب کمال کا بڑا قدر دان حکمران تھا۔ جس کے دربار میں ہر طرح کے ارباب علم و فضل کا ہجوم اہتمام سے موجود رہتا تھا۔ اس کے علاوہ محمود ایک بہت راسخ العقیدہ مسلمان تھا جس نے الحاد و زندقہ کی سخت مخالفت کی ۔ اس نے بہت سے ملحدوں زندیقوں اور مشرکوں کو کڑی سزائیں دیں۔ اس کے عہد میں مصر اور شمالی افریقہ میں اسماعیلی فرقہ کے لوگوں کی خلافت قائم ہو چکی تھی ۔ اور اس فرقہ کے داعی اور مبلغ ساری مملکت اسلامی میں پھیل کر اپنے عقائد کی نشر و اشاعت کر رہے تھے ۔ یہ لوگ قاہرہ کی فاطمی خلافت کے سیاسی ایجنٹ بھی تھے جو اسلامی مملکت میں انتشار پھیلا کر خلفائے مصر کے اقتدار کو وسیع تر کرنے کے خواہاں تھے ۔ محمود نے اسماعیلیوں کے ایک بہت بڑے آستانہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دی کیونکہ یہ لوگ مصر کے فاطمی خلیفہ کی اطاعت کا دم بھرتے تھے اور سلطانی اقتدار کے خلاف ہندوستان کے راجاؤں سے ساز باز کرتے رہتے تھے۔

محمود غزنوی کے عہد میں فارسی کے علم و ادب کو بہت فروغ حاصل ہوا جس کے سرپرست بخارا کے سامانی امرا ایران کے بویہی خاندان کے امرا ۔ طبرستان کے وشمگیری امرا ۔ اور خوارزم کے میمونی خاندان کے امرا پہلے سے چلے آ رہے تھے ۔ محمود کو جہاں کشور کشائی کی بھی

نئے نئے ملک سر کرنے کا شوق تھا وہاں اُس کا یہ شوق بھی حد سے بڑھا ہوا تھا کہ دُنیا بھر کے علماء۔ فضلا اور ارباب کمال اس کے دربار میں جمع ہو جائیں۔ اس مقصد کے حصول کے لئے وہ اُمرا پر دباؤ ڈالتا اور ارباب کمال کو چھین لے جاتا تھا۔ اگر کوئی صاحب کمال شخص دربارِ غزنوی میں شامل ہونے سے انکار کر دیتا تھا تو اُسے جبراً پکڑ لایا جاتا تھا۔ غزنین میں اربابِ علم و فضل کو ہر طریق سے نوازا جاتا تھا اور اُن کی بہت قدر و منزلت کی جاتی تھی۔ مشہور و معروف مؤرخ ابو ریحان البیرونی جو بھیس بدل کر کئی سال بنارس کے کاشی مندر میں رہا اور جس نے سنسکرت اور علم نجوم میں تحصیل کمال کی سلطان محمود غزنوی ہی کا درباری تھا۔ روایت ہے کہ محمود نے ابو سہل مسیحی فلسفی۔ ابو الحسن خمار۔ طبیب ابو نصر عراق ریاضی دان اور حکیم بو علی سینا طبیب حاذق کو چھیننے ہی کے لئے خوارزم کی مملکت پر چڑھائی کی تھی۔ ان میں سے حکیم بو علی سینا محمود کے پاس رہنے کا خواہش مند نہ تھا اس لئے روپوش ہو کر اِدھر اُدھر پھرتا پھرا تا رہا اور کسی اور نام سے طبرستان کے امیر ابو المعالی قابوس ابن وشمگیر کے پاس جا پہنچا۔ سلطان نے اُس کا حلیہ اور اس کی تصاویر مملکت بھر میں نشر کرائیں تاکہ لوگ اُسے پکڑ لے آئیں۔ امیر قابوس نے اُسے پہچان تو لیا لیکن اُس کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے اُسے اپنے حال پر چھوڑ دیا۔ سلطان محمود کے دربار میں فارسی زبان کے مشہور اساتذہ شعرا عنصری۔ فردوسی

اسدی عسجدی - فرخی - منوچہری موجود رہتے تھے - فردوسی نے یہیں بیٹھ کر شاہنامہ پایۂ تکمیل تک پہنچایا - اور حسب وعدہ انعام نہ ملنے پر ناراض ہو کر اپنے وطن طوس کو چلا گیا - قدرت کی ستم ظریفی دیکھئے کہ جب اشرفیوں سے لدے ہوئے اونٹ جو سلطان کے حکم سے بھیجے گئے تھے طوس کے دروازے پر پہونچے تو اُدھر سے فردوسی کا جنازہ آرہا تھا - کسائی ابوسعید ابوالفرج - پندار اور محمود بھی اسی عہد کے مشہور شعراء میں سے ہیں جو درباری شاعر تھے - ابوالقاسم احمد ابن الحسن المیمندی نامی ایک علم دوست اور ادب پرور شخص سلطان کا وزیر باتدبیر تھا - جس کو سلطان نے کسی بات پر ناراض ہو کر قید کر دیا - محمود نے البیرونی کے جوتش کے کمالات پر برہم ہو کر اُسے بھی کچھ وقت کے لئے قید کر دیا تھا - اتنے ذی شوکت سلطان کا تنگ مزاج ہونا ایک فطرتی امر ہے - اس کا یہ عیب اس کے اوصاف حمیدہ کے مقابلے میں کچھ وزن نہیں رکھتا -

محمود نے اپنی آخری علالت میں زندگی سے مایوس ہو کر ایک روز حکم دیا کہ ہر قسم کے شاہی خزانوں کو میری نگاہوں کے سامنے گزارا جائے - اس حکم کی تعمیل کی گئی - سلطان نے بہت داد و دہش کی بہت سا مال غریبوں اور فقیروں میں تقسیم کرایا اور ۲۳ ربیع الاول ۴۲۱ھ مطابق ۱۱ اپریل ۱۰۳۰ء میں اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دی -

سلطان مسعود غزنوی

سنہ ۴۲۱ھ سے سنہ ۴۳۲ھ تک
سنہ ۱۰۳۰ء سے سنہ ۱۰۴۱ء تک

سلطان محمود غزنوی کی وفات پر اس کے دو بیٹوں محمد اور مسعود کے درمیان محمود کا جانشین بننے کے لئے جنگ ہوئی۔ اور امرائے غزنین نے محمد کو معزول کرکے نابینا کر دیا اور سلطان مسعود والئ ایران و سالکِ محروسہ کو سریر آرائے سلطنت بنا لیا۔ سنہ ۴۲۲ھ مطابق سنہ ۱۰۳۱ء میں بغداد میں خلیفہ القادر باللہ کا انتقال ہو گیا اور اس کی جگہ القائم بامر اللہ خلیفہ بنا۔ نئے خلیفہ کی طرف سے ایک سفارت سلطان مسعود کے پاس پہلے خلیفہ کی وفات اور نئے خلیفہ کی جانشینی کی اطلاع لے کر آئی۔ مسعود نے شبورگان کے مقام پر اس کا استقبال تزک و احتشام کے ساتھ کیا۔ سفیر نے سلطان سے نئے خلیفہ کے نام پر بیعت لی۔ اور سفیر کے سامنے دربارِ خلافت سے منظوری حاصل کرنے کے لئے چند مطالبات پیش کئے پہلا مطالبہ یہ تھا کہ خلیفہ ایک منشور جاری کرے جس میں مملکتِ غزنویہ کی تمام

ولایات سلطان مسعود کے نام لکھ دی جائیں۔ دوسرا مطالبہ یہ تھا کہ دربارِ خلافت خاقانِ تاتار کے ساتھ براہِ راست کسی قسم کا تعلق قائم نہ کرے۔ اور اُسے جو خلعت و انعام بھیجا جائے وہ سلطان مسعود کے توسّل سے بھیجا جائے۔ تیسرا مطالبہ یہ تھا کہ سلطانِ موصوف کو براہِ سیستان کرمان پر اور براہِ کرمان عمّان پر حملہ کرنے کی اجازت دی جائے تاکہ قرامطہ کی سرکوبی کی جا سکے۔ چوتھا مطالبہ یہ تھا کہ خلیفہ المستظہر سلطان مسعود کو ایسا اعلیٰ خلعت عطا کریں جو ابتک کسی کو نہ ملا ہو۔ سفیرِ خلافت نے اِن مطالبات کو منظور کرا لئے۔ اِسی مجبوری سلطان نے رخصت کے وقت ارکانِ سفارت کو علیٰ قدر مراتب نذرانے اور تحائف دیئے اور خلیفہ کے لئے دس ہزار دینار نذر کے علاوہ حسبِ ذیل تحائف بھی پیش کئے۔

قیمتی پارچات کے سو تھان جن میں دس تھان زربفت کے تھے۔ مشک نافے پچاس۔ کافوری شمامے پچاس عدد۔ ریشمی تھان دو سو گز۔ تیغ ہندی پچاس۔ جام زریں مرصّع بیس۔ جام ہائے نقرئی ہزار مثقال۔ یاقوت سرخ دس دانہ۔ لعلِ بدخشانی بیس دانہ۔ چند اسپِ عربی اور ختلی گھوڑے ساز و یراق سے آراستہ پچاس۔ ترکی غلام شائستہ پانچ۔

سفارتِ خلافت تحائف سے لد کر واپس ہوئی اور چند روز بعد ایک اور سفارت شان و تجمل کے ساتھ خلیفہ کی خوشنودی

کی سندات لے کر واپس لوٹی۔ تمام مطالبات منظور کر لیے گئے اور خلعت خاص میں نشان۔ طوق۔ کمر۔ کنگن اور تاج پہنائے گئے خلیفہ کے ہاتھ کا بندھا عمامہ سلطان کے سر پر پہنایا گیا۔ شمشیر دیتے وقت کہا گیا کہ سلطان اس شمشیر سے زنادقہ قرامطہ اور ملاحدہ کو مغلوب کرے۔ اپنے باپ یمین الدولہ کی سنت پیش نگاہ رکھے اور اس سے دشمن کے ملک فتح کرے۔ دربارِ خلافت کی طرف سے "ناصر دینِ اللہ وحافظ بلاد اللہ المستقیم من اعداء اللہ ابو سعید مسعود" کا لقب بھی عطا ہوا سلطانی دربار میں اور بلاد میں کئی دن تک مسرت کی تقریبیں منائی گئیں۔ اور غربا و مساکین میں خیرات تقسیم ہوتی رہی۔

سلطان مسعود کو داخلی شورشوں نے گھیر لیا۔ ایک طرف خراسان اور ماوراالنہر کے علاقوں میں خانہ بدوش ترک قبائل نے جو سلجوق کی اولاد ہونے کے باعث سلجوقی کہلاتے تھے تاخت و تاراج شروع کر دی اور سلطان کو بار بار ان کی سرکوبی کے لئے لشکر کشی کرنی پڑی۔ ۴۲۵ھ ہجری میں جعفر بیگ سلجوقی نے نواح بلخ کو تاراج کیا۔ سلطان لشکر لے کر بلخ پہنچا تو جعفر بیگ نے ایک وسیع علاقے کو چراگاہ بنانے کے لئے سند حاصل کر لی۔ اور اطاعت کا یقین دلایا۔ اُدھر ایک اور سلجوقی سردار طغرل بیگ کی ترکتاز غزنیں تک پہنچ گئی۔ اور طغرل نے شاہی اصطبل کو تاراج کیا اور

شہر کو بھی لوٹا۔ اسی اثنا میں ترکمانوں نے شورش کر دی۔ موسم سرما کی آمد پر جب برف باری کی وجہ سے غزنین کے راستے بند ہو گئے تو سلجوقیوں نے چاروں طرف سے شاہی لشکر پر چھاپے مارنے شروع کر دیئے۔ دربار مسعودی کے بہت سے امرا سلجوقیوں کی طرف چلے گئے۔ ایک شدید حملے میں غزنین کی سپاہ بہت کچھ تہ تیغ ہو گئی اور سلطان مسعود بڑی جانبازی کے ساتھ لڑتا بھڑتا غزنین پہنچ سکا۔ اس شکست اور غزنین پر طغرل بیگ کی تاخت نے دربار غزنوی کا رعب زائل کر دیا اور ہر طرف فتنے سر اٹھانے لگے۔ عباس بن شیث نامی ایک پٹھان نے کوہستانِ غور میں اپنے چچا ابو علی کو تہ تیغ کر کے امارتِ غور کو غزنوی دربار کی اطاعت سے آزاد کر لیا۔ خراسان میں سلجوق قبائل نے قدم جمایا۔ اور ہندوستان میں بعض راجاؤں نے سر اٹھایا جن کی سرکوبی کر دی گئی۔ مسعود کی فوج میں ہندو سپاہ بھی تھی جس کے سالار اور سردار ہندو ہوا کرتے تھے۔ یہ ہندو اپنے بادشاہ کے لئے بڑی جانفشانی اور جاں نثاری کے ساتھ لڑتے تھے۔

سلطان مسعود اپنے باپ کی طرح علما اور اربابِ کمال کا قدردان تھا۔ ابو ریحان خوارزمی منجم و ریاضی داں نے ریاضی اور علم نجوم پر کتابیں لکھیں۔ قاضی ابو محمد ناصحی نے فقہ مسعودی کے نام سے فقہ کی کتاب تیار کی۔ تاریخ بیہقی کا مصنف ابوالفضل بھی مسعود ہی کے

دربار میں پھلا پھولا۔

سلطان مسعود سنہ ۴۳۲ ہجری مطابق سنہ ۱۰۴۱ء میں لاہور کی طرف آرہا تھا کہ راولپنڈی کے قریب مارگلہ کے مقام پر اس کے امرا نے اُسے پکڑ کر قید کر دیا اور اس کے نابینا بھائی محمد کو بادشاہ بنا لیا۔ مسعود کو زندان ہی میں قتل کر دیا گیا۔

خاندانِ غزنوی سنہ ۵۴۸ ہجری مطابق سنہ ۱۱۵۲ء تک غزنین لاہور اور ملتان پر حکومت کرتا رہا۔ آخر کار غور یعنی کوہستان کے امیر علاؤالدین نے غزنین پر انتقاماً حملہ کر کے خاندانِ غزنویہ کی دولت و امارت کا خاتمہ کر دیا اور غزنین شہر کو جلا کر اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجا کر جہاں سوز کا لقب پایا۔ خاندانِ غزنویہ اور غوری سلاطین کے حالات اگلے باب میں اپنے اپنے مواقع پر بیان کئے جائیں۔ اس باب میں خلافتِ عباسیہ کے تیسرے صد سالہ دور کے حالات لکھے جا رہے ہیں جو سلطان مسعود کی وفات کے سال ختم ہو جاتا ہے۔

مصر و افریقیہ میں فاطمی خلافت

سنہ ۲۹۶ھ سے سنہ ۵۲۵ھ تک
سنہ ۹۰۹ء سے سنہ ۱۱۷۱ء

اسماعیلیہ فرقہ کے معتقدات اور اس کا نظام

ہم پچھلے باب کے اخیر میں لکھ چکے ہیں کہ سنہ ۲۹۶ھ مطابق سنہ ۹۰۹ء میں اسماعیلی فرقہ کے شیعوں نے تیونیشیہ میں شورش برپا کر کے دیارِ مغرب میں اغلبی خاندان کی امارت کا خاتمہ کر دیا تھا اور اگلے سال عبید اللہ المہدی نے المہدیہ کے نام سے ایک نیا مرکز تعمیر کر کے فاطمی خاندان کی خلافت کے قیام کا اعلان کر دیا۔ عباسی خلافت کا مرکز بغداد ان دنوں کمزور ہو چکا تھا۔ اس لئے تیونیشیہ کے فاطمی خلفا کو دیارِ مغرب یعنی شمالی افریقہ میں اپنے حلقۂ اثر و اقتدار کو

وسیع تر کرنے کا خوب موقع مِل گیا۔ المہدیہ کے فاطمی خلفا نے مغرب کی طرف الجزائر اور مراقش کی ولایات اپنے زیرنگین کر لیں اور مشرق میں مصر و شام تک اپنے دامنِ اقتدار کو پھیلا لیا۔

اس متوازی مرکزِ خلافت کی ماہیت جاننے کے لئے ضروری ہے کہ اسماعیلی شیعوں کے معتقدات اور ان کی فرقہ وارانہ تنظیم اور ان کے طریق کار کا کچھ حال بیان کر دیا جائے قارئین کتاب کو یہ تو معلوم ہی ہے کہ امتِ مسلمہ کے اندر خلیفۂ سوم حضرت عثمان ابنِ عفان رضؓ کے عہد ہی میں اس خیال کے لوگ پیدا ہونے لگے تھے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ کا نائب اور خلیفہ نیز مسلمانوں کا امیر بننے کا موروثی حق حضرت علی رضؓ کو پہنچتا تھا۔ اسی عہد میں عبد اللہ ابن سبا نومسلم یہودی کی تلقینات نے اس خیال کو مذہبی عقیدے کی حیثیت دے دی۔ بعد کے واقعات نے شیعانِ علی رضؓ اور حامیانِ معاویہ رضؓ کے درمیان منافرت کے جذبات کو اور بھی ترقی دی۔ خلافت کے سوال کو اعتقادی حیثیت دینے کا ایک نتیجہ خوارج کے ظہور کی صورت میں رُونما ہوا۔ بنو امیہ کے اقتدار کے پرستاروں نے بھی حضرت علی رضؓ اور اُن کی اولاد پر تبرا بھیجنا اپنی عبادت کا لازمی جزو قرار دے لیا۔ یہ وہ لوگ تھے جو حضرت علی رضؓ کو دائرہ اسلام سے خارج اور خاطی قرار دیتے تھے۔ اِن کے مقابلے میں حضرت علی رضؓ کے حامیوں نے حضرت علی رضؓ کو خلافت کا حقدار اور اُن کی اولاد کو

ان کا وارث سمجھنا اپنے دینی معتقدات میں داخل کر لیا۔ اور اُمّتِ مُسلمہ کے سوادِ اعظم نے بنو اُمیّہ کو غاصب سمجھا۔ اور حضرت علیؓ کو پہلے تین خلفائے راشدین کی طرح خلیفۂ برحق گردانا لیکن خلافت کو شیعوں کی طرح وراثتی منصب قرار دینا اپنے دینی معتقدات میں داخل نہ کیا۔ اور یہ رائے قائم کی کہ خلیفہ اور امیر منتخب کرنا ساری ملّت کی صوابدید پر منحصر ہے۔ اور ملّت جسے چاہے اپنا امیر منتخب کر سکتی ہے۔

بنو اُمیّہ کے عہد میں رائے عامہ ان کے جابرانہ اقتدار سے بیزار رہی اور ان کے اقتدار کا تختہ اُلٹنے کے لئے متعدد عنوانوں کی تحریکیں ظاہری اور مخفی طور پر پھیلی پھولیں۔ ان تحریکوں کا نتیجہ علویوں کے بجائے عباسیوں کی خلافت کے قیام کی صورت میں ظاہر ہوا۔ عامۃ المسلمین نے انہیں قبول کر لیا۔ لیکن شیعہ فرقہ کے لوگوں نے اولادِ علیؓ کی خلافت قائم کرنے کے لئے اپنی تنظیم اور تبلیغ کو جاری رکھا۔ اور وہ اِن بزرگوں کو اپنا امام اور مقتدیٰ بناتے رہے جو حضرت علیؓ کے صلب سے تھے۔ ان میں سے جنہوں نے زید ابن علیؒ کو اپنا امام اور پیشوا بنایا وہ زیدی کہلائے۔ اور چھ اماموں تک باقی شیعہ متفق چلے آئے۔ یہ چھ امام حسبِ ذیل ہیں:۔

(۱) حضرت علیؓ (۲) امام حسنؓ (۳) امام حسینؓ (۴) امام زین العابدینؒ

ابن حسینؓ۔ (۵) امام باقرؒ ابن امام زین العابدینؒ (۶) امام جعفر صادقؒ ابن امام باقرؒ۔

یہاں تک تو شیعانِ علیؓ متفق رہے لیکن امام جعفر صادقؒ کی وفات پر ایک گروہ نے ان کے بیٹے امام اسمٰعیل کے ہاتھ پر بیعت کرلی اور دوسرے گروہ نے ان کے دوسرے بیٹے امام موسیٰ رضاؒ کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔ پہلے گروہ نے امام اسمٰعیل کو خاتم امامت قرار دے لیا اور دوسرے گروہ نے بارھویں امام محمد المہدی پر سلسلۂ امامت ختم کیا۔ بارہ اماموں کو ماننے والے اثنا عشری اور سات اماموں کو ماننے والے سبعیہ کہلائے۔ اثنا عشری شیعوں کا عقیدہ یہ ہے کہ امام محمد المہدیؒ ۲۶۰ھ مطابق ۸۷۳ء میں بعہد خلیفہ المعتمد باللہ عباسی سُرّمن رائی کے مقام پر غائب ہوگئے۔ وہ زندہ ہیں اور آخری زمانے میں اصلاح امت کے لئے ظاہر ہوں گے۔

سبعیہ یعنی اسماعیلی شیعوں کا عقیدہ یہ ہے کہ امام اسماعیل اللہ کے نبی اور رسول تھے۔ ان پر امامت اور نبوت ختم ہوگئی۔ یہ کہتے تھے کہ ہر شے کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن۔ اسی طرح دین کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن۔ ان کے پیشوا تاویلات کے بل پر قرآن پاک کی آیات کے بھی دو قسم کے معانی بیان کرتے تھے یعنی ظاہری معانی اور باطنی معانی۔ اور باطنی مطالب پر زیادہ زور دیتے تھے۔ یہ

لوگ سات کے عدد کو بہت متبرک گردانتے تھے اور کہتے تھے کہ خدا نے سات دن میں کائنات پیدا کی۔ سات آسمان بنائے۔ سات زمینیں بنائیں۔ سات اقلیمیں بنائیں۔ سات سمندر بنائے۔ سورۂ فاتحہ کی سات آیات سبع مثانی کہلائیں۔ انسان کی ریڑھ کی ہڈی میں سات اجزا رکھے۔ ان کے داعی اپنے امام کے نام پر مریدوں سے بیعت لیتے تھے۔ ہر مرید کے لئے چندہ دینا ضروری تھا۔ ان کا عقیدہ تھا "ہر دَور (فلکی) میں امام کا موجود ہونا ضروری ہے۔ کسی دَور میں امام ظاہر ہوتا ہے اور کسی میں مخفی رہتا ہے۔ جس دَور میں امام ظاہر ہو وہ دَور الکشف کہلاتا ہے۔ اور جس میں مخفی رہتے وہ دَور الستر کہلاتا ہے۔ ان کا باقاعدہ جماعتی نظام تھا دَور الستر میں امام مخفی کا کام، ایک امام ناطق سرانجام دیتا تھا۔ اس کے ماتحت ایک "داعی کبیر" ہوتا تھا جسے وہ اپنی اصطلاح میں "بحر" کہتے تھے "داعی کبیر" جملہ ولایات میں "داعی" یعنی مبلغ اور مقامی پیشوا مقرر کرتا تھا یہ داعی لوگوں کو اپنا معتقد بنا کر اپنے امام کے نام پر ان سے بیعت لیتے تھے۔ جو مرید سلسلہ کے اسرار سے ایک حد تک باخبر کر دیئے جاتے تھے وہ "رفیق" کہلاتے تھے جو محض چندہ دیتے تھے "لصیق" سمجھے جاتے تھے۔ اسماعیلیوں یعنی باطنیوں کا یہ نظام ساری مملکت اسلامی میں پھیلا ہوا تھا۔ اور جن اقطاع میں کسی داعی کو اپنے مریدوں کی تعداد بڑھانے میں غیر معمولی کامیابی ہو جاتی تھی۔ وہاں

یہ لوگ شورش برپا کر دیتے تھے۔ عراق اور عمّان کے قرامطہ جنہوں نے چوتھی صدی ہجری کے آغاز میں ان اقطاع میں شورشیں برپا کیں۔ اور کئی سال تک حجّاج پر راستے بند رکھے۔ اسی فرقہ کے متعلقین تھے۔ قرامطہ نے خلیفہ المعتمد علی اللہ کے عہد کے آخری سالوں میں یعنی ۲۷۷ھ ہجری مطابق ۸۹۰ء میں زور پکڑا۔ جب کہ ہر طرف بغاوتیں اور شورشیں رُونما ہو رہی تھیں۔ خلیفہ المکتفی باللہ (۲۸۹ھ ۹۰۲ء سے ۲۹۵ھ ۹۰۸ء تک) کے عہد میں عساکرِ خلافت قرامطہ کی سرکوبی کے لئے مصروف رہے۔ اور ۳۱۵ھ مطابق ۹۲۸ء میں قرامطہ نے اتنا زور پکڑا کہ مکّہ معظّمہ پر حملہ کر دیا اور حجرِ اسود کو کعبہ کی دیوار سے اکھاڑ کر عمّان میں لے آئے۔ ۳۳۹ھ ہجری مطابق ۹۵۱ء میں المطیع اللہ الفضل کے عہد میں قرامطۂ عراق کی سرکوبی کی گئی اور حجرِ اسود خانہ کعبہ کی دیوار میں اپنی اصلی جگہ پر نصب کرایا گیا۔ تاہم قرامطہ کی شورشیں برابر جاری رہیں۔ اور عراق کی سرزمین میں سے حجّاج کے قافلوں کا گذر عسکری گارد کے بغیر مدتوں ناممکن بنا رہا۔

مصر کے فاطمی خلفا

اسی دَور میں جبکہ عراق اور عمّان کے اندر قرامطہ نے بدامنی پھیلا رکھی تھی۔ دیارِ مغرب یعنی تیونس میں بھی اسماعیلیوں نے

شورش برپا کر دی - اور اسماعیلیوں کے امام عبیداللہ المہدی نے ۲۹۶ھ ہجری مطابق ۹۰۹ء میں مغرب کے اغلبی امیر کو شکست دے کر المہدیہ میں فاطمی خلافت کے قیام کا اعلان کر دیا۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں شمالی افریقہ کی ساری ولایات کو اپنے قبضۂ اقتدار میں لے لیا - تیونشیہ میں فاطمیوں کی خلافت کے ساٹھ سال بعد ۳۵۸ھ ہجری مطابق ۹۶۹ء میں جوہر نامی ایک شخص نے مصر کو فتح کر کے فاطمی خلافت کے دائرۂ اقتدار میں شامل کر لیا۔ اس وقت کے فاطمی خلیفہ المعز الدین اللہ نے شہر قاہرہ آباد کر کے مصر کے اندر اپنا دار الخلافت قائم کر لیا - ۹۰۹ء سے ۹۶۹ء تک المہدیہ میں اس فاطمی خاندان کے تین خلفا ہوئے اور ۹۶۹ء سے ۱۱۷۱ء تک قاہرہ میں چودہ خلفا گزرے - جنہوں نے شام سے لے کر مراقش تک کی وسیع مملکت پر بڑی شان و شوکت کے ساتھ حکومت کی - قاہرہ اور دیگر مقامات پر شاندار عمارتیں تعمیر کرائیں - ہسپتال کھلوائے - اور رفاہ عامہ کے امور کی طرف توجہات مبذول کیں۔

مصر کے یہ فاطمی خلفا بغداد کے زوال پذیر عباسی خلفا کے زبردست حریف تھے - اور چاہتے تھے کہ اسماعیلی فرقہ کے جماعتی نظام کے وسیع جال کی مدد سے اسلام کی ساری مملکت پر قابض ہو جائیں - ان کے داعی ہر جگہ اپنی جمعیت کو بڑھانے کے لئے مصروف

تبلیغ رہتے تھے اور ان کے ایلچی اپنے مرکز قاہرہ سے اپنے امام اور خلیفہ کے ایما پر اپنے داعی کبیر سے خفیہ ہدایات لے کر ہر جگہ جاتے اور اپنے پیرووں کو خلافت بغداد یا امراء کے وقت کے اقتدار کے خلاف اُکساتے رہتے تھے۔ مشرق کے جو ممالک خلافت عباسی کی وفاداری کا دم بھرتے تھے۔ ان میں اسماعیلی فرقہ کے لوگ پیہم باغیانہ سازشیں کرنے میں مصروف رہتے تھے۔ اہل سنت والجماعت کے علماء ان کو ملحد و زندیق قرار دیتے تھے۔ ان کے داعی اور مبلّغ قاہرہ کی فاطمی خلافت کے ایجنٹ اور جاسوس ہوتے تھے۔ اس لئے دربارِ خلافت اور امرائے ولایات کی نظروں میں معتوب رہتے تھے۔ دیارِ مغرب میں حالت اس کے بالکل برعکس تھی وہاں اہلِ سنت والجماعت کو شک و شبہ کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا اور انہیں خلافتِ عباسیہ کا ہمدرد اور حامی سمجھا جاتا تھا۔ اسماعیلی فرقہ کی باطنی تنظیم اندر ہی اندر اپنا کام اس خوش اسلوبی کے ساتھ سرانجام دیتی رہی کہ مختلف ادوار میں مملکتِ عباسیہ کے بعض امراء و اکابر بھی ان کے ساتھ ساز باز رکھنے لگے کہا جاتا ہے کہ سامانی خاندان کا بادشاہ نصر ثانی (۹۱۳ء سے ۹۴۲ء تک) درپردہ اسماعیلیوں کے نظام میں شامل ہو گیا تھا اور اسی وجہ سے اپنے امراء کے ہاتھوں مارا گیا۔ ملتان میں بھی اس عہد میں اس فرقہ کے لوگوں نے بہت زور پکڑا۔ اور شیخ حمید

لودھی اور اس کے جانشینوں کی امارت اسی مذہب کا دم بھرتی تھی۔ ملتان کے اسماعیلیوں نے سلطان محمود غزنوی کے خلاف ہندوستان کے ہندو راجاؤں کے ساتھ ساز باز کی اور سلطان کے ہاتھوں سخت سزا پائی۔ محمود نے ایک مہم میں ملتان کی اسماعیلی امارت کا خاتمہ کر دیا۔ اور ملتان کے اسماعیلی سندھ کی راہ سے پسپا ہوتے ہوئے گجرات کاٹھیاواڑ کی ایک ریاست انہلواڑہ کے راجہ کے ہاں پناہ گزیں ہوئے اور سورت اور بمبئی کے بوہرے انہی اسماعیلیوں کی نسل سے ہیں۔ جن میں سے بعض پاکستان قائم ہو جانے کے بعد کراچی میں آباد ہو چکے ہیں۔ مصر کے فاطمی خلیفہ کا ایک ایلچی تاہرتی نامی سلطان محمود کے دربار میں بھی پہنچا تھا۔ مقصد شاید سیاسی روابط کا قیام تھا خراسان کے اسماعیلیوں نے سلطان محمود کے خلاف بھی سازشیں کیں۔ مشہور مورخ اسلام ابن اثیر لکھتا ہے کہ سلطان محمود نے اپنی وفات سے ایک سال پہلے متعدد اسماعیلیوں کو دار پر لٹکایا اور معتزلہ کو جلا وطن کیا۔ اس زمانے میں اسماعیلیوں یعنی باطنیوں کی خفیہ سازشیں عباسی خلافت کے دربار کے لئے ایک مستقل درد سر بنی ہوئی تھیں چنانچہ خلیفہ القائم بامر اللہ نے سلطان محمود غزنوی کے جانشین سلطان مسعود کو سند اور خلعت بھیجتے ہوئے اس توقع کا اظہار کیا کہ وہ بھی اپنے باپ کی طرح ملحدوں زندیقوں اور مشرکوں کی سرکوبی کرتا رہے گا۔ مصر کے فاطمی خلفا الحاکم بامر اللہ ابو علی منصور اور الظاہر عبید کی

سلطان محمود غزنوی اور خلیفہ بغداد القادر باللہ کے ہم عصر تھے۔ الحاکم بامراللہ عجیب متلون مزاج اور ظالم و جابر فرماں روا تھا۔ ذرا سی خطا پر موت کی سزا دے دیتا تھا۔ اور احکام دین کی بجا آوری پر بہت زور دیتا تھا۔ ایک دفعہ اس نے حکم دے دیا کہ بازار زات کو کھلا کریں۔ لوگ راتوں کو کاروبار کیا کریں اور دن کے وقت آرام کریں۔ الحاکم بامراللہ کو امرائے دربار نے خفیہ طور پر قتل کر دیا۔ لیکن اس اسماعیلی امام اور خلیفہ کے معتقدین نے یہ عقیدہ پھیلایا کہ امام الحاکم بامراللہ روپوش ہو گئے ہیں اور اپنے وقت پر ظاہر ہوں گے۔ کچھ عرصہ بعد ایک شخص نے الحاکم بامراللہ ہونے کا دعویٰ کیا اور مریدوں کی خاصی جمعیت فراہم کر کے قلعہ شاہی یعنی قصرِ خلافت پر حملہ کر دیا۔ شاہی گارد نے اُسے مغلوب کر کے قید کر لیا۔ اور اسے پھانسی کی سزا دی گئی۔ الحاکم بامراللہ نے ۳۶۹ھ سے ۴۱۲ھ ۹۸۶ء سے ۱۰۲۱ء تک حکومت کی۔ لبنان کے دروزی اسماعیلی آج تک اسی امام غائب یعنی الحاکم بامراللہ کے ظہور کا اسی طرح انتظار کر رہے ہیں جس طرح اثنا عشری شیعہ امام مہدی کے ظہور کے منتظر ہیں۔

۴۲۸ھ مطابق ۱۰۳۵ء میں نوجوان المنتصر باللہ قاہرہ کی فاطمی خلافت اور اسماعیلی امامت کا مسند نشین ہوا۔ جس نے ساٹھ سال حکومت کی۔ ایک ایرانی سیاح نے جو ۱۰۴۶ء سے ۱۰۴۹ء تک تین سال قاہرہ میں رہا اس کے دربار کا حال یوں لکھا ہے کہ

خلیفہ کے محل کی آبادی تیس ہزار نفوس پر مشتمل ہے۔ بارہ ہزار نوکر چاکر ہیں۔ ایک ہزار سوار اور پیادے محافظ ہیں۔ خلیفہ ایک نوجوان شخص ہے۔ ڈاڑھی اور مونچھیں منڈاتا ہے۔ چہرہ نوجوان ہے۔ سفید خفتان کا لباس پہنتا اور سر پر پگڑی باندھتا ہے۔ دُلدل کی سواری کرتا ہے۔ قاہرہ کے بازار مسقف ہیں دن کے وقت چراغ روشن کئے جاتے ہیں۔ اشیاء کے نرخ معیّن ہیں۔ فریبی کو سر بازار سُولی کی سزا دی جاتی ہے چوری کا نام تک نہیں۔ جوہریوں اور صرافوں تک کی دکانیں بھی مقفل نہیں کی جاتیں۔

مصر کے فاطمی خلفا نے ایک وقت میں شام حجاز مکہ اور مدینہ تک کو اپنے قبضہ میں لے لیا۔ اور سنہ ۱۰۵۶ء میں خود بغداد پر قبضہ کر لیا۔ جہاں سے انہیں جلد ہی نکال دیا گیا۔ سنہ ۱۰۷۰ء مکہ اور مدینہ فاطمی خلفا کے ہاتھ سے نکل گئے۔ اسی سال دمشق سے بھی ان کے حاکم کو باہر نکال دیا گیا۔ سنہ ۱۰۸۹ء میں اس فاطمی خلیفہ کے لشکر نے شام کے شہر صور، صیدا اور عسقلان سر کر لئے۔ اسی خلیفہ کے عہد میں مراقش الجزائر اور تیونیشیہ کی ولایات فاطمی خلافت کے اثر و اقتدار سے آزاد ہو گئیں۔ تاہم مصر، سسلی، مالٹا، شام کے بعض اقطاع ایشیائے کوچک کے بعض اقطاع اور

بحیرۂ قلزم کے ساحلی علاقے۔ خلیفہ مصر کے قبضے میں تھے۔ اس دور اور بعد میں آنے والے ادوار کے تاریخی حالات اور واقعات اپنے اپنے موقع پر بیان کئے جائیں گے۔ سردست یہ لکھ دینا کافی ہے کہ المستنصر باللہ کی وفات کے بعد جو ۴۸۸ھ ہجری مطابق ۱۰۹۴ء عیسوی میں وقوع پذیر ہوئی۔ اسماعیلیوں کا باطنی نظام دو شاخوں میں منقسم ہو گیا۔ ممالکِ مشرق کے اسماعیلیوں نے المستنصر کے بڑے بیٹے نزار کو اپنا امام قرار دے لیا جو تخت خلافت سے محروم رہ گیا تھا۔ اور جب نزار قتل کر دیا گیا تو اس کے بیٹے کو اپنا امام بنا لیا۔ دیارِ مغرب کے اسماعیلیوں نے المستنصر کے چھوٹے بیٹے المستعلی کو اپنا امام اور خلیفہ بنایا۔ افریقہ۔ مصر اور شام کے اسماعیلی اس کی امامت کا دم بھرنے لگے۔ اسماعیلیوں کی مشرقی شاخ آئندہ ادوار میں بہت سے تاریخی واقعات پیدا کرنے کی موجب بنی جس کا حال اپنے موقع پر بیان کیا جائے گا۔ قاہرہ کی فاطمی خلافت ۵۶۵ھ ہجری مطابق ۱۱۷۱ء تک قائم رہی۔ نئی طاقتوں کے ظہور نے ان کا خاتمہ کر دیا۔ ایک بات خصوصیت کے ساتھ ذکر کر دینے کے قابل ہے کہ بغداد کے عباسی خلفا قاہرہ کے فاطمی خلفا کے صحیح النسب ہونے کا برابر انکار کرتے رہے۔

دربارِ بغداد نے کئی دفعہ دربارِ قاہرہ کو لکھا کہ وہ اپنے فاطمی ہونے کا ثبوت پیش کریں۔ بغداد کی رائے یہ تھی کہ یہ خاندان عبداللہ ابن میمون القلاح نامی ایک ایرانی ملحد کے صلب سے ہے۔ جو المتوکل۔ المنتصر۔ المعتز۔ المہتدی۔ اور المعتمد باللہ عباسی خلفا کے عہدوں میں مملکت کے اندر الحاد پھیلاتا رہا اور سنہ ۲۶۱ ہجری مطابق سنہ ۸۷۴ء میں فوت ہوا۔

اندلس کی اموی امارت و خلافت

سنہ ۱۳۸ھ سے سنہ ۴۲۲ھ تک
سنہ ۷۵۶ء سے سنہ ۱۰۳۱ء

ہم بیان کر چکے ہیں کہ اسلام کی فتوحات کا ابتدائی سیل رواں افریقہ کے مغربی ساحل پر بحر ظلمات کی موجوں سے ٹکرایا اور آبنائے جبل الطارق کو عبور کر کے ملک ہسپانیہ کے حصے غالب پر چھا گیا۔ وہاں سے کوہستان پرینیز کو پھاند کر فرانس کی سرزمین میں پہنچا۔ طارق نے سنہ ۷۱۱ء میں جب کہ محمد ابن قاسم سندھ پر یلغار کرنے کی تیاری کر رہا تھا۔ اندلس کے ساحل پر فوج اتاری اور وادی بکہ کی لڑائی میں روڈرک شاہ ہسپانیہ پر پہلی فتح حاصل کی۔ سنہ ۱۱۴ ہجری مطابق سنہ ۷۳۲ء میں اسلام کے لشکر سرزمین فرانس میں طورس کے قریب پائیٹرس

کے مقام پر فرنیکوں کے سردار چارلیس مارٹل کے مقابلے میں صف آرا تھے۔ دن بھر کی بے نتیجہ لڑائی میں اسلامی لشکر کا سالار عبدالرحمٰن شہید ہو گیا۔ اور لشکریوں نے راتوں رات میدانِ جنگ کو چھوڑ کر اندلس کی راہ لی۔ یورپ کے مورخ معترف ہیں کہ اس پسپائی کی وجہ میدانِ جنگ کی شکست نہ تھی نہ اس میں فرنیکوں کی شجاعت یا چارلیس مارٹل کی جنگی ہنرمندی کو کسی قسم کا دخل حاصل تھا۔ بلکہ اس کی وجہ محض یہ تھی کہ عرب مجاہد ملکوں کو تاراج کرتے کرتے تھک گئے تھے۔ خود ان کے درمیان نااتفاقی پیدا ہونے لگی تھی اور اس کے علاوہ عربوں اور بربریوں کی باہمی رقابتیں ترقی پذیر تھی۔ سالارِ لشکر کی شہادت کے بعد وہ کسی کی قیادت پر متفق نہ ہو سکے اس لئے سب نے واپس لوٹنے کا فیصلہ کر لیا۔

خلفائے بنو اُمیہ کے عہد میں اندلس یا اندلسیہ (ہسپانیہ) کی سرزمین مملکتِ خلافت کی ایک ولایت بنی رہی جس پر دمشق کے دربارِ خلافت کے مقرر کردہ حاکم و والی حکومت کرتے تھے۔ سنہ ۱۳۲ ہجری مطابق ۷۵۰ء میں امویوں کی جگہ بغداد میں عباسیوں کی خلافت قائم ہوئی تو بنو اُمیہ کے خاندان کا ایک شہزادہ عبدالرحمان ابن ہشام بھیس بدل کر چھپتا چھپاتا ۱۳۸ ہجری ۷۵۶ء میں قرطبہ پہنچ گیا۔ اندلس کے عربوں اور بربریوں نے اسے

اپنا امیر بنا لیا۔ اور اس طرح مملکتِ اسلامی کے اس دور افتادہ خطے میں مسلمانوں کی ایک آزاد ریاست قائم ہو گئی۔ خلیفہ بغداد المنصور عباسی نے امیرِ قرطبہ اور مسلمانانِ اندلس کو اپنا مطیع بنانے کے لئے ایلچی بھیجا۔ امیر عبدالرحمان نے اس ایلچی کا سر کٹوایا اور نمک اور کافور کے اندر رکھ کر اور سیاہ رنگ کے کپڑے میں لپیٹ کر خلیفہ منصور کے پاس تحفتہً بھیج دیا۔ اس کے بعد خلفائے عباسی نے اندلس کی اموی امارت سے کسی قسم کا تعرض کرنا مناسب نہ سمجھا۔ اور اسے اپنے طور پر پنپنے کا کھلا موقع دے دیا۔ اس امیر نے چالیس ہزار بربریوں کا ایک تنخواہ دار لشکر تیار کیا اور اس کے بل پر اندلس کے ملک پر جہاں کے باشندے غیر مسلم عیسائی تھے حکومت قائم کی۔

سنہ ۷۶۳ء میں امیر عبدالرحمٰن نے اپنے ہاں کے خطیبوں کو خطبہ جمعہ میں عباسی خلیفہ کا نام پڑھنے سے روک دیا۔ سنہ ۷۷۸ء میں فرانس کے بادشاہ شارلیمان اعظم نے ہسپانیہ کے ملک پر چڑھائی کی۔ شارلیمان کے لشکر نے شہر سرقسطہ کا محاصرہ کر لیا۔ اہلِ شہر نے فصیل کے دروازے بند کر لئے۔ شارلیمان کا لشکر محاصرہ چھوڑ کر واپس لوٹا۔ کوہستان کے پہاڑی باشندوں باسکوں نے اس لشکر کی خوب خبر لی اور اس کا بہت سا حصہ تہ تیغ کر دیا۔

امیر عبدالرحمٰن نے شہروں کو خوب صورت بنایا۔ قرطبہ میں صاف اور ستھرا پانی لانے کا انتظام کیا۔ شہر پناہ بنوائی۔ شہر سے

باہر محلات تعمیر کرائے - اور باغات لگوائے - باغ میں سیب و رُمان کے پودے کاشت کرائے جو پہلے ہسپانیہ میں نہیں ہوتے تھے اور ایک کھجور کا درخت لگوایا - جسے دیکھ کر وہ اپنے وطن عرب کو یاد کیا کرتا تھا - اور اسے مخاطب کر کے شعر کہتا تھا۔

امیر عبدالرحمٰن نے قرطبہ کی بڑی مسجد کی تعمیر ۷۸۶ء میں شروع کرائی - جو ۷۹۳ء میں پایۂ تکمیل کو پہنچی - اس مسجد کے ستون ایک ہزار دو سو ترانوے تھے - اس کو روشن کرنے کے لئے پیتل کے شمعدان نصب کئے گئے - ایک جھاڑ فانوس پر ایک ہزار شمعیں روشن ہوتی تھیں چھوٹے سے چھوٹا جھاڑ بھی بارہ شمعوں کا حامل تھا - اس امیر نے دریائے گواڈل کیورا دکبیر عبور کرنے کے لئے سترہ محرابوں کا ایک پل بھی تعمیر کرایا۔

اس امیر نے تعمیرات اور رفاہ عامہ کے کاموں پر بہت توجہ مبذول کی اور قرطبہ دیکھتے دیکھتے شان و شوکت اور تزک و احتشام میں بغداد کا حریف بن گیا اور اس کی رونقوں پر چشمک زنی کرنے لگا - اس کے دربار میں بازنطینہ (روم) فرانس - جرمنی اور اٹلی کے سفیر آئے -

عبدالرحمٰن اوّل کے جانشین کے عہد ۷۹۶ء سے ۸۰۳ء تک ہی قرطبہ میں شورش رونما ہوئی اور مملکت کے دوسرے حصوں میں بھی بغاوتیں پھوٹ پڑیں - طلیطلہ کے باشندوں نے آزاد

شہری جمہوریت قائم کرلی۔ یہ ایک قسم کا مشاورتی نظامِ حکومت تھا جو دیر تک قائم رہا۔ امیر عبدالرحمٰن ثانی نے اپنے عہد میں (سنہ ۸۲۲ء سے سنہ ۸۵۲ء تک) ملک کا نظم و نسق از سرِ نو درست کیا۔

عبدالرحمٰن ثانی کے جانشین محمد اوّل کے عہد میں (سنہ ۸۵۲ء سے سنہ ۸۸۶ء) تک عیسائیوں کے پادریوں نے اپنے عوام کو مسلمانوں کی حکومت کے خلاف بھڑکانے کی تحریک شروع کر دی۔ اس تحریک کا سرغنہ یولوجیس نامی ایک راہب تھا۔ اُس نے پادریوں کو نہایت ہی شنیع حرکت کے ارتکاب پر ابھارا۔ ایک پادری قرطبہ کے بڑے چوک میں کھڑے ہو کر تقریر کرتا تھا اور تقریر کے دوران میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نہایت ہی نازیبا کلمات کہتا۔ پولیس کے آدمی اس پادری کو پکڑ کر قاضی کے سامنے پیش کرتے اور قاضی اسے قانونِ اسلامی کے مطابق موت کی سزا دے دیتا۔ اس قسم کی تحریک جاری کرنے کا مقصد عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان منافرت کے جذبات بھڑکانے اور عیسائیوں کو پادریوں کے جذبۂ فداکاری سے متاثر کر کے آمادۂ بغاوت کرنے کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ یولوجیس راہب کی یہ چال بہت کارگر ثابت ہوئی اور شاتمینِ رسول پادریوں کے قتل پر عیسائی بھڑک گئے اور انہوں نے قرطبہ میں شورش برپا کر دی۔ محمد اوّل نے بڑی مشکل سے امن و

امان قائم کیا اور عیسائیوں کو اس شر انگیزی سے روکا۔ لیکن ان شورشوں اور بغاوتوں کے باعث قرطبہ کا مرکزی اقتدار کمزور ہوگیا اور ۹۱۲ء تک ملک کے اندر بدامنی اور طوائف الملوکی ترقی پذیر ہوتی چلی گئی۔ ۹۱۲ء میں مملکت کی زمام ایک پختہ سیرت امیر عبدالرحمٰن ثالث کے ہاتھ میں آئی تو اس نے شورشوں اور بغاوتوں کی سرکوبی کرکے مضبوط حکومت قائم کرلی۔ عبدالرحمٰن ثالث نے فرنگستان کے مملوکین (غلاموں) کا ایک خاص باڈی گارڈ رکھا جس کی تعداد ۷۵۰۰ نفوس پر مشتمل تھی اس کے علاوہ اس نے ایک لاکھ نفوس کا لشکر جرار بھرتی کیا۔ جس میں یورپ کی تمام اقوام سلاسلانی۔ فرینک۔ گلیشی۔ لومبارد وغیرہ کے لوگ شامل تھے۔ نومسلموں اور نامسلموں کا یہ لشکر صقالبہ کہلاتا ہے۔ اور امیر کا اقتدار مستحکم کرنے کے لئے بہت کارآمد ثابت ہوا۔ امیر عبدالرحمٰن ثالث نے ۹۲۹ء میں جبکہ المہدیہ (تیونیشیا) کی فاطمی خلافت کو قائم ہوئے بیس سال گزر چکے تھے۔ قرطبہ میں اپنی خلافت کے قیام کا اعلان کردیا۔ اسی طرح مملکت اسلام میں خلافت کے تین مراکز بن گئے۔

۹۳۹ء میں خلیفہ عبدالرحمان کے لشکر نے فرانس کے علاقہ سیئون پر چڑھائی کی۔ اور سیئون کے بادشاہ سے شکست کھائی۔ یہ معمولی سرحدی چپقلش تھی۔

عبدالرحمٰن ثالث کا عہد (سنہ ۹۱۲ء سے ۹۶۱ء تک) عام خوشحالی اور ترقی کا دور ثابت ہوا۔ اس دور میں اندلس میں عربوں کی ثقافت اور ان کے علم ادب نے بہت ترقی کی۔ علامہ ابن خلدون نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ خلیفہ عبدالرحمٰن ثالث کے عہد میں بیت المال کی سالانہ آمدنی باسٹھ لاکھ ۴۵ ہزار طلائی دینار تھی۔ جس میں سے ایک تہائی رقم فوج پر صرف کی جاتی تھی ایک تہائی رفاہیت عامہ کے کاموں پر خرچ ہوتی تھی۔ اور ایک تہائی محفوظ رکھی جاتی تھی۔ اس خلیفہ کے عہد میں قرطبہ کا شہر بہت ترقی کر گیا اس میں ایک لاکھ تیرہ ہزار گھر تھے۔ ۲۱ محلے تھے۔ خلیفہ اور امراء کے محلات میلوں تک پھیلے ہوئے تھے۔ ستر کتب خانے۔ سات سو مسجدیں۔ تین سو حمام شمار کئے گئے۔ شہر کی کل آبادی پانچ لاکھ کے لگ بھگ تھی۔ شہر کے تمام بازار پختہ فرش رکھتے تھے۔ اور رات کے وقت روشنی سے مزین رہتے تھے۔ جو گھروں کے باہر نصب کی جاتی تھی۔ اس عہد سے سات سو سال بعد تک لندن کے بازاروں میں کسی کھلی جگہ پر ایک آدھ لیمپ بھی نصب نہ ہوا۔ اور پیرس کے بازار صدیوں تک کیچڑ اور دلدل سے بھرپور رہے۔ قرطبہ اس وقت تک علوم و فنون اور صنعت و حرفت کا گہوارہ بن چکا تھا۔ دباغت چرم سازی۔ اون۔ ریشم۔ پارچہ بافی۔ ریشم کے کیڑوں کی پرورش۔ شیشہ۔ پیتل اور دوسری دھاتوں سے رخت سازی۔ سونے۔

چاندی۔ لوہے۔ سیسے اور لعل وجواہر کے کام اور تلواریں بنانے کی صنعتوں نے خاص طور پر ترقی کی جن سے یورپ کے لوگ اس زمانے میں ناآشنائے محض تھے۔ زراعت اور باغبانی کے فنون کو ترقی ہوئی اور آب پاشی کے ترقی یافتہ طریقے اختیار کئے گئے۔ غرض قرطبہ ہرگونہ ترقیات میں بغداد کا مثنیٰ بن گیا۔ ہسپانیہ کے عیسائی بادشاہوں اور امیروں کو اگر ماہر طبیب۔ جرّاح۔ معمار یا گویئے کی ضرورت پیش آتی تھی تو وہ قرطبہ ہی سے منگواتے تھے۔

عبدالرحمٰن ثالث بغداد کے عباسی خلفا المقتدر۔ القاہر۔ الراضی المتقی۔ المستکفی اور المطیع کا ہم عصر تھا۔ اس دور میں بخارا۔ ترکستان اور خراسان میں سامانی خاندان کے امرا حکمرانی کر رہے تھے اور عباسی خلفا کا اقتدار روبہ زوال تھا۔ بغداد کا دربار سازشوں کا گہوارہ بنا ہوا تھا۔ اور تیونیشیہ اور دیارِ مغرب میں فاطمیوں کی خلافت قائم ہو چکی تھی۔

عبدالرحمان ثالث کے بعد قرطبہ کی مسندِ خلافت پر الحاکم بامراللہ متمکن ہوا۔ یہ خلیفہ بہت علم پرور اور عالم نواز تھا۔ اس نے قرطبہ کے جامعۃ الاسلام کو بہت ترقی دی۔ مملکت میں دو سو ستر کالج کھولے۔ قرطبہ کا دارالعلوم قاہرہ کے جامعۃ الازہر اور بغداد کے مدرسہ نظامیہ سے پہلے قائم ہو چکا تھا۔ طلبا ابتدائی تعلیم مساجد میں حاصل کرتے تھے۔ اس خلیفہ کو پرانی کتابیں اور قدیم قلمی نسخے جمع کرنے کا بہت

شوق تھا۔ خود اس کے ذاتی کتب خانے میں چار لاکھ جلدیں جمع ہو گئی تھیں۔ ان کی فہرست ۴۴ جلدوں پر مشتمل تھی۔ الحاکم بامر اللہ کے بنوائے ہوئے ایک قصر پر ایک کتبہ مرقوم تھا جس کا ترجمہ یہ ہے:۔

"دنیا چار چیزوں کے بل پر قائم ہے۔ ایک حکماء کا علم۔ دوسرے زعماء کا عدل۔ تیسرے پرہیزگاروں کی دعا اور چوتھے بہادروں کی شجاعت۔"

الحاکم بامر اللہ اندلسی ۹۶۱ء سے ۹۷۶ء تک حکمران رہا۔ اس کے بعد قرطبہ کی خلافت کے اقتدار میں بھی زوال کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ اور ولایات وبلاد کے امرا سرکشی کرنے لگے۔ ۱۰۲۳ء میں اشبیلیہ کے عبادی خاندان نے اپنی آزاد امارت کے قیام کا اعلان کر دیا۔ آخری خلیفہ ہشام المؤید کی وفات کے بعد جو ۱۰۳۱ء مطابق ۴۲۲ ہجری میں وقوع پذیر ہوئی۔ ملک میں طوائف الملوکی پھیل گئی۔ امرا نے جا بجا اپنی آزاد امارتیں قائم کر لیں اور اسپین کی اموی خلافت اختتام پذیر ہوئی۔ ادھر ۱۰۳۰ء میں سلطان محمود غزنوی نے اور ۱۰۳۱ء میں خلیفہ القادر باللہ نے وفات پائی۔

علمی ادبی ثقافتی اور روحانی سرگرمیاں

خلافت عباسیہ کے اس صد سالہ عہد (۹۳۶ء سے لے کر ۱۰۳۶ء تک) میں علمی۔ ادبی۔ ثقافتی اور رُوحانی سرگرمیاں بدستور ترقی پذیر رہیں۔ ہم دولت غزنویہ کا حال بیان کرتے ہوئے لکھ چکے ہیں کہ سلطان محمود غزنوی کو اپنے دربار میں علماء، فضلا اور ہر قسم کے ارباب کمال جمع کرنے کا شوق کس قدر فراواں تھا کہ وہ ایسے لوگوں کو دوسرے اُمرا سے چھین لینے میں دریغ سے کام نہیں لیتا تھا۔ اس دَور کے امرا ارباب علم وفضل کو اپنے پاس رکھنا اور ان کو فکر معاش سے آزاد کرکے علمی تحقیقات و ترقی پر لگائے رکھنا اپنے لئے باعث فخر خیال کرتے تھے۔ خوارزم کے میمونی امرا۔ ایران کے بویہی امرا اور طبرستان کے زنگی امرا کے درباروں میں ارباب کمال کا جمگھٹا لگا رہتا تھا جن میں سے اکثر سلطان محمود غزنوی نے اُن سے چھین کر اپنے دربار میں جمع کر لئے۔ مشہور ومعروف مؤرخ و منجم ابوریحان البیرونی، ابو سہل

مسیحی - فلسفی - ابوالحسن خمار طبیب - ابونصر عراقی ریاضی دان
خوارزم سے غزنین کے دربار میں پہنچ گئے - حکیم بوعلی سینا محمود کے
پاس جانے کا خواہاں نہ تھا - اس لئے وہ روپوش ہو کر ادہر ادہر
پھرتا پھراتا رہا اور آخر کار طبرستان کے امیر ابوالمعالی قابوس کے
پاس پہنچ گیا - اور قابوس کی وفات کے بعد رے کے بویہی امیر کے
ہاں چلا گیا - سلطان محمود نے اسے تلاش کرنے کے لئے انعام مقرر
کر دیا تھا اور اس کا حُلیہ اور اس کی تصاویر ساری مملکت میں
نشر کرا دی تھیں - ہم لکھ چکے ہیں کہ محمود کے دربار میں فارسی
زبان کے مشہور اساتذۂ شعر و سخن عنصری - فردوسی - اسدی -
عسجدی - فرخی اور منوچہری پھلے پھولے ان کے علاوہ مملکت
کے اندر اور بھی بیسیوں ممتاز شاعر تھے - ان میں سے ابوسعید ابوالخیر
کسائی اور بندار قابل ذکر ہیں - اس دور کے عربی زبان
کے ادبار اور شعرار میں شریف الرّاضی، بدیع الزمان ہمدانی - المتنبّی
ابوالفتح - البُستی بخارائی - ابومنصور ثعلبی نیشاپوری - اور
ابوالعلیٰ المعرّی شامی بہت مشہور ہیں - المعرّی نابینا تھا -
جس نے ایک لاکھ سے زیادہ شعر کہے - اور متعدد کتابیں تصنیف
کیں یہ شخص لامذہب تھا اُس نے کتاب الفصول والغایات
کے نام سے قرآن کریم کی نقل اتارنے کی کوشش کی - اسی دور
میں ابوالقاسم ابوالکریم القشیری نے تصوف اسلامی پر ایک

رسالہ عربی زبان میں لکھا۔ ابوالحسن علی ابن الماوردی بھی اسی زمانے کا مشہور مصنف ہو گزرا ہے جس نے کتاب الاحکام السلطانیہ کے نام سے سیاست اسلامی پر ایک کتاب لکھی

اس دور میں مصر اور اندلس میں بھی علمی اور ادبی سرگرمیاں بہت زوروں پر تھیں لیکن وہاں کوئی قابل ذکر صاحب کمال اس دور میں ظاہر یا مشہور نہیں ہوا۔ ادبی ترقیات کے اعتبار سے یہ دور فصاحت و بلاغت کے عروج کا دور ہے۔ جس میں اس موضوع پر بہت کتابیں عربی اور فارسی زبان میں لکھی گئیں اور ادیبوں اور شاعروں نے انداز بیان میں صنائع و بدائع کا استعمال لازمی قرار دے لیا۔ امرا کی باہمی چپقلشوں اور شورشوں کے باوجود مملکت اسلام کے معاشرے کی عام حالت اچھی تھی۔ خوشحالی کا دور دورہ تھا۔ معیشت۔ ثقافت اور علمی اور فنی ترقیات کے لحاظ سے مسلمانوں کی معاشرت اس دور کی دوسری اقوام کے مقابلے میں بدرجہا افضل و ارفع تھی۔ دوسری اقوام کے عوام پستی اور جہالت کے عمیق گڑھوں میں زندگی بسر کر رہے تھے۔ اسلام ان دنوں ہندوستان کے بت پرستوں تاتار کے ارواح پرستوں اور فرنگستان کے تثلیث پرستوں سے متصادم تھا۔ چین کے بدھوں کے ساتھ مسلمانوں کے محض تجارتی اور سیاحتی روابط قائم تھے۔ صوفیائے کرام اور مشائخ عظام کے سلسلے خاموشی

کے ساتھ دین کی تبلیغ اور عوام کے اخلاق کی درستی کا کام کرتے رہے۔ اس دور کے مشہور مشائخ میں ابوبکر شبلیؒ ابوسعید ابوالخیرؒ۔ ابوالحسن خرقانیؒ۔ ابوالحسن علی بن ابراہیم المعریؒ۔ عثمان سعید بن سلام المغربیؒ۔ ابوالعباس نہاوندیؒ۔ ابوالفضل سرخسیؒ۔ ابوالحسن صائغؒ۔ ابوالقاسم نصرآبادیؒ۔ ابوبکر کتانیؒ اور ابوبکر محمد حریریؒ خاص پر قابل ذکر ہیں۔ حق یہ ہے کہ اسلام کی حقیقی روح کچھ انہی لوگوں کے دم قدم کی برکت سے زندہ وسلامت چلی آرہی ہے۔ جنہوں نے دنیوی عزت۔ شہرت اور دولت سے قطع نظر کرکے خالصتہ للہ اللہ کے دین کی خدمت جاری رکھی۔

خلافتِ عبّاسیہ کا چوتھا صد سالہ دَور

سنہ ۴۳۷ھ سے سنہ ۵۴۰ھ تک
سنہ ۱۰۴۶ء سے سنہ ۱۱۴۶ء

عبّاسیوں کی برائے نام خلافت کے چوتھے صد سالہ دَور میں غزنین اور پنجاب کی ولایات میں دولتِ غزنویہ کے سلاطین حکمرانی کرتے رہے۔ خراسان۔ ایران۔ طبرستان۔ بغداد اور ایشیائے کوچک میں سلجوقی خاندان کے ترکوں نے ایک وسیع سلطنت قائم کرلی۔ دولتِ سلجوقیہ بامِ عروج پر پہنچی اور آخرکار طوائف الملوکی کا شکار ہوگئی۔ مصر اور شام میں فاطمیوں کی خلافت کا اثر و اقتدار قائم رہا۔ دیارِ مغرب یعنی تیونیشیا الجزائر اور مراقش میں نئی نئی تحریکیں اٹھیں طوائف الملوکی نے زور پکڑا۔ اندلسیہ (ہسپانیہ) میں بھی جہاں امویوں کی خلافت کا شیرازہ منتشر ہوچکا تھا۔ طوائف الملوکی کا

زور دورہ رہا۔ اور کئی طرح کے انقلابات آئے۔ عیسائی زور پکڑ کر مسلمانوں پر غلبہ حاصل کرنے لگے۔ ایران اور شام میں باطنیوں یعنی اسماعیلیوں نے خفیہ نظام سے دہشت پھیلائی اور مازندران اور آذربیجان کے پہاڑوں میں اپنی مذہبی امارت قائم کر لی۔ اسی صدی میں یورپ کے عیسائیوں کے ساتھ صلیبی جنگوں کے طویل سلسلے کا آغاز ہوا۔ اور عیسائی لشکروں نے فلسطین اور القدس (یروشلم) پر قبضہ کر کے بحیرہ روم کے ساحل کے ساتھ ساتھ اپنی چھوٹی چھوٹی امارتیں قائم کر لیں۔ یہ زمانہ اسلام کی مملکت میں عجیب انتشار اور خلفشار کا دور تھا۔ سلجوقی ترکوں کے ظہور و عروج کے باعث اسلام کی شان و شوکت اور خلافت عباسیہ کا نام نہاد اقتدار قائم رہا اور اسلامی سطوت کے رو بہ انحطاط جسم میں طاقت و قوت کی ایک نئی لہر دوڑ گئی علمی ادبی۔ فنی۔ ثقافتی اور روحانی سرگرمیوں کے اعتبار سے یہ دور پہلے ادوار سے بھی ممتاز تر نظر آتا ہے۔ اس دور کے علما۔ حکما۔ شعرا۔ ادبا وغیرہ اسلامی لٹریچر اور اسلامی ثقافت کے بہت بڑے معمار سکتے۔ جن کا تذکرہ اس باب کے آخر میں کسی قدر تفصیل کے ساتھ کیا جائے گا۔ اس دور کے تاریخی حالات بہت اُلجھے ہوئے ہیں۔ تاہم ہم انہیں الگ الگ فصلوں میں کسی قدر وضاحت کے ساتھ بیان کریں گے تاکہ اس دور کی کیفیات ایک واضح تصویر پڑھنے والوں کی آنکھ کے سامنے آجائے۔

اس دور میں حسب ذیل خلفاء نے مسندِ خلافت کو زینت بخشی :-

القائم بامر اللہ :- سنہ ۴۲۲ ہجری سے سنہ ۴۶۷ ہجری تک
المقتدی بامر اللہ :- سنہ ۴۶۷ھ " سنہ ۴۸۷ھ "
المستظہر باللہ :- سنہ ۴۸۷ھ " سنہ ۵۱۲ھ "
المسترشد باللہ :- سنہ ۵۱۲ھ " سنہ ۵۲۹ھ "
الراشد باللہ :- سنہ ۵۲۹ھ " سنہ ۵۳۰ھ "
المقتفی لامر اللہ :- سنہ ۵۳۰ھ " سنہ ۵۵۵ھ "

زیر تبصرہ دور میں سنہ ۴۳۶ ہجری سے سنہ ۵۴۰ ہجری تک کے واقعات قلم بند کئے گئے ہیں جس کا آغاز خلیفہ القائم بامر اللہ کے عہد کے چودھویں سال سے شمار کیا گیا ہے اور جو خلیفہ المقتفی بامر اللہ کے عہد کے دسویں سال پر اختتام پذیر ہوا۔

اس دور کی تاریخ غزنویوں سلجوقیوں۔ باطنیوں۔ فاطمیوں المرابطین بربریوں اور موحدون کی سرگرمیوں کے حالات پر مشتمل ہے جو مملکتِ اسلامی کے مختلف اقطاع میں سرگرمِ عمل رہے۔ یہ حالات الگ الگ عنوانوں کے ماتحت قلم بند کئے جائیں گے۔ اس موقع پر دربارِ خلافت کے متعلق صرف اتنا بیان کر دینا کافی ہے کہ خلیفہ القائم بامر اللہ کے عہد میں بغداد کا مشہور دار العلوم مدرسۂ عالیہ نظامیہ قائم ہوا۔ اور سنہ ۴۵۹ھ میں پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ شیخ ابو اسحٰق شیرازی اس کے صدر مدرس مقرر ہوئے۔ سنہ ۴۶۱ھ میں دمشق کی جامع مسجد

نذر آتش ہوگئی۔ اور ۴۶۵ھ ہجری میں دریائے دجلہ کے اندر بھاری طغیانی آئی۔ بغداد میں جان ومال کا بہت نقصان ہوا۔ دو جمعوں کی نمازیں لوگوں نے کشتیوں ہی پر پڑھیں۔ خلیفہ المقتدی بامر اللہ کے عہد میں بغداد میں اشعریوں[1] اور حنبلیوں کے درمیان شدید نوعیت کا فرقہ وارانہ فساد پھوٹ پڑا۔ اور بڑی خونریزی ہوئی۔ یہ واقعہ ۴۷۰ھ میں اشعریوں کے امام ابو نصر ابن ابوالقاسم القشیری الاشعری کے بغداد آنے اور مدرسۂ نظامیہ میں درس دینے پر وقوع پذیر ہوا۔ خلیفہ المستظہر باللہ کے عہد میں ایران اور عراق میں باطنی (اسماعیلی) فرقہ کے لوگوں نے شورشیں اور فساد برپا کئے۔ اور بہت سے شہروں اور قلعوں پر قبضہ کرلیا۔ صلیبی فرنگیوں نے بیت المقدس پر اور فلسطین کے دیگر قطعات اور مقامات پر قبضہ جماکر اپنی امارتیں قائم کرلیں۔ نہاوند کے ایک مدعیٔ نبوت نے موت کی سزا پائی۔ اس دور

---

[1] اشعریوں اور حنبلیوں کے درمیان عقیدہ کا اختلاف صرف اتنا تھا کہ حنبلی قرآن کریم کے صرف وہی معنی لیتے تھے جو بہ الفاظ ظاہر اس سے اخذ ہوتے تھے۔ اور اشعری کہتے تھے کہ اللہ کی صفات بیان کرنے کے سلسلے میں کلام پاک میں بعض الفاظ اور محاورات تشبیہ و استعارہ کے طور پر استعمال ہوئے ہیں۔ اختلاف بہت لطیف نوعیت کا تھا جس نے فرقہ وارانہ فساد کی شکل اختیار کرلی۔

میں مصر کے فاطمی خلفا اور بغداد کی عباسی خلافت کے امرا کے درمیان
شام۔ عرب اور عراق میں لڑائیاں ہوتی رہیں۔ فاطمی خلافت کے لشکر
نے ۴۴۷ھ مطابق ۱۰۵۶ء میں عراق کے شہر واسط تک اور دو
سال بعد خود بغداد تک یلغار کی۔ اور مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ پر قبضہ
کر لیا۔ عباسی خلافت کے امرائے بارہ سال کے بعد حرمین شریفین کو
دوبارہ حاصل کیا اور دمشق سے فاطمی خلیفہ کے مامورین کو نکالا۔
شام اور فلسطین اس دور میں عباسیوں۔ فاطمیوں۔ باطنیوں اور
صلیبی عیسائیوں کے درمیان باہمی کشمکشوں کی آماجگاہ بنے رہے۔ اس
دور کے عباسی خلفا راسخ العقیدہ سنی مسلمان تھے۔ اور شعائر دینی کے
قیام کی طرف بہت میلان رکھتے تھے۔ خلیفہ المقتدی بامر اللہ نے بغداد
میں گانے بجانے پر پابندیاں عاید کر دیں۔ اس دور میں شام۔ فلسطین
اور ایشیائے کوچک کے بعض قطعات کے علاوہ جزیرہ صقلیہ (سسلی)
پر بھی عیسائیوں نے قبضہ کر لیا۔ اور اندلس میں بھی بعض مقامات
مسلمانوں سے چھین لئے۔

دولتِ غزنویہ کی سرگذشت

عباسی خلافت کے اس صد سالہ دور میں گزرستان ہند میں سلطان محمود کے جانشین یعنی غزنوی خاندان کے سلطان مملکتِ اسلامی کی مشرقی حدوں کی حفاظت مدافعت کے فرض سے عہدہ برآ ہوتے رہے۔ محمود کے بیٹے مسعود نے خلیفہ القائم بامراللہ سے ایک وسیع سلطنت کا انتظام کرنے کی اسناد حاصل کرلی تھیں جس کے حلقۂ اثر میں پنجاب۔ غزنیں۔ ملتان۔ کابل۔ خراسان۔ سیستان۔ ایران ترکستان۔ طبرستان کے علاوہ اور ولایات بھی شامل تھیں۔ لیکن سلطان مسعود اس وسیع سلطنت کا انتظام سنبھالنے سے پوری طرح عہدہ برآ نہ ہوسکا۔ اور اس کے عہد میں خراسان اور ترکستان میں سلجوقیوں کے خانہ بدوش قبائل نے شورشیں برپا کرکے غزنیں کے دربار کے دبدبے کو بہت نقصان پہنچایا۔ خراسان اور ترکستانات کی شورشوں سے متاثر ہوکر ہندوستان کے ہندو راجے بھی پنجاب اور ملتان کی سرزمین سے غزنویوں کے اقتدار کا جنازہ نکالنے کے خواب دیکھنے لگے۔ ان

کیفیات میں سلطان مسعود کا بیٹا مودود غزنیں کی حکومت کا وارث بنا۔ مودود نے اپنے چچا محمد سے لڑکر تخت حاصل کیا اور اپنے باپ کے قاتلوں کو کیفر کردار تک پہنچایا۔ مودود نے زوال حکومت کی اس کے بعد اس دور میں غزنین کے تخت پر علی ابن مسعود، عبدالرشید فرخ زاد۔ ابراہیم۔ مسعود سوئم۔ ارسلان اور بہرام شاہ متمکن ہوئے۔ ان جملہ سلاطین کو سلجوقیوں سے جو خراسان۔ ترکستان اور ایران کے حکمران بن گئے تھے اور ہندوستان کے راجاؤں سے پیہم عہدہ برآ ہونا پڑا۔ تاہم یہ خاندان اس دو طرفہ دباؤ کے مقابلے میں زیر تبصرہ دور کے اختتام سے چھ سال بعد تک اپنی حکمرانی اور فرماں فرمائی کو قائم رکھنے میں کامیاب رہا۔

سلطان مودود کے عہد میں سلجوقیوں نے خراسان میں اپنی آزاد امارت وسلطنت قائم کر لی۔ اور دربار غزنین کے اقتدار کو تہدید کرنے لگے۔ سلطان نے سلجوقی سردار جعفر بیگ کی دختر کو اپنے حبالۂ عقد میں لے کر ان سے اچھے تعلقات پیدا کرنے کی طرح ڈالی۔ لیکن یہ تدبیر بھی کارگر ثابت نہ ہوئی اور سلطان سلجوقیوں کی تاختوں کو روکنے کے لئے دفاعی تدابیر اختیار کرنے پر مجبور ہوتا رہا۔ ادھر ہندوستان کے راجاؤں نے دہلی کے راجہ کی سرکردگی میں غزنویوں سے لڑائی شروع کردی اور ۴۳۵ھ میں ہانسی حصار اور تھانیسر کا علاقہ چھین لیا۔ اس کے بعد دہلی کے راجہ نے مشہور کر دیا کہ نگر کوٹ (کانگڑہ) کے مندر

کا جوالا مکھی دیوتا جسے محمود اٹھا کر غزنیں لے گیا تھا وہاں سے بھاگ کر دہلی آگیا ہے اور اپنی اصلی جگہ پر فاتحانہ حیثیت سے جانے کا ارادہ رکھتا ہے۔ ہندوؤں کو جوش دلانے کے لئے باغ کے اندر دیوتا کی نئی مورتی بنوا کر رکھ دی گئی۔ ہندوؤں میں بہت جوش پھیلا اور انہوں نے راجۂ دہلی کی سرکردگی میں چڑھائی کر کے نگرکوٹ کا قلعہ بھی مسلمانوں سے چھین لیا۔ اس کے بعد ادھر ادھر کے راجاؤں نے متحد ہو کر لاہور کا رُخ گیا جہاں غزنوی دربار کے تین امرا ایک دوسرے کے خلاف سازشیں کر رہے تھے۔ ہندوؤں کی لشکر کشی سے متاثر ہو کر ان تینوں امرا نے صلح کر لی اور متحدہ مقابلہ کرنے کی ٹھان لی۔ ہندوؤں کا لشکر یہ حال دیکھ کر لڑائی کے بغیر واپس لوٹ گیا۔ اور لاہور پر بدستور مسلمان قابض رہے۔

سلطان عبدالرشید ابن محمود کے عہد میں اس کے ایک سپہ سالار طغرل بیگ ترک نے خراسان کے سلجوقیوں کو شکست فاش دی اور دوسرے جرنیل نوش تگین نے نگرکوٹ (کانگڑہ) کا قلعہ ہندوؤں کے ہاتھ سے دوبارہ چھین لیا۔ طغرل بیگ سلجوقیوں پر فتح پاکر اس قدر بدمست ہو گیا کہ اس نے غزنی پہنچ کر سلطان عبدالرشید کو قتل کر دیا اور خود بادشاہ بن بیٹھا۔ غزنیں کے امرا نے اسے بھی قتل کر دیا۔ سلطان فرخ زاد کے عہد میں سلجوقیوں نے پھر غزنیں پر چڑھائی کی۔ اور غزنوی سالار دستور معظم خیر خیر نے انہیں

شکست دی غزنوی سپاہ نے خراسان پر چڑھائی کر کے سلجوقیوں کے سردار تگل سارق کو اسیر بنا لیا۔ لیکن چغر بیگ کے بیٹے الپ ارسلان نے غزنوی فوج کو شکست دی۔ اور غزنین کے متعدد اُمرا اسیر بنا لئے۔ اسیرانِ جنگ کی رہائی کی شرط پر غزنویوں اور سلجوقیوں میں صلح ہو گئی۔

فرخ زاد کے بعد اُس کا بھائی ابراہیم تخت نشین ہوا۔ جس کے حُسنِ انتظام اور تدبر نے غزنویوں کی زوال پذیر دولت کو سنبھالا۔ سلجوقیوں کے خطرے سے جو اس وقت تک خراسان اور ایران میں ایک وسیع سلطنت کے مالک بن چکے تھے۔ محفوظ ہونے کیلئے سلطان ابراہیم نے سلجوقی سلطان ملک شاہ سے مصالحت کر لی اور اپنے بیٹے کی شادی ملک شاہ کی بیٹی سے کر کے عزیزداری کے تعلقات قائم کر لئے۔ اس طرف سے بے فکر ہو جانے کے بعد اس نے مہمات ہند کی طرف توجہ مبذول کی اور اجودھن (پاک پتن) اوماپل گڑھ اور درہ کے اہم اور مضبوط قلعے سر کئے۔ موخر الذکر دو قلعوں کا محل وقوع مشتبہ ہے۔ بعض مورخین کا خیال ہے کہ یہ پہاڑی قلعے وسط ہند میں کوہستان بندھیاچل میں واقع تھے۔ اور بعض یہ سمجھتے ہیں کہ ان کا محلِ وقوع کوہستان ہمالیہ میں لگر کوٹ کے نواح میں تھا۔ سلطان ابراہیم بہت دیندار نیک۔ مدبر اور شجاع بادشاہ تھا۔ اُس نے ۴۵۱ھ سے ۴۹۲ھ تک حکومت کی۔ اس نے غور (فیروز

کوہ) کے سرکش امیر عباس پر چڑھائی کر کے اُسے امارت سے معزول کر دیا اور اُس کے بھائی کو امیر بنا دیا۔ کیونکہ عباس بڑا ظالم امیر تھا اور رعایا کو بہت تنگ کیا کرتا تھا۔

سلطان ابراہیم کے حُسنِ انتظام کا ایک واقعہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ ایک دفعہ غزنین میں روٹی کا قحط رُونما ہو گیا۔ نان بائیوں کی دوکانیں بند ہو گئیں۔ عوام نے سلطان کے پاس فریاد کی بتحقیقات پر معلوم ہوا کہ شاہی نان پُز نے نفع اندوزی کے خیال سے آٹے کا ذخیرہ کر لیا ہے۔ اور دُوسرے نانبائی بھی اس کا تتبع کر رہے ہیں۔ سلطان نے اُس نان پُز کو ہاتھی کے پاؤں تلے کچلوایا۔ اور اس کی نعش کے ٹکڑے درختوں پر لٹکا دیئے۔ اور منادی کرا دی کہ غلے اور آٹے کا احتکار کرنے والوں کو یہ سزا دی جائے گی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شام سے پہلے پہلے دکانیں کھل گئیں اور ہر دُکان پر روٹیاں بچی رہیں۔ جن کا کوئی خریدار نہ تھا۔

ابراہیم کے بعد مسعود سویم بادشاہ بنا۔ اس کے عہد میں والیِ پنجاب نے کالنجر اور قنوج کے علاقے میں فوج کشی کی تاکہ ہندوستان کے راجاؤں پر غزنوی دربار کا رُعب وداب قائم رہے۔ مسعود کے بعد ارسلان بادشاہ بنا۔ جو سلجوقی سلطان سنجر کا بھانجا تھا۔ اُس نے اپنے بھائیوں کو تہ تیغ کرا دیا۔ صرف اس کا سگا بھائی بہرام بھاگ کر اپنے ماموں سنجر کے پاس چلا گیا۔ ارسلان نے اپنی ماں سے بھی بدسلوکی

کی سلطان سنجر نے اپنی بہن مہد عراق اور اپنے بھانجے بہرام کے کہنے پر غزنیں پر چڑھائی کی - ارسلان کو شکست دی - ارسلان پنجاب کی طرف نکل آیا - سنجر نے بہرام کو تختِ غزنیں پر بٹھایا - اور خود واپس چلا گیا - ارسلان نے پنجاب سے لشکر فراہم کرکے غزنیں پر چڑھائی کی اور بہرام کو بھگا دیا - سلطان سنجر دوبارہ غزنیں پر لشکر کشی کرنے کے لئے مجبور ہو گیا اور ارسلان کو قتل کرکے پھر بہرام کو بادشاہ بنا دیا - بہرام کے عہد میں لاہور کے والی باہلم نے ناگور کی ہندو ریاست فتح کر لی اور ناگور کو اپنا صدر مقام بنا کر ولایاتِ ہند کا خود مختار بادشاہ بن بیٹھا - بہرام نے اسے سزا دینے کے لئے لشکر کشی کی - ملتان کے قریب بہرام اور باہلم کی فوجوں کے درمیان سخت ہوئی - بہرام نے فتح پائی اور ولایاتِ ہند بدستور غزنیں کے دربار کے زیر اقتدار رہیں -

بہرام کے عہد میں غور یعنی فیروز کوہ کے پٹھان بہت طاقت پکڑنے لگے - ملک قطب الدین نامی ایک غوری شہزادہ اپنے بھائیوں سے ناراض ہو کر غزنیں کے دربار میں آ گیا - بہرام نے اسے اپنا داماد بنا لیا - لیکن قطب الدین امرائے دربار سے سازشیں کرکے تختِ غزنیں پر قابض ہونے کے خواب دیکھنے لگا - بہرام نے اسے زہر کھلا کر مار دیا - اس پر قطب الدین کے بھائی سیف الدین امیرِ کوہستان نے بھائی کا انتقام لینے

سکے لئے غزنیں پر چڑھائی کی اور شہر پر قبضہ کر لیا۔ اُمرائے غزنیں نے بہرام شاہ کو پنجاب سے بُلایا اور سیف الدین کو گرفتار کر کے اُسے بازاروں میں رُسوا کیا اور آخر کار دار پر لٹکا دیا۔ اَب تیسرے بھائی بہاؤالدین سام نے غزنیں پر لشکر کشی کی لیکن وہ راستے ہی میں مرگیا اور اپنے بھائی علاؤالدین کو وصیت کر گیا کہ غزنیں والوں سے بھائیوں کا انتقام ضرور لیا جائے۔ چنانچہ علاؤالدین نے ۵۴۷ھ ہجری مطابق ۱۱۵۲ء میں غزنیں پر زبردست حملہ کیا۔ بہرام کو شکست دی۔ شہر میں سات روز تک قتلِ عام اور غارت گری کا بازار گرم رکھا۔ محمود مسعود اور ابراہیم کے مقبروں کے سوا غزنوی خاندان کے باقی تمام بادشاہوں اور امیروں کے مزارات مسمار کرا دئے۔ شہر کو جلوا کر علاؤالدین جہاں سوز کا نام ولقب پایا۔ غزنیں کا شہر جو ڈیڑھ سو سال میں ترقی کرتا کرتا قرطبہ اور بغداد کا ہمسر بن چکا تھا ایسا تباہ ہوا کہ اُس کا نام ونشان تک باقی نہ رہا۔ علوم وفنون کے تمام ذخائر جو سلطان محمود غزنوی کے وقت سے جمع ہو رہے تھے نذرِ آتش ہو کر خاکِ سیاہ بن گئے۔

سیّد ابوالحسن علی ہجویری رح المعروف بہ داتا گنج بخش جنکے جن کا مزار اقدس لاہور میں فیضانِ رُوحانی کا سرچشمہ ہے غزنوی سلاطین ہی کے عہد میں زندگی بسر کی۔ آپ محمود کے

عہد میں سنہ ۴۰۰ ہجری میں پیدا ہوئے اور ابراہیم کے عہد میں سنہ ۴۶۵ھ میں بمقام لاہور وصال پایا۔ پنجاب میں انہی کے دم قدم کی برکت سے اسلام پھیلا۔

محمود کے مشہور غلام ایاز کا مقبرہ بھی لاہور میں ہے۔ جو مسعود کے زمانے میں لاہور کا حاکم تھا۔ غزنوی سلاطین کی علم نوازی اور معارف پروری کا حال اس دور کی عام علمی سرگرمیوں کی فصل میں بیان کیا جائے گا۔

دولتِ سلجوقیہ کا ظہور و عروج

سنہ ۴۲۹ھ سنہ ۵۴۰ھ
سنہ ۱۰۳۷ء سے سنہ ۱۱۴۶ء تک

خلافتِ عباسی کا یہ چوتھا صد سالہ دَور درحقیقت دولتِ سلاجقہ کے عروج و اقتدار کا زمانہ ہے جس کے ابتدائی حصے میں خراسان کے سلجوقی ترک دیکھتے دیکھتے خراسان۔ ترکستان۔ ایران۔ طبرستان کرمان۔ بغداد۔ عراق اور ایشیائے کوچک کے ملکوں پر چھا گئے۔ اور خلفائے عباسی سے حکمرانی اور فرماں روائی کی اسناد حاصل کر کے اپنے اقتدار کا ڈنکا بجانے لگے۔ سلجوقی سلاطین نے رُوم کے عیسائی قیصروں سے ایشیائے کوچک کا ملک چھینا۔ مصر کے فاطمی خلفا سے حلب۔ دمشق۔ مکّہ اور مدینہ حاصل کئے اور مملکت کے اندر فرقہ باطنیہ کی سازشوں شورشوں اور بغاوتوں کو دبایا۔ جو

اسلام کی مملکت کو اندر ہی اندر کھوکھلا کرتی چلی جا رہی تھیں۔ اس مقصد میں انہیں پوری طرح کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ کیونکہ باطنی فرقہ کے لوگوں نے مازندران اور آذربیجان کے کوہستان میں اپنی آزاد مذہبی امارت قائم کر لی۔ اور ملکِ شام میں بھی اپنا ایک مرکز قائم کر لیا۔ تاہم شاہانِ سلجوق کی تلوار کے سائے میں مسلمانوں کی علمی ادبی ثقافتی اور روحانی سرگرمیاں خوب پنپیں اور پروان چڑھیں۔ اسلام کی تاریخ کا یہ دور متعدد اعتبارات سے دلچسپ سبق آموز اور عبرت انگیز ہے۔ اس دور میں سلجوقیوں کے حسبِ ذیل سلاطین نے یکے بعد دیگرے حکومت کی۔

طغرل سنہ ۱۰۳۷ء سے سنہ ۱۰۶۳ء تک

الپ ارسلان سنہ ۱۰۶۳ء سے سنہ ۱۰۷۲ء ״

ملک شاہ سنہ ۱۰۷۲ء سے سنہ ۱۰۹۲ء ״

محمود بن ملک شاہ سنہ ۱۰۹۲ء سے سنہ ۱۰۹۴ء ״

برکیاروق سنہ ۱۰۹۴ء سے سنہ ۱۱۰۴ء تک (اپنے بھائی سنجر کو سنہ ۱۰۹۶ء میں خراسان کا بادشاہ بنا دیا۔

ملک شاہ ثانی :۔ صرف چند ہفتے بادشاہی کی

محمد پسر ملک شاہ :۔ سنہ ۱۱۰۵ء سے سنہ ۱۱۱۸ء تک

محمود ابن محمد :۔ سنہ ۱۱۱۹ء تک

سنجر :۔ سنہ ۱۱۱۹ء سے سنہ ۱۱۵۷ء تک (سنہ ۱۰۹۶ء سے خراسان

سنیا بادشاہ چلا آرہا تھا)

سلاجیق کون تھے؟ ابتدائی حالات

یہ سلاجیق وسطِ ایشیا کے غُز ترکوں کی ایک شاخ تھے جو گھوڑے اور بھیڑ بکریاں پالتے تھے اور خانہ بدوش قبائل کی سی زندگی بسر کیا کرتے تھے۔ سلجوق ابنِ توقان نے دینِ اسلام قبول کیا۔ تو اس کی قوم کے اور بہت سے قبیلے بھی مسلمان ہو گئے یہ لوگ بخارا کے شاہانِ سامانی کے کسی عہد میں ترکستان سے نکل کر ماوراءالنہر کے علاقے میں آ گئے۔ اور سردیوں کا زمانہ بخارا کی چراگاہوں میں اور گرمیوں کا وقت سغدیانہ اور سمرقند کے سبزہ زاروں میں بسر کرنے لگے۔ سلطان محمود غزنوی نے ان قبائل کو خراسان کی بعض چراگاہیں استعمال کرنے کا پروانہ بھی دے دیا۔ لیکن یہ لوگ شوریدہ پشت تھے اس لئے محمود نے ان کے سردار موسٰی ارسلان بیغو المعروف بہ اسرائیل کو یرغمال کے طور پر ہندوستان کے قلعہ کالنجر میں نظربند رکھا۔ محمود کی وفات پر اسرائیل کا بیٹا قتلمش قلعہ سے نکل کر اپنی قوم میں پہنچ گیا۔

طغرل سلجوقی

سلطان مسعود کے عہد میں یہ قبائل بہت زور پکڑ گئے۔ اور شورشیں اور بغاوتیں کرنے لگے۔ اُنہوں نے خود مسعود کو شکست دی اور اس سے ہاتھی چھین لئے۔ اس کے بعد یہ لوگ خراسان میں آزاد قبائل کی طرح زندگی بسر کرنے لگے اور دولت غزنویہ کے سلاطین کے لئے مستقل دردِ سر بنے رہے۔ مسعود کو شکست دینے کے بعد اُن کے ایک سردار طغرل نے مرو کا شہر فتح کیا اور ۱۰۳۷ء میں وہاں کا بادشاہ بننے کا اعلان کر دیا۔ اگلے سال طغرل نے نیشاپور فتح کر لیا۔ اور خراسان پر قبضہ جمانے کے بعد طبرستان کا رُخ کیا اور اُسے بھی سر کر لیا۔ نیز غزنین کے سلطان مودود کو شکست دیکر سلجوقی سلطنت کی بنیادیں مستحکم کر لیں۔ طغرل نے قیام سلطنت کے بعد بغداد کے عباسی خلیفہ القائم بامراللہ کی خدمت میں عرضداشت بھیجی۔ جس میں خلیفہ سے وفاداری کا اظہار کیا گیا تھا۔ اور سلطنت غزنویہ کے اُن اقتاع پر جو اس نے بزور شمشیر سر کرلئے تھے۔ حکومت کرنے کے لئے سند حاصل کرنے کی درخواست کی۔ خلیفہ کا سفیر ہبۃ اللہ ابن محمد الماموری سند خوشنودی لے کر طغرل کے پاس پہنچا اور خطبہ میں طغرل کا نام پڑھنے کی اجازت عطا کی۔ سنہ ۴۴۶ ہجری مطابق ۱۰۹۸ء میں طغرل نے اپنی خاندان کی امارت کا خاتمہ کرتا

ہوا بغداد پہنچا۔ خلیفہ نے بڑے تپاک سے استقبال کیا۔ طغرل کو الملک المشرق والمغرب کا لقب دیا۔ طغرل نے تیرہ ماہ بغداد میں قیام کیا اور اس اثنا میں اپنی بھتیجی ارسلان خاتون خدیجہ کا نکاح خلیفہ کے ساتھ کر دیا۔ جو طغرل کے جانشین الپ ارسلان کی بہن تھی بغداد سے نکل کر طغرل نے موصل۔ دیارِ بکر اور سنجار کی ولایات کے امیروں کو اپنا مطیع بنایا۔ اور کامران و کامگار ہو کر اپنے مرکز مرو کو واپس آیا۔ طغرل نے اس وسیع مملکت پر جو اس نے اپنی ہمت اور شجاعت سے پیدا کی تھی ۱۰۶۳ء تک حکومت کی اور اسی سال ستر سال کی عمر میں وفات پائی۔

الپ ارسلان

طغرل کی وفات پر اس کا بھتیجا الپ ارسلان تخت شاہی پر متمکن ہوا۔ اس نے تخت پر بیٹھتے ہی اپنے باپ کے وزیر عمادالملک الکندری کو قید کر کے ہلاک کرا دیا۔ کیونکہ وہ الپ ارسلان کے بھائی سلیمان کو بادشاہ بنانا چاہتا تھا۔ الپ ارسلان نے اس کی جگہ ابوعلی الحسن ابن اسحاق طوسی نامی ایک چوبیس سالہ قابل نوجوان کو "نظام الملک" کا لقب دے کر اپنا وزیر بنایا۔ نظام الملک بہت مدبّر اور منتظم شخص ثابت ہوا جو الپ ارسلان کے بعد اس کے جانشین ملک شاہ کے عہد میں بھی وزیر رہا۔

الپ ارسلان نے اپنے عہد حکومت کے پہلے سال میں ختلان ہرات اور شیغانیان کے اُمرا کی سرکوبی کی جو سرکشی پر مائل ہو رہے تھے ۱۰۶۵ء میں ترکستان کا مشہور شہر جُند فتح کیا جہاں اُس کے پڑ دادا سلجوق کا مقبرہ تھا۔ فارس اور کرمان کی بغاوت فرو کی اور ۱۰۷۰ء میں حلب (شام) مکہ اور مدینہ کو مصر کے فاطمی خلفا کے چنگل سے چھڑایا۔

قیصرِ رُوم کی شکست اور ایشیائے کوچک پر قبضہ

الپ ارسلان کا سب سے بڑا کارنامہ ایشیائے کوچک کی سرزمین کو قیصر رُوم کے ہاتھ سے چھیننا اور اس ملک کو ہمیشہ کے لئے مملکت اسلام میں شامل کر لینا ہے۔ یہ کارنامہ الپ ارسلان کے ہاتھ سے ۴۶۳ھ ہجری مطابق ۱۰۷۱ء میں یعنی وفات سے ایک سال پہلے سرزد ہوا جب کہ اُس نے ایشیائے کوچک پر چڑھائی کر کے منزلکرت (ملازگرد) کے مقام پر رومۃ الکبریٰ کے بازنطینی قیصر ڈیوگینیز رومانوس کو شکست فاش دی۔ قیصر کو اسیر جنگ بنا لیا۔ اس کے ساتھ حُسنِ سلوک سے پیش آیا اور ایشیائے کوچک کا ملک لے کر اُسے رہا کر دیا۔ ملازگرد کی جنگ میں قیصر دو لاکھ کا لشکر جرّار لے کر آیا تھا جس میں یونانی۔ رُوسی۔ کاثراگت زنجار اور بلغار، گرجستانی۔ تفتفاذی۔ فرنگ اور ارمنی وغیرہ متعدد اقوام کے عیسائی شامل تھے۔ الپ ارسلان نے صرف پندرہ ہزار مجاہدین کے لشکر سے عیسائیوں کے اس ٹڈی دل کو شکست

بھی - اور ثابت کر دکھایا کہ ساڑھے چار صدی کا طویل زمانہ گزر جانے کے باوجود شجاعت اور فنِ سپہ گری میں پیروانِ اسلام کی معنویات کافروں اور غیر مسلموں کے مقابلے میں کس درجہ بلند ہیں۔

سلطان زنگی کی یہ جنگ آیندہ ادوار کی تاریخ میں بڑے بڑے واقعات لانے کا موجب ثابت ہوئی - اور دنیائے عیسائیت اور عالمِ اسلام کے درمیان ایک غیر مختتم کشمکش پیدا کر دی گئی جس کا سلسلہ آج تک جاری ہے - اسلام کی ابتدائی فتوحات کے بعد یہ پہلی جنگ تھی جس میں مسلمانوں نے روم کے قیصروں کی مملکت سے ایک بڑا اور اہم ملک فتح کر لیا - عہد فاروقی میں رومی قیصر شام کے ممالک سے بے دخل کر دیئے گئے تھے اور شمالی افریقہ کی مملکات بھی ان کے ہاتھوں سے نکل گئی تھیں اس کے بعد بنو امیہ اور بنو عباس کے زمانۂ خلافت میں خلفائے اسلام محض رومیوں کی سرزنش کر دینے ہی پر اکتفا کرتے رہے اور انہیں شکست دینے کے بعد ان سے خراج لینے ہی کو غنیمت سمجھتے رہے - طویل مدت گزر جانے کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ اسلام نے عیسائیت سے ایک اہم ملک چھین لیا - اس واقعہ نے اقالیم فرنگ میں مسلمانوں کے خلاف نفرت و انتقام کے جذبات کو بہت ترقی دی جو صلیبی جنگوں کے ایک ایسے سلسلے پر منتج ہوئے جو دو صدیوں تک جاری رہا اور بعد کے ادوار یعنی عصر حاضر میں مسلمانوں کی سیاسی عظمت کے

زوال اور فرنگستان کے عیسائیوں کے ہر گونہ عروج کا موجب بنا۔

الپ ارسلان کی وفات

اس فتح عظیم کو حاصل کرنے کے اگلے سال یعنی ۴۶۴ھ ہجری مطابق ۱۰۷۲ء میں الپ ارسلان نے ترکستان کے ترکوں پر لشکر کشی کی۔ اسی حال میں خوارزم کے ایک ترک جنگی اسیر نے جو اس کے سامنے لایا گیا تھا۔ الپ ارسلان کو خنجر سے زخمی کر دیا۔ اس زخم سے وہ جانبر نہ ہو سکا۔ اور بارگاہ ایزدی میں توبہ و انابت کرتا ہوا فوت ہو گیا۔

کہتے ہیں کہ الپ ارسلان نے مرنے سے پہلے کہا کہ میں ہر مہم کو اختیار کرنے سے پہلے اللہ کے حضور میں گڑگڑا کر اس کی امداد طلب کیا کرتا تھا۔ لیکن کل میں ایک پہاڑی پر کھڑا تھا کہ میرے دل میں خیال آیا کہ میں سارے جہان کا مالک اور بادشاہ ہوں۔ زمین میرے لشکروں کے قدموں کی دھمک سے کانپتی ہے اور کائنات میرے جلال کے سامنے لرزتی ہے۔ آج مجھے اس غرور کی سزا مل گئی اور ایک ذلیل ترین آدمی نے مجھے زخمی کر دیا۔ اللہ میرا قصور معاف کرے۔ میں اپنے خیال سے تائب ہوں۔

الپ ارسلان بڑا فیاض اور سخی بادشاہ تھا۔ اس نے اپنی وسیع مملکت میں غریبوں، مسکینوں، بیواؤں اور یتیموں کے وظائف،

مقرر کردیئے تھے اور اس کے علاوہ بھی بہت خیرات کرتا رہتا تھا۔ غبن اور خیانت پر اپنے ملازمین سے سخت گیری کے ساتھ پیش آتا تھا اور کڑی سزائیں دیتا تھا۔ سلجوق راسخ العقیدہ سُنی مسلمان تھے۔ اسماعیلی فرقہ کے باطنی سلجوقیوں کے اقتدار سے بہت پہلے ہی سے مملکتِ اسلامی میں خفیہ ریشہ دوانیوں کے جال بچھاتے چلے آرہے تھے۔ اس لئے داخلی امن کے قیام کے سلسلے میں سلجوقی بادشاہوں اور ان کے وزیروں کے لئے یہ لوگ ایک مستقل دردِ سر بنے رہے۔ سُلطان طغرل کا وزیر عمادالملک مساجد میں باطنیوں اور اثنا عشری شیعوں کے خلاف لعنت بھجواتا تھا۔ سلطان الپ ارسلان کے وزیر نظام الملک کو بھی اس فرقہ کے لوگوں کی سرگرمیوں پر کڑی نگاہ رکھنی پڑی۔ جن پر راسخ العقیدہ علمائے اسلام مُلحد ہونے کا فتویٰ صادر کر چکے تھے۔ اس کے باوجود سلجوقیوں کے عہد میں باطنی ملاحدہ کی سرگرمیاں ترقی پذیر رہیں۔ اور بہت ہولناک کیفیات پیدا ہونے پر منتج ہوئیں جن کا حال اپنے موقع پر بیان کیا جائے گا۔

الپ ارسلان نے غزنین کے سلاطین سے اچھے تعلقات قائم کئے اور اپنے ایک بیٹے ارسلان ارغون کی شادی غزنین کی شہزادی کے ساتھ کی۔ ترکوں کو اپنانے کے لئے اُس نے اپنے بیٹے ملک شاہ کی شادی ایک ترک شہزادی سے کی جو ترکان خاتون کے نام سے مشہور ہوئی۔ الپ ارسلان نے ۱۰۶۳ء سے لے کر

سنہ ۱۰۶۳ء تک یعنی ۴۵۵ھ سے سنہ ۴۶۴ ہجری تک نو سال حکومت کی۔

ملک شاہ سلجوقی کا عہد

الپ ارسلان کی وفات پر اُس کا بیٹا ملک شاہ سترہ سال کی عمر میں بادشاہ بنا۔ جس نے سنہ ۱۰۷۲ء سے لے کر سنہ ۱۰۹۲ء تک پُورے بیس سال حکومت کی۔

ملک شاہ کے بادشاہ بننے پر سمرقند کے ترک خان اِل تگین نامی نے ملک شاہ کے بھائی ایاز کو شکست دے کر ترمذ پر قبضہ جما لیا۔ اور غزنیں کے بادشاہ ابراہیم نے ملک شاہ کے چچا عثمان کو جو ہرات کا والی تھا قید کر کے خزانہ لُوٹ لیا۔ سلجوقی دربار کے دو اُمرا گمش تگین اور انوش تگین نے ابراہیم کا تعاقب کر کے خزانہ واپس لیا۔ اور ابراہیم کو شکست دی۔ ملک شاہ کے چچا قاورت بیگ نے جو کرمان و فارس کا والی تھا۔ بادشاہ بننے کے خیال سے رَے پر چڑھائی کی ہمدان کے قریب کرج کے مقام پر سُلطان ملک شاہ اور قاورت بیگ کی فوجیں تین دِن تک لڑتی رہیں۔ قاوُرت بیگ نے شکست کھائی قتل ہوا۔ اور اس کے دو بیٹے اندھے کر دیئے گئے۔ ان میں سے ایک بیٹا جو پوری طرح اندھا نہ ہوا تھا۔ معافی مانگ کر باپ کا جانشین بن گیا۔ ملک شاہ نے اپنے باپ کے وزیر نظام الملک کو حسن خدمات

کے صلے میں اتابک کا خطاب عطا کیا۔ اور اپنا وزیر بنائے رکھا۔
۱۰۷۳ء میں یعنی ملک شاہ کے بادشاہ بننے سے ایک سال بعد
خلیفہ القائم بامر اللہ فوت ہو گیا اور اس کی جگہ المقتدی بامر اللہ خلیفہ
بنا۔ ۱۰۷۴ء میں مصر کے فاطمی خلیفہ المستنصر باللہ نے مکہ معظمہ اور
مدینہ منورہ پر دوبارہ قبضہ کر لیا اور دمشق کا شہر اس کے ہاتھ سے ملک
شاہ نے چھین لیا۔ مکہ اور مدینہ پر فاطمی خلیفہ کا اقتدار صرف بارہ
مہینے قائم رہا۔ اس کے بعد حرمین الشریفین کی خدمت کی سعادت
پھر سلطان ملک شاہ کو حاصل ہو گئی۔

اس زمانے میں مسلمانوں کی علمی ادبی اور ثقافتی سرگرمیاں بہت
ترقی پذیر تھیں جن کا حال جداگانہ فصل میں بیان کیا جائے گا۔ اس
موقع پر اتنا تذکرہ کر دینا ضروری ہے کہ سلطان ملک شاہ نے ۱۰۷۵ء
میں ایک بڑی رصدگاہ تعمیر کرائی۔ جس کا مہتمم اعلیٰ عمر ابن ابراہیم الخیامی
مقرر ہوا۔ ابوالمظفر الغرازی اور مامون ابن نجیب الواسطی ہیئت دان
اس کے رفقائے کار تھے۔ ان ستارہ شناسوں نے ۱۵ مارچ ۱۰۷۹ء
سے جلالی سن کا شمار جاری کیا۔

سلطان ملک شاہ ۴۷۹ھ ہجری مطابق ۱۰۸۷ء میں بغداد
گیا۔ امام موسیٰ رضا، معروف کرخی، احمد بن حنبل، امام اعظم ابو حنیفہ
کے مقبروں کی زیارت کی۔ ایک بیٹی کی شادی امیر محمد بن شرف الدولہ
والی کردستان سے کی۔ اور ایک دختر کی شادی غزنین کے شہزادہ

مسعود کے ساتھ کردی جو بعد میں سلطان بنا۔

بغداد سے واپسی پر ملک شاہ نے بخارا، سمرقند اور ترکستان کے دوسرے شہر فتح کئے۔ اور چھیالیس ہزار کا لشکر تیار کر کے چینی تاتار پر چڑھائی کی۔ سلطان کا لشکر یہیں تھا کہ قیصر روم کے سفیر وسط ایشیا کے اس دور دراز مقام پر سالانہ خراج لے کر پہنچے۔ اسی اثنا میں سلطان کے لشکروں نے یمن کو فتح کر کے مملکت سلجوقیہ میں شامل کر لیا۔ سلطان نے ۱۰۶۹ء میں بغداد کا دوسرا سفر اختیار کیا۔

وزیر نظام الملک کا عزل اور شہادت

وزیر نظام الملک اتابک نے الپ ارسلان اور ملک شاہ کا معتمد علیہ وزیر ہونے کی حیثیت سے امور مملکت کا انتظام بہت خوبی اور خوش اسلوبی سے کیا۔ اور اپنے حسن تدبر سے وہی حیثیت حاصل کر لی جو ہارون الرشید کے عہد میں برامکہ کو حاصل تھی نظام الملک نہایت قابل منتظم۔ زیرک مدبر۔ ادب پرور۔ ارباب علم و فضل کا قدردان۔ سخی۔ راسخ العقیدہ سنی مسلمان۔ امن و آئین قائم رکھنے کا ماہر وزیر اور تعلیم و تدریس کی ترقی کا زبردست علم بردار تھا۔ اس نے الپ ارسلان کے عہد میں بغداد میں مدرسہ نظامیہ کے نام سے ایک جامعہ (یونیورسٹی) قائم کی جو سنہ ۴۵۹ ہجری مطابق ۱۰۶۸ء میں پایۂ تکمیل کو پہنچی اور صدیوں علم و عرفان کا سرچشمہ بنی رہی۔

نظام الملک بادشاہ کا وفادار اور معتمد علیہ تھا بادشاہ نے اس کے بیٹوں اور پوتوں کو اچھے اچھے عہدوں پر فائز کر رکھا تھا۔ لیکن آخری عمر میں بعض واقعات ایسے رونما ہوئے کہ بادشاہ کا دل کی طرف سے کھٹا ہو گیا۔ مخالف پارٹی نے جس کی سرغنہ ترکان خا بادشاہ بیگم تھی اس بیزاری کو اور بھی ہوا دی۔ اس بیزاری کی سے بادشاہ نے اپنی اور نظام الملک کی زندگی کے آخری سال بوڑھے نظام الملک کو وزارت کے عہدے سے برطرف کر دیا۔

تواریخ میں مرقوم ہے کہ بادشاہ ملک شاہ کے مسخرے جعفر نے نظام الملک کے بیٹے جمال الملک کی شان میں گستاخی کی جمال الملک نے جعفرک کی زبان گدی سے کھنچوا کر نکلوا دی۔ باد کو بہت رنج ہوا۔ اس نے ۱۰۸۲ء میں بو علی عمید خراسانی کی وسا سے جمال الملک کو زہر دلوا کر اس کی زندگی کا خاتمہ کرا دیا۔

ایک دفعہ نظام الملک کے پوتے نے کوئی گستاخانہ حرک کی جس پر بادشاہ نے ناراض ہو کر نظام الملک کو ڈانٹا۔ بوڑھے نے خفگی کے عالم میں جواب دیا کہ جس صاحب قدرت نے آپ کو بخشا اسی نے مجھے دستار دی لہٰذا ہم دونوں ایک دوسرے سے الگ نہیں ہو سکتے۔

ان واقعات کی بنا پر ملک شاہ نظام الملک کی طرف سے کچھ بدظن سا ہو گیا۔ تو ترکان خاتون کو جو ولی عہد سنجر کی جگہ اپنے

بیٹے محمود کو بادشاہ بنانے کے لئے سازباز کر رہی تھی بادشاہ سے
ان بن ہونے کا موقع مل گیا۔ نتیجہ ہوا کہ بادشاہ نے نظام الملک
معزول کر دیا اور اس کی جگہ ترکان خاتون کی پارٹی کے امرا کو وزیر
بنایا۔ وزارتِ عظمیٰ کا عہدہ ابوالغنائم تاج الملک کو تفویض ہوا
اور اس کے ساتھ اس کی پارٹی کے چار اور وزیر مقرر کر دیئے گئے۔
نظام الملک عامۃ الناس میں ہر دل عزیز تھا اس لئے لوگوں نے
نئی وزارت کو پسندیدگی کی نگاہ سے نہ دیکھا۔ اور پبلک میں بیزاری
کے آثار ظاہر ہونے لگے۔

اسی اثنا میں ایک روز نظام الملک بحالتِ معزولی بادشاہ
کی معیت میں نہاوند کے مقام پر خیمہ زن تھا اور روزہ افطار کر کے
اپنے خیمے کی طرف جا رہا تھا کہ راستے میں باطنی فرقہ کے ایک فدائی
نے خنجر گھونپ کر اس کا کام تمام کر دیا۔ باطنی فرقہ کے لوگوں نے اس
دور میں اپنے مخالفین کو قتل کر کے دہشت پھیلانے کی خفیہ تحریک
جاری کر دی۔ مخالفوں کو قتل کرنے کے لئے انھوں نے فدائیوں کی
ایک جماعت تیار کر لی۔ یہ تحریک آگے چل کر بہت زور پکڑ گئی
اس کا حال ہم کسی قدر تفصیل کے ساتھ الگ فصل میں بیان کریں گے۔

لوگوں نے نظام الملک کو قتل کرانے کا شبہ نئے وزیرِ اعظم
تاج الملک پر کیا اور نظام الملک کے نوکروں نے چار ماہ بعد
تاج الملک کو قتل کر دیا۔

ملک شاہ کی وفات

ملک شاہ بڑا عادل حکمراں تھا۔ اپنے باپ کی طرح غریبوں اور مسکینوں کی پرورش کرتا تھا۔ اور مظلوموں کی فریاد خود سُنا کرتا تھا اُس نے حج کے راستوں پر جابجا کنوئیں کھدوائے۔ امیر الحرمین کے محاصل کم کئے۔ شکار کا بہت شوقین تھا۔ اور دن میں ستر ستر غزال شکار کر لیتا تھا۔ اس کے شکار نامے میں لکھا ہے کہ ایک روز اس نے ایک ہزار جانور شکار کئے۔ شکار کی ہر جان کے پیچھے وہ ایک طلائی دینار صدقہ کے طور پر خیرات کیا کرتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ ضرورت سے زیادہ شکار کرنا ایک قسم کی معصیت ہے۔ جس میں میں مبتلا ہوں اس لئے صدقہ دینا ضروری ہے۔ شکار کئے ہوئے ہرنوں کے سروں اور سینگوں کے مینار بنوا کر رکھا کرتا تھا۔ اس نے بہت سی نئی نہریں اور کاریزیں کھدوائیں۔ باغات لگوائے۔ قلعے اور عمارتیں تعمیر کرائیں۔ اصفہان کے نزدیک دژکوہ کا قلعہ تعمیر کرایا جس پر اُس کے جانشینوں کے عہد میں باطنیوں نے شورش برپا کرکے قبضہ کر لیا۔ ملک شاہ سنہ ۴۸۵ ہجری مطابق سنہ ۱۰۹۲ء میں فوت ہوا۔ یہ بادشاہ بھی اپنے پیشرووں کی طرح بہت علم نواز اور ادب پرور تھا۔ اور علما فضلا حکما اور شعرا کی بہت قدر کرتا تھا۔

ملک شاہ کے بیٹوں کی خانہ جنگیاں

ملک شاہ کی وفات کے بعد اس کے بیٹوں اور بھائی بندوں کے درمیان خانہ جنگی کا بازار گرم ہوگیا۔ ملک شاہ کے چاروں بیٹے برکیارق (عمر ۱۱ سال) محمد (عمر ۱۱سال) سنجر (عمر ۹ سال) محمود (عمر چار سال) نابالغ تھے۔ اس لئے امراء ان کو سامنے رکھ کر آپس میں لڑنے لگے۔ ترکان خاتون بادشاہ بیگم ملک شاہ کی وفات کے وقت بغداد میں تھی۔ اُس نے اپنے خوردسال بیٹے کو بادشاہ بنانے کا اعلان کر دیا۔ اور خلیفہ المقتدی سے منظوری لے لی۔ ترکان خاتون نے امیر بوغا نامی ایک سردار کو لشکر دے کر اصفہان کی مہم پر روانہ کر دیا تاکہ برکیارق کو قید کرے لیکن نظام الملک کے بیٹے بوغا کی آمد سے پہلے راتوں رات شہزادہ برکیارق کو لے کر نکل گئے اور انہوں نے رَے پہنچ کر اس کی تاجپوشی کی رسم ادا کر دی ترکان خاتون نے اُس کے ماموں اسماعیل کو شادی کا لالچ دے کر اس کے خلاف اُبھارا۔ اسمٰعیل نے رَے پر حملہ کیا اور شکست کھائی ۱۰۹۴ء میں برکیارق نے شاہ بغداد بننے کا اعلان کر دیا۔ اس پر اس کے چچا امیر تتش نے بغاوت کا علم بلند کر دیا۔ اور اسے گرفتار کر کے اصفہان سے آیا۔ کو خشک میں قید کر کے آمرو بلکا کی تحویل میں دے دیا۔ یہ امیر برکیارق کو بادشاہی سے مدت العمر محروم رکھنے

کے لئے اندھا کر دینا چاہتا تھا کہ ترکان خاتون کا لخت جگر محمود چیچک کے مرض کا شکار ہو کر فوت ہوگیا اور اُمرا نے برکیارُق کو پھر بادشاہ بنا لیا۔ برکیارُق نے ترکان خاتون کو مروا دیا اور اپنے چچا امیر تتش کو شکست دے کر قتل کرا دیا۔ ایک اور باغی چچا ارسلان ارغوان کو اس کے اردلی نے قتل کر دیا۔ خود برکیارُق باطنی فدائی کے خنجر اور چیچک کے حملے سے بال بال بچا برکیارُق نے اپنے بھائی سنجر کو ۱۰۹۶ء میں خراسان کا بادشاہ بنا دیا۔ لیکن اس کے دُوسرے بھائی محمد نے ۱۰۹۹ء میں اس کے خلاف بغاوت کا علم بلند کر دیا۔ اس بغاوت کا محرک نظام الملک کا بیٹا مؤید الملک تھا۔ جسے برکیارُق نے اپنی خدمت سے برطرف کر دیا تھا۔ برکیارُق اور محمد کے درمیان پانچ سال تک لڑائی جاری رہی، محمد نے اسی دَوران میں برکیارُق کی ماں زبیدہ کو گلا گھونٹ کر مروا دیا اور وزیر مجد الملک پر باطنیوں سے ساز باز رکھنے کا الزام دھر کر قتل کرا دیا۔ جن پر اُمرا نے ایک لڑائی میں قابو حاصل کر لیا تھا۔ پانچ سال کی لڑائی کے بعد دونوں بھائیوں کے درمیان عارضی صلح ہوگئی تو برکیارُق فوت ہوگیا۔ اُمرا نے اس کی وصیت کے مطابق اس کے چار سالہ بیٹے ملک شاہ ثانی کو بادشاہ بنا لیا۔ لیکن چند ہفتے گزرنے پر اُسے معزول کر کے اندھا کر دیا اور ۱۱۰۵ء میں محمد ایران کا بادشاہ بن بیٹھا۔ محمد نے ۱۱۱۸ء تک حکومت کی اور باطنی ملاحدہ کی سرکوبی

کی جن کی امن شکن سرگرمیاں بہت بڑھ گئی تھیں۔ ان کے فدائی اپنے سرکردہ مخالفوں کو قتل کر دیتے تھے اور جہاں ان ملاحدہ کی جمعیت کافی ہو جاتی تھی وہاں شورش برپا کر دیتے تھے۔ محمد کو ۱۱۰۸ء میں امیر صدقہ بن زیاد والئی شاہ حریب سے بھی جنگ کرنی پڑی۔

محمد کی وفات پر اس کا چہاردہ بیٹا محمود بادشاہ بنا۔ اس نے تخت پر بیٹھتے ہی اپنے چچا خراسان کے بادشاہ سنجر پر چڑھائی کی جس سے اس کے باپ نے کبھی قسم کا تعرض نہیں کیا تھا۔ ساوہ کے مقام پر محمود اور سنجر کی فوجوں کے درمیان لڑائی ہوئی۔ محمود نے شکست کھائی اور سنجر ۱۱۱۹ء میں بغداد، ایران اور خراسان کی وسیع سلجوقی مملکت کا بادشاہ بن گیا۔

سلطان سنجر کا عہد

سلطان سنجر کے عہد میں سلجوقی دربار کی شان و شوکت کمال ہو گئی اور عوام الناس خوشحالی کی زندگی بسر کرنے لگے۔ سنجر نے خراسان پر اکسٹھ (۶۱) سال اور بغداد و ایران پر چھتیس سال بڑی شان و شوکت کے ساتھ حکومت کی لیکن طغرل، الپ ارسلان اور ملک شاہ کے اوقات کی سی شان پیدا نہ ہوئی۔ سلطان سنجر نے ۱۱۰۲ء میں سمرقند کے بادشاہ احمد خان کو شکست دے کر اسے اسیر بنا لیا اور خوارزم اور سیستان کی ولایات زیر فرمان کیں۔ سنجر

حکومت کا ابتدائی دور فتوحات کا زمانہ تھا لیکن نصف آخر
میں اسے انتہائی بدترین ہزیمتوں اور مایوسیوں کا سامنا کرنا پڑا۔
سنجر نے اپنے بھانجے بہرام شاہ کو غزنین کا بادشاہ بنانے کے لئے
دو دفعہ غزنین پر چڑھائی کی اور اپنے سرکش بھانجے ارسلان کی
جگہ بہرام کو بادشاہ بنا دیا۔ سنہ ۱۱۴۰ء میں خوارزم کے اتسز نے
اپنی مملکت کے آزاد ہونے کا اعلان کر دیا۔ سنہ ۱۱۴۱ء میں
ملک خطا کے کافر ترکوں نے اتسز شاہ خوارزم کی تحریک
پر سلجوقیوں کی مملکت پر چڑھائی کر دی۔ سلطان سنجر کو ان کے
مقابلے میں زبردست ہزیمت کا سامنا ہوا۔ اس کی ایک لاکھ فوج
تباہ ہو گئی۔ سنجر کی ملکہ ترکوں کے ہاتھوں اسیر ہو گئی اور سنجر کو ترمذ
اور بلخ کی طرف پسپا ہونا پڑا۔ غز ترکوں نے مرو، سرخس، نیشاپور
اور بیہق کو بھی غرض تاراج کیا غرض کہ ترک خراسان کو لوٹ
اور پامال کرنے کے بعد بھاری رشوت لے کر لوٹے۔ سلجوقیوں کے
عروج کا ستارہ روبہ زوال ہوتا نظر آنے لگا۔
سلطان سنجر کی زندگی کے آخری سالوں میں غز ترکوں سے پھر
خراسان پر اقتدار کی سلطان نے ایک سخت شکست کھائی۔ اور ترکوں
نے بادشاہ کو گرفتار کر کے اپنی حراست میں لے لیا۔ سنہ ۱۱۵۳ء سے
لے کر سنہ ۱۱۵۶ء تک خراسان کو پامال کیا۔ امراء، علما اور مشائخ کو قتل
کیا۔ طوس اور نیشاپور کو تاراج کیا۔ آخر امرائے دولت نے غز ترکوں

بھاری رشوت دے کر واپس جانے پر آمادہ کیا اور بادشاہ کو چھڑایا۔ سنجر ان صدمات سے جانبر نہ ہو سکا۔ اور ۵۵۲ھ ہجری مطابق ۱۱۵۷ء میں فوت ہو گیا۔

سنجر کی وفات کے بعد دولت سلجوقیہ کا شیرازہ منتشر ہو گیا اور مملکت طوائف الملوکی کی آماجگاہ بن گئی۔ جس کا حال ہم اگلے دور کے حالات میں لکھیں گے۔

اس دور میں کرمان اور ایشیائے کوچک میں سلجوقی امرا کی الگ الگ خاندانی امارتیں قائم ہوئیں۔ کرمان میں توران شاہ، ارسلان شاہ اور مغیث الدین محمد یکے بعد دیگرے حکمران ہوئے ان میں ایران شاہ سلسلۂ باطنیہ میں شامل ہو گیا اور اپنے ہی آدمیوں کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ ایشیائے کوچک میں ملازگرد کی جنگ کے بعد سلیمان سلجوقی والی مقرر ہوا جس نے قونیہ کو اپنا دارالحکومت بنایا۔ سلیمان کی اولاد ۱۳۰۰ء تک ایشیائے کوچک میں حکمران رہی۔

سلسلۂ باطنیہ اسماعیلیہ کی شورشیں اور تعاقبِ تیر

پہلا شیخ الجبل حسن بن صباح ساحرِ الموت

سنہ ۴۸۳ھ سے سنہ ۵۳۲ھ
سنہ ۱۰۹۰ء سے سنہ ۱۱۳۲ء تک

اسماعیلی فرقہ کی مشرقی شاخ کا قیام

ہم پہلے باب میں تیونیشیہ کے اندر فاطمیوں کی خلافت کے قیام کا ذکر کرتے ہوئے اسماعیلی شیعوں کے عقائد اور ان کی جماعتی تنظیم کا حال بیان کر چکے ہیں اور بتا چکے ہیں کہ ان کے دعاۃ یعنی مبلغ باقاعدہ نظام میں منسلک ہو کر اپنے عقائد پھیلانے اور اپنے سلسلے کی جمعیت بڑھانے کے لئے کوشاں رہتے تھے۔ ہم یہ بھی لکھ چکے ہیں کہ اس فرقہ کے لوگ اپنی حکومت قائم کرنے کے لئے شورشیں برپا کرتے رہتے تھے۔

عراق عمان اور عرب میں ان لوگوں نے قرامطہ کے نام سے مدتوں بدامنی پھیلائی۔ ملتان میں امارت قائم کی اور دسویں صدی مسیحی کے آغاز میں تیونشیہ میں فاطمی خلافت قائم کر لی جس نے شدہ شدہ سارے شمالی افریقہ۔ مصر اور شام کے اقطاع پر قبضہ جما لیا۔ فاطمی خلافت کے قیام کے بعد سلسلۂ باطنیہ اسماعیلیہ کے داعی اس حکومت کے ایجنٹوں کی حیثیت سے کام کرنے لگے۔ مقصد یہ تھا کہ بغاوتیں برپا کر اور شورشیں برپا کر کے ساری اسلامی مملکت میں اسماعیلیوں کا اقتدار قائم کر دیا جائے۔ اس طرح اسماعیلی باطنی جن میں بعض اوقات خلافت عباسیہ سے عقیدت رکھنے والے ایشیائی مائنر کے بعض بڑے بڑے امرا بھی شامل ہو جاتے تھے۔ ان اقطاع کے حکمرانوں کے لئے ایک اہم داخلی مسئلہ بلکہ خطرہ بن گئے۔ اور عباسی خلفا اور خلافت عباسیہ کی اطاعت کا دم بھرنے والے امرا و سلاطین کے لئے اس فرقہ کے لوگوں کی شورشیں ایک مستقل دردِ سر بنی رہیں۔ اور جب خراسان ترکستان اور ایران اور ایشیائے کوچک میں سلجوقیوں کا اقتدار قائم ہوا تو انہیں بھی قرامطہ اور باطنی فرقہ کے ملاحدہ کی باغیانہ سرگرمیوں کی روک تھام کرنے کا فریضہ ورثہ میں ملا جس سے عہدہ برآ ہونے کے لئے انہوں نے ان تھک کوششیں جاری رکھیں لیکن باطنیوں کی سرگرمیاں اس قدر زور پکڑ گئیں کہ انہوں نے اسی عہد میں کوہستانِ مازندران میں اپنی ایک آزاد مذہبی ریاست

دہشت قائم کی۔ اور مملکت اسلامیہ کے اندر بلند مرتبہ تھا علماء کے قتل کا سلسلہ جاری کر کے وہ دہشت پھیلائی کہ ان قاتلوں کے ڈر سے امراء اعزا اور شیوخ پر خواب و خور دوبھر ہو گیا۔

جن ایام میں طغرل بیگ سلجوقی نے خراسان اور ایران میں دولت سلجوقیہ قائم کی۔ اسماعیلی باطنیوں کا ایک داعی کبیر جسے وہ اپنی اصطلاح میں "بحر" کہتے تھے۔ شام عراق اور ایران کا دورہ کرتا ہوا خراسان میں آیا۔ یہ فارسی زبان کا مشہور شاعر ناصر خسرو تھا۔ اور اس نے مصر کے فاطمی خلیفہ مستنصر اللہ کے دربار میں رہ کر اس جماعت کے اسرار سے پوری پوری واقفیت حاصل کی تھی۔ ناصر خسرو نے خراسان اور بلخ میں اپنی جماعتی تبلیغ کو فروغ دیا۔ اور اپنے جماعتی نظام سے حجۃ الخراسان کا لقب پایا۔ جب حکومت اس کی سرگرمیوں کو شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھنے لگی تو وہ سمنگان کی پہاڑیوں کی طرف نکل گیا اور اس نے اپنی زندگی کے باقیماندہ بیس سال وہیں جنگل کی جڑی بوٹیاں کھا کر وحشی ہی کے عالم میں گزار دیئے۔ جب اسماعیلیوں کا یہ "بحر" ایران میں تھا تو وہاں کے داعی امیر ضراب نے رے کا ایک ہونہار نوجوان حسن بن صباح اس کی خدمت میں پیش کیا۔ جو ناصر خسرو کی ملاقات سے بہت متاثر ہوا اور پختہ طور پر باطنیوں کے سلسلے میں شامل ہو گیا۔ ناصر خسرو کی تیز نگاہوں نے اس ذہین و فطین نوجوان میں قابلیت و صلاحیت کے جوہر دیکھ لیے

اور اپنے سلسلے کے لوگوں کو ہدایت کردی کہ اس کی تربیت پوری توجہ سے کریں۔

۱۰۷۸ء مطابق ۴۷۱ہجری میں جبکہ ملک شاہ سلجوقی بادشاہ تھا، سلسلۂ باطنیہ کے داعی شیخ احمد بن الملک العطاش نے حسن بن صباح کو اپنا خلیفہ بنا کر اسے قاہرہ جانے کا حکم دیا۔ حسن بن صباح اصفہان۔ آذربیجان۔ حلب۔ میافارقین۔ موصل۔ سنجار۔ رحبہ۔ دمشق۔ صور۔ صیدا اور عکہ میں اپنے سلسلے کے لوگوں سے ملتا ملاتا ۱۰۸۰ء میں قاہرہ پہنچا۔ جہاں سلسلۂ باطنیہ کے داعی الدعاۃ ابو داؤد نے اس کا خیر مقدم کیا۔ فاطمی خلیفہ المستنصر باللہ کا عہد تھا۔ اس وقت اس خلیفہ کے دربار میں المستنصر کی وفات پر اس کے دو بیٹوں نزار اور المستعلی میں سے کسی ایک کو خلیفہ کا جانشین بنانے کے لئے ساز باز کر رہے تھے۔ اور ان کی دو پارٹیاں بن گئی تھیں۔ بوڑھا خلیفہ بڑے بیٹے نزار کو اپنا جانشین بنانا چاہتا تھا۔ لیکن سپہ سالار بدر اور بعض امراء المستعلی کے حامی تھے۔ حسن اٹھارہ ماہ قاہرہ میں رہا اور اس نے ابو داؤد کی وساطت سے ایک آدھ خفیہ ملاقات خلیفہ سے کی۔ اور المستنصر سے بعد نزار کو جماعت کا امام سمجھنے کی ہدایت لے کر واپس لوٹا۔ قاہرہ سے جلد نکل آنے کی وجہ یہی ہوئی کہ سپہ سالار بدر اور شہزادہ المستعلی اسے شبہ کی نگاہوں سے دیکھنے لگے تھے۔ حسن بن صباح اسکندریہ سے

جہاز پر سوار ہوا۔ شام کے ساحل پر اس کی کشتی ٹوٹ گئی وہ حلب، بغداد اور خوزستان کی راہ سے اصفہان پہنچا۔ یہاں سے اس نے یزد، کرمان۔ طبرستان۔ دامغان اور مملکت سلجوقی کے دیگر قطاع میں اپنی جماعت کا خوب پروپیگنڈا کیا۔ حسن رے نہ گیا کیونکہ اسے ڈر تھا کہ اگر وہ رے گیا تو وزیر نظام الملک اسے گرفتار کرے گا۔ حسن بن صباح نے قزوین پہنچکر اپنے پیروؤں کی مدد سے سنہ ۴۸۳ ہجری مطابق سنہ ۱۰۹۰ء میں الہاموت کے قلعے پر جو بعد میں الموت کے نام سے مشہور ہوا قبضہ جمالیا اور باطنیوں کی مذہبی امارت کا ایک مرکز قائم کر لیا۔ الموت قلعہ سنہ ۲۴۶ ہجری مطابق سنہ ۸۶۰ء میں دیلمی امرا نے تعمیر کرایا تھا۔

قلعہ الموت میں متمکن ہونے کے بعد حسن بن صباح نے اپنے سلسلے کے جماعتی نظام کو تقویت دینے پر توجہات مبذول کیں۔ اور سنہ ۴۸۸ ہجری مطابق سنہ ۱۰۹۵ء میں جب قاہرہ کا فاطمی خلیفہ المستنصر باللہ ساٹھ سال حکومت کرنے کے بعد فوت ہو گیا۔ امرائے دربار نے اس کے چھوٹے بیٹے المستعلی کو امام اور خلیفہ بنا لیا اور المستعلی نے اپنے بھائی نزار کو مروا دیا تو حسن بن صباح نے نزار کے بیٹے کو امام قرار دے کر سلسلہ باطنیہ کی ایک جداگانہ شاخ قائم کر لی۔ ایشیائی ولایات کے اسماعیلی مصر و افریقہ کے اسماعیلیوں سے الگ ہو گئے حسن بن صباح نے امام مستتر ابن نزار کے داعی الدعاۃ کی حیثیت سے

اپنی جماعتی تنظیم میں بعض اہم تبدیلیاں کر لیں اور سلسلے کا نظام ذیل کی صورت میں قائم کیا۔

(۱) امام مستتر:- نزار ابن المستنصر کا بیٹا جس کے نام پر لوگوں سے بیعت لی جاتی تھی۔

(۲) داعی الدعاۃ:- قلعہ الموت کا پہلا شیخ الجبل حسن بن صباح جو سلسلے کا حقیقی اور عملی فرماں روا بنا۔

(۳) داعیانِ کبیر جو بحر کہلاتے تھے اور ولایات اور اقطاع مختصہ کی جماعتوں کے انچارج ہوتے تھے۔ یہ لوگ جماعت کے اندرونی مقاصد، فرقہ کے اصول و عقائد، مذہب سبعیہ کے باطنی اسرار و معارف سے پوری طرح آگاہ ہوتے تھے اور نفسیات عوام کے نبض شناس ہوا کرتے تھے۔

(۴) داعیانِ عمومی:- یعنی داعیانِ کبیر کے خلفاء یہ لوگ بھی جماعت کے اسرار و مقاصد سے باخبر ہوتے تھے۔ اور عوام میں اپنے عقائد پھیلا کر انہیں اپنا مرید بنایا کرتے تھے۔

(۵) رفیق:- ایسے مرید جو داعیانِ عمومی کے نزدیک راسخ العقیدہ اور قابلِ اعتماد یقین جاتے تھے۔ انہیں بھی جماعت کے اسرار عمومی سے ایک حد تک آگاہ کر دیا جاتا تھا۔

(۶) لصیق:- عام مرید داعیانِ عمومی کے ہاتھ پر امام کے نام پر بیعت کرنے والے ان کے لئے اپنے داعیوں کو نذریں دینا لازم جاننا تھی

مقاصد کے لئے چندے دینا ضروری تھا۔

(۷) فدائی :- یہ لوگ حسن بن صباح کے دماغ کی پیداوار تھے جن سے سلسلۂ باطنیہ کے مخالفین اور مسلمانوں کے اعاظم رجال کو قتل کرانے کا کام لیا گیا۔ یہ فدائی داعی الدعاۃ کا حکم پا کر کسی بڑی سے بڑی ہستی کو قتل کرنے اور اپنی جان پر کھیل جانے میں ایک لحظہ کے توقف و تامل سے بھی کام نہ لیتے تھے۔ یہ لوگ سلسلۂ باطنیہ کا انتقام لینے والے تباہی کے فرشتے تھے۔ جن کے کارناموں نے ممالکِ اسلام کے اندر عجیب دہشت کا عالم طاری کر دیا۔ فدائیوں کو داعی بڑی ہوشیاری کے ساتھ چنتے تھے اور انہیں حشیش (بھنگ کی قسم کی ایک نشہ آور بوٹی جس کی تاثیر سے اسی زمانہ میں سلسلۂ باطنیہ کے لوگ آگاہ ہوئے اور حسن بن صباح نے اسے فدائی پیدا کرنے کے لئے استعمال کرنا شروع کر دیا) کھلا کر بیہوش کر لیا جاتا اور قلعۂ الموت کے باغ میں پہنچا دیا جاتا تھا۔ حسن بن صباح نے اس باغ کو بہشت کا نمونہ بنا رکھا تھا۔ اس میں ہر طرح کے ثمر دار درخت تھے جن کے نیچے نہریں بہ رہی تھیں۔ رنگا رنگ کے طیور ان درختوں پر چہچہاتے تھے اور اس کے اندر خاص طور پر تربیت یافتہ نوخیز اور نوعمر خوبصورت لڑکیاں حورانِ بہشتی بن کر مصروفِ گلگشت رہتی تھیں۔ جس نوجوان رفیق یا رفیق کا فدائی بنانا مقصود ہوتا تھا وہ حشیش کے زیر اثر بیہوش کر کے اس باغ میں پہنچا دیا جاتا تھا۔ اس جنتِ ارضی کی حوریں چند

رہنے سے اس کی آرزو درست کریں تو اسے یقین آ جاتا کہ وہ سچ مچ جیتے جی اسی بہشت میں پہنچ گیا ہے جس کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو آخرت کی زندگی میں دینے کا کر رکھا ہے۔ جب وہ آدمی بہشت کی زندگی کا مزا چکھ لیتا تو اسے پھر حشیش کھلا کر بیہوشی کے عالم میں باغ سے نکال دیا جاتا تھا۔ پیر کی یہ کرامت دیکھنے کے بعد کہ اس نے اسے جیتے جی بہشت کی سیر کرا دی۔ وہ اس کی روحانیت کا ایسا معتقد بن جاتا تھا کہ بہشت کی آرزو میں اپنی زندگی کو ہیچ سمجھنے لگتا تھا اور سلسلے کا فدائی بن جاتا اور اپنے پیر یا داعی کبیر یا داعی الدعاۃ کی طرف سے جو حکم بھی ملتا اسے پورا کر دکھاتا تھا اور اپنی جان اس پر بے دریغ قربان کر دیتا تھا۔

جماعتی۔ قومی اور مذہبی مقاصد کے لئے جانیں قربان کرنے والے لوگ ہر دور میں ہر جگہ پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ اور ہو سکتا ہے کہ سلسلۂ باطنیہ کے فدائی بھی ایسے ہی مخلص جاں باز ہوں۔ اور حشیش اور مصنوعی جنت کے قصے لوگوں نے محض زیب داستان کے لئے گھڑ لئے ہوں۔ لیکن عصری روایات اس بارہ میں اتنی فراواں ہیں کہ بات درست معلوم ہوتی ہے۔ شیخ الجبل کی مصنوعی جنت اور حشیش کے قصے اسی زمانہ میں چین کے دور دراز ملک تک مشہور ہو چکے تھے۔ فرنگی سیاح مارکوپولو نے جو تقریباً ایک سو سال بعد چین کے مغل شہنشاہ کے دربار میں رسول رہا اپنے سفرنامہ میں

المُوت کے شیخ الجبل اور اس کی مصنوعی جنت کا تذکرہ کیا ہے۔ اور اس عہد کے دوسرے مورخ اور سوانح نگار بھی فدائیوں کو حشاشین کہتے ہیں۔ فرنگستان کے صلیبی جنگ جو بھی جن کو ملک شام میں اُن کے ساتھ واسطہ پڑا اُنہیں حشاشین کہتے تھے جو انگریزی زبان میں بگڑ کر (ASSASIN) بن گیا اور اس کے معنی قاتل قرار پائے اس دور کی کیفیات کو سمجھنے سمجھانے کے لئے متذکرہ صدر تشریحات ضروری تھیں جو کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان کردی گئیں۔

باطنیوں کی شورشیں اور حشاشین کی دہشت انگیزیاں

المُوت کے قلعہ کو سر کرنے اور اسے مرکز بنا لینے کے بعد باطنیوں کی ظاہری اور خفیہ سرگرمیاں زور پکڑنے لگیں۔ سنہ ۴۹۹ھ مطابق سنہ ۱۱۰۵ء میں باطنی فرقے کے داعی احمد ابن العطاش نے اصفہان کے قریب دژکوہ کے قلعے پر قبضہ جما لیا۔ جس کی محافظ فوج سلسلہ باطنیہ میں داخل ہو گئی تھی۔ اور اس نے اصفہان کے ایک دروازے دشت کوہ میں اپنا تبلیغی اڈہ قائم کیا اور کوئی تیس ہزار آدمی اپنے مُرید بنا لئے۔

ان ایام میں اصفہان کے سرکردہ لوگ پُراسرار طریقے سے غائب ہونے لگے اور لوگوں میں دہشت پھیل گئی۔ ایک بھکارن نے جو ایک مکان پر بھیک مانگنے کے لئے گئی۔ اور جس نے دروازے میں سے اندر جھانک کر کٹے ہوئے سر اور ہڈیاں دیکھ پائیں شور مچا دیا۔ اور

لوگوں نے مکان کے اندر جاکر مقتولوں کی ہڈیاں اور اعضا دیکھے یہ مکان عادی مدانی نامی ایک اندھے باطنی کا تھا۔ لوگوں نے اُسے اس کی بیوی کو اور اس کے ساتھیوں کو پکڑ کر زندہ نذر آتش کر دیا۔ اور اصفہان میں باطنیوں کے خلاف بہت جوش پھیل گیا۔ اس سال محمد بن ملک شاہ سلجوقی اپنے بھائی کے خلاف پانچ سال لڑنے کے بعد بادشاہ بنا تھا۔ وزیر سعد الملک پر باطنیوں سے ساز باز رکھنے کا شبہ کیا گیا۔ اور تحقیقات پر اس کا راز فاش ہو گیا۔ محمد نے اُسے اس کے چار ساتھیوں کے ساتھ اسیر کر کے ان کا منہ کالا کیا۔ اونٹ پر سوار کر کے شہر بھر میں تشہیر کرائی اور آخر کار دار پر لٹکا دیا۔[1] جہاں اس کی لاش سات دن تک لٹکی رہی۔ لوگ آتے اور لاش پر تیروں کا نشانہ لگانے کی مشق کیا کرتے تھے۔ اس کے بعد محمد نے وزکوہ کے قلعہ کا محاصرہ کر کے باطنیوں کی سرکوبی کی۔ اور بہت سے باطنی قتل کرائے۔ احمد بن عطاش اور اس کے رفقا کو دار پر لٹکایا گیا۔ اس زمانے میں باطنیوں کا اثر و رسوخ اتنا بڑھ گیا تھا اور اُن کی دہشت آفرینیاں اس قدر ترقی کر گئی تھیں کہ امرا اپنے کپڑوں کے نیچے

---

[1] سعد الملک نے چند روز پہلے اپنے زائچے سے حساب لگا کر یہ نتیجہ اخذ کیا تھا کہ قریب کے ایام میں اس کا شاہانہ جلوس نکلے گا۔ یہ جلوس برعکس صورت میں نکلا۔ مؤلف۔

زرہیں پہننے لگے۔ اور ایک دوسرے پر باطنی ہونے یا باطنیوں سے ساز باز رکھنے کا شبہ کرنے لگے۔ اس وقت تک سلسلہ باطنیہ کے فدائی مملکت کے متعدد اشخاص کو اپنے خون آشام خنجروں کا شکار بنا چکے تھے۔ سلجوقی امیر ارز دبلکا نے زرہ پہننے کی احتیاط کو اپنی شانِ شجاعت کے منافی سمجھا اور سنہ ۱۱۰۰ء میں باطنی فدائی کے ہاتھوں مارا گیا۔ سلطان برکیارق کے مخالفین نے خود سلطان کے خلاف باطنیوں کے ساتھ ساز باز رکھنے کا پروپگنڈا کیا۔ جس سے متاثر ہو کر اس نے سنہ ۱۱۰۱ء میں بہت سے باطنیوں کا استیصال کیا۔ جس کا حال ہم اوپری سطور میں قلم بند کر چکے ہیں۔

قلعہ الموت پر قبضہ کرنے اور حسن بن صباح کے شیخ الجبل یا داعی الدعاۃ بننے کے بعد سلجوقی حکومت کے اس عہد میں مملکت اسلامی کے جو بڑے بڑے آدمی حشاشی فدائیوں کے ہاتھوں سے مارے گئے ان میں سے چند ایک کی فہرست ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

	نام	قتل ہونے کی تاریخ
(۱)	وزیر نظام الملک	سنہ ۱۰۹۲ء
(۲)	عبدالرحمان السمیرامی	سنہ ۱۰۹۵ء
	سلطان برکیارق کی ماں کا وزیر	
	امیر ارز دبلکا	سنہ ۱۱۰۰ء
	جناح الدولہ (والی حمص شام)	سنہ ۱۱۰۳ء

	نام	قتل ہونے کی تاریخ
(۴)	قاضی ابوالاعلیٰ سعید نیشاپوری	۱۱۰۵ء
(۵)	فخر الملک پسر نظام الملک	۱۱۰۶ء
(۶)	نیشاپور کا دوسرا قاضی	۱۱۰۸ء
(۷)	عبدالواحد رویانی (طبرستان)	۱۱۰۸ء
(۸)	خواجہ مودود (دمشق)	۱۱۱۳ء
(۹)	رحمل ابن دہسوہان (بغداد)	۱۱۱۶ء
(۱۰)	قاضی سعد الہروی (ہمدان)	۱۱۲۵ء
(۱۱)	عبداللطیف ابن الخجندی	۱۱۲۹ء
(۱۲)	فاطمی خلیفہ الآمر بامر اللہ (مصر)	۱۱۳۰ء
(۱۳)	ابوعلی ابن افضل وزیر خلیفہ مصر	۱۱۳۲ء
(۱۴)	عباسی خلیفہ المسترشد باللہ	۱۱۳۵ء
(۱۵)	عباسی خلیفہ الراشد باللہ	۱۱۳۷ء
(۱۶)	جوہر سلطان سنجر کا درباری	۱۱۳۹ء
(۱۷)	معین الملک (وزیر سنجر)	۱۱۴۶ء
(۱۸)	عباس والیٔ رے	۱۱۴۶ء

یہ چند موٹے موٹے نام ہیں۔ اس زمانہ میں بہت سے شرفا اور مشیوخ بھی حشاشی فدائیوں کے ہاتھوں سے قتل ہوئے ان کی سرگرمیوں کے باعث سارے سلجوقی مملکت میں ہیبت و دہشت

اور شکوک و شبہات کی کیفیت طاری ہو۔ چنانچہ سلجوقی حکمران اور ان کے والیوں نے باطنیوں کی سرکوبی کے لئے پورا زور لگایا۔ سنہ ۱۰۹۰ء میں سنجر شاہ خراسان نے نیشاپور میں باطنی ملاحدہ کا قتلِ عام کرایا۔ سنہ ۱۱۰۱ء میں رَے میں سلطان برکیارق کے حکم سے بہت سے باطنی کیفر کردار کو پہنچائے گئے۔ اور سنہ ۱۱۰۶ء میں سلطان محمد نے اصفہان میں ان کی سرکوبی کی۔ وزیر سعد الملک احمد ابن العطاش اور ان کے بہت سے رفقا کو مصلوب کرایا۔ سنہ ۱۱۲۴ء میں آمد میں سات سو باطنی شورش برپا کرنے کی بنا پر کیفر کردار کو پہنچائے گئے۔ سنہ ۱۱۲۷ء میں سلطان سنجر نے باطنیوں کے قتل عام کا حکم دیا۔ رَے کے حاکم عباس نے باطنیوں کو خوف زدہ کرنے کے لئے ان کے سروں کے مینار بنوائے۔ بعض امرا باطنی ہونے یا باطنیوں سے ساز باز رکھنے کے شبہ کی بنا پر اپنے ہی آدمیوں کے ہاتھوں مارے گئے۔ ان میں احمد خان والی سمرقند۔ ایران شاہ سلجوقی والی کرمان۔ اور مجد الملک وزیر برکیارق خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ غرض یہ ایک ایسا دور تھا جس میں قاتلوں کے خنجر اور جلادوں کی تلواریں پھرتی اور تیزی کے ساتھ چل رہی تھیں۔

متعدد قلعوں پر باطنیوں کا قبضہ

الموت کے بعد باطنیوں نے اصفہان کے نزدیک دزکوہ کے

قلعے پر ۱۱۰۵ء میں قبضہ کیا تھا جو ان سے اُسی سال محمد سلطان نے چھین لیا۔ حکومت کی طرف سے باطنیوں کی کڑی سرزنش ہونے کے باوجود ان کی شورشیں ترقی کرتی چلی گئیں اور سلطان سنجر کے عہد حکومت (۱۱۱۹ء سے ۱۱۵۷ء) تک کے عرصہ میں نہ صرف سلسلہ باطنیہ کے حشاشین کی قاتلانہ سرگرمیاں زوروں پر رہیں بلکہ باطنیوں نے شورشیں برپا کرکے یا مکروفریب سے ساز باز کرکے ایران کے متعدد قلعوں پر قبضہ جما لیا۔ جن کے نام یہ ہیں :-

خالنجان - طبس شیرکوہ - تون - قائین - زوزان - خور خسف (کوہستان آذربائیجان میں) وشم کوہ - استوناوند (مازندران میں) اردہان - گردکوہ - قلعۃ (خوزستان میں) ناصرالطنبور، قلعۃ الخلاد خان (فارس میں) قلعہ بانیاس (شام میں)

ایران کے مختلف قطعات میں متعدد قلعوں پر باطنیوں کا قابض ہو جانا ظاہر کرتا ہے کہ سلجوقیوں کا اقتدار روبہ زوال ہو رہا تھا۔ اور ایران کے لوگ باطنیوں سے ہمدردی رکھتے تھے اور ان کے ساتھ شامل ہوتے چلے جا رہے تھے۔

حسن بن صباح کی وفات

حسن بن صباح جس نے حشاشی فدائیوں کا خطرناک سلسلہ

شمار کیا گیا۔ قُم پارے کا باشندہ تھا اور یمن کے حمیری شاہی خاندان کی اولاد سے تھا۔ اس کا باپ کوفہ سے ایران میں آکر آباد ہو گیا۔ اس کا پورا نام الحسن ابن علی ابن محمد ابن جعفر ابن الحسین ابن الصباح الحمیری رقم ہوا ہے۔ باپ اثنا عشری شیعہ تھا حسن لڑکپن ہی میں اسماعیلی داعیوں کے زیر اثر آکر باطنی فرقہ میں شامل ہو گیا۔ باطنی سلسلہ کے لئے طوفانی زندگی بسر کرنے اور الموت میں سلسلۂ مشرقیہ کے باطنیوں اور حشاشی فدائیوں کا مرکز قائم کرنے کے بعد حسن بن صباح سنہ ۱۱۲۴ء مطابق سنہ ۵۳۷ ہجری میں قلعۂ الموت میں فوت ہوا حسن راہبانہ سادہ زندگی بسر کرنے کا عادی تھا۔ اس نے اپنی آخری عمر میں اپنے دو جوان بیٹوں کو شراب خوری کی بنا پر قتل کرا دیا۔ اور اپنے خلیفہ کیا بزرگ اُمید کو جانشینی کے لئے نامزد کر دیا۔ کیا بزرگ اُمید حسن بن صباح سے پہلے فوت ہو گیا اس لئے حسن صباح کی وفات پر اس کا بیٹا محمد بن شیخ الجبل اور سلسلۂ باطنیہ مشرقیہ کا داعی الدعاۃ بنا۔

حسن بن صباح کے متعلق روایت ہے کہ وہ بچپن میں وزیر نظام الملک طوسی اور اس عہد کے ایک اور مشہور منجم ریاضی دان اور شاعر عمر خیام کا ہم مکتب رہ چکا تھا۔ لیکن یہ روایت نظریۂ ظاہر صحیح معلوم نہیں ہوتی۔ وزیر نظام الملک سنہ ۱۰۱۷ء میں پیدا ہوا اور

اس نے پچھتر سال کی عمر میں ۱۰۹۰ء کو وفات پائی - حسن بن صباح ۱۱۳۲ء میں - اور عمر خیام ۱۱۳۲ء میں فوت ہوا- اس لئے ان دونوں کا بچپن میں نظام الملک کا ہم سبق ہونا ممکن نہیں - ان دونوں کا سنِ پیدائش معلوم نہیں - اگر ان کی عمر سو سو سال کی بھی فرض کر لی جائیں تو عمر خیام کی پیدائش ۱۰۳۲ء اور حسن بن صباح کی پیدائش ۱۰۳۲ء کی نکلتی ہے - یعنی عمر خیام نظام الملک سے پندرہ سال اور حسن بن صباح پچیس سال چھوٹا بنتا ہے - عمروں کا یہ تفاوت ان کے ہم مکتب یا ہم سبق ہونے پر دلالت نہیں کرتا - لیکن اگر حسن بن صباح کی عمر ایک سو پچیس سال اور عمر خیام کی عمر ایک سو پندرہ سال کے لگ بھگ فرض کر لی جائے تو ان تینوں کا ہم مکتب ہونا غیر اغلب بھی نہیں کیونکہ اتنی عمر پانا بعید از قیاس نہیں - بعض مورّخین کا خیال ہے کہ عمر خیام اور حسن بن صباح ایک دوسرے وزیر انوشیرواں ابن خالد الکاشانی کے ہم مکتب ہوں گے جو محمد بن ملک شاہ سلجوقی اور محمود بن محمد کا وزیر تھا اور تین سال خلیفہ المسترشد کا وزیر بنا رہا اور جس نے ۱۱۳۸ء میں وفات پائی - یہ انوشیرواں رے کا باشندہ تھا - اسی لئے اس کا حسن بن صباح اور عمر خیام کا ہم عمر اور ہم مکتب ہونا اغلب امر ہے - اس وزیر نے بھی ایک سو بیس سال کی عمر میں وفات پائی -

اب ہم حسن بن صباح کے فدائیوں اور باطنیوں سے اگلے دور کے حالات قلم بند کرتے ہوئے ملیں گے -

مصر، افریقہ اور اندلس کے کوائف

مصر کے فاطمی خلفا

بغداد کی خلافت عباسیہ کے اس صد سالہ دور (سنہ ۱۰۶۴ء سے سنہ ۱۱۷۱ء تک) میں مصر میں فاطمی خاندان کے خلفا حکومت کرتے رہے جن کا مرکز قاہرہ تھا۔ سنہ ۴۲۸ ہجری مطابق سنہ ۱۰۳۵ء سے لے کر سنہ ۴۸۶ مطابق سنہ ۱۰۹۴ء تک خلیفہ المستنصر باللہ نے فرماں روائی کی۔ اس کے بعد اس کا بیٹا المستعلی خلیفہ بنا۔ جس کے خلیفہ بننے پر فرقہ اسماعیلیہ دو شاخوں میں منقسم ہو گیا جس کا حال ہم گزشتہ فصل میں بیان کر آئے ہیں۔

خلیفہ المستنصر باللہ نے بڑے عدل و انصاف کے ساتھ ساٹھ سال حکومت کی۔ بازاروں میں اشیاء کے نرخ متعین ہوتے تھے فریبی کو تذلیل و تشہیر کی سزا دی جاتی تھی۔ قاہرہ اور دوسرے شہر

کے بازار مسقف بنائے گئے تھے۔ اور دن کے وقت بھی چراغوں سے روشن رہتے تھے۔ قاہرہ میں جوہریوں اور صرافوں تک کی دوکانیں بھی مقفل نہ کی جاتی تھیں۔ اس خلیفہ کے ابتدائی عہد میں اس کی مملکت مصر سے لے کر مراقش تک سارے شمالی افریقہ میں پھیلی ہوئی تھی۔ اور اس کی فوجوں نے ملک شام کے بعض اقطاع پر بھی قبضہ جما لیا تھا۔ اس لئے خلافت عباسیہ کے زیر اثر امرا اور سلاطین کے ساتھ آویزشیں اور چپقلشیں جاری رہتی تھیں۔ اس فاطمی خلیفہ کے عساکر نے ۱۰۵۶ء میں جب کہ مملکتِ عباسیہ کے اندر بدامنی کی کیفیت رونما تھی اور طغرل بیگ سلجوقی مملکت کی زمام انتظام سنبھالنے کے لئے جدوجہد کر رہا تھا۔ شام۔ عرب اور عراق پر یلغار کی۔ اور عراق کے شہر واسط پر قبضہ کر کے ۱۰۵۸ء میں بغداد تک پیش قدمی کی۔ جہاں سے طغرل بیگ نے انہیں پسپا کر دیا۔ تاہم اس کی فوجیں شام اور حجاز پر قابض رہیں ۱۰۶۹ء میں طغرل کے جانشین الپ ارسلان نے مکۂ معظمہ اور مدینہ منورہ کے مقدس مقامات مصر کے فاطمی خلیفہ کے چنگل سے چھڑا لئے اور شام کا شہر حلب بھی چھین لیا۔ ۱۰۷۳ء میں فاطمی خلیفہ نے مکہ اور مدینہ پر پھر قبضہ جما لیا لیکن شام کا مشہور شہر دمشق اس کے ہاتھ سے چھن گیا۔ مکہ اور مدینہ بھی الپ ارسلان کے جانشین ملک شاہ نے پورے ایک سال کے بعد دوبارہ لے لئے۔ فاطمیوں اور سلجوقیوں کی مملکت کی سرحدیں ملک شام میں ملتی تھیں۔ جہاں ان کے ملکوں کے درمیان چھیڑ چھاڑ جاری رہتی تھی۔ دونوں ایک دوسرے

کی طاقت کا لوہا مانتے تھے اس لئے ان میں سے کسی فریق نے بھی دوسرے کی مملکت پر چڑھائی کرنے کی جرات نہ کی۔ ۱۰۸۹ء میں خلیفہ المستنصر باللہ فاطمی کی فوجوں نے شام کے ساحلی مقامات حیدر۔ صور۔ اور عکہ پر قبضہ جما لیا۔ الپ ارسلان سلجوقی نے ۱۰۷۱ء میں ملازگرد کے مقام پر قیصر روم کو شکست دے کر ایشیائے کوچک کا ملک اس سے چھین لیا تھا۔ لیکن اس کے جانشینوں نے فاطمیوں کے مرکز خلافت سے فیصلہ کن طاقت آزمائی کی جرأت نہ کی۔ اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ خود مملکت سلجوقی کے اندر اسماعیلی فرقہ کے باطنی کافی تعداد میں تھے اور طرح طرح کی ریشہ دوانیاں کرکے شورشیں برپا کرتے رہتے تھے۔ فرقہ باطنیہ کے داعی اور مبلغ جو مملکت سلجوقیہ کے اندر فتنے برپا کرتے رہے قاہرہ کی فاطمی خلافت یعنی خلیفہ المستنصر کے دربار کے ایجنٹ ہوا کرتے تھے۔ جیسا کہ ہم ناصر خسرو شاعر اور حسن بن صباح کے تذکارکے سلسلے میں بیان کر آئے ہیں۔ اسی زمانے میں شام کے افق پر ایک نئی طاقت فرنگستان صلیبی لڑاکوں کی صورت میں نمودار ہوئی۔ جس نے شام و فلسطین کی سرزمین کو دولت سلجوقیہ۔ خلافت فاطمیہ اور امرائے صلیبیہ کے درمیان کشمکش کا میدان بنا دیا۔ اس کا حال ہم جداگانہ فصل میں بیان کریں گے۔

دیارِ مغرب یعنی مراقش الجزائر اور تیونس

سنہ ۱۰۶۲ء میں مراقش میں یوسف ابن تاشفین المرابطی بربری نے جو صوفی تھا اپنے مریدوں کی بھاری جمیعت لے کر مراقش کی سرزمین میں مصر کے فاطمی خلیفہ المستنصر کے اقتدار کے خلاف بغاوت کا علم بلند کر دیا اور چند سال کے عرصہ میں مراقش - الجزائر اور ٹیونیشیہ کو فاطمی خلافت کی اطاعت کے جوے سے نجات دلا کر دیارِ مغرب میں مرابطی بربری خاندان کی بادشاہی قائم کر لی - اسی یوسف ابن تاشفین نے سنہ ۱۰۸۶ء میں اندلس پر چڑھائی کی اور زلاقہ کے مقام پر عیسائیوں سے لڑ کر انہیں شکست دی - سنہ ۱۰۹۰ء میں یوسف ابن تاشفین نے ہسپانیہ پر دوسری یلغار کر کے وہاں کے مسلمان امرا کی طوائف الملوکی کا خاتمہ کر دیا - اور اس سرزمین کو بھی اپنی مملکت میں شامل کر لیا - دیارِ مغرب اور اندلس پر تاشفینی مرابطی بربری خاندان سنہ ۱۱۴۷ء تک حکمران بنا رہا - اس سال موحدین کے نام سے ایک اور اسلامی فرقہ کے لوگوں نے اس خاندان کے اقتدار کا خاتمہ کر کے اپنی حکومت قائم کر لی، موحدین کی حکومت کا بانی محمد بن تومرت سنہ ۱۱۳۰ء تک حکمران رہا - اور اس کے بعد اس کا خلیفہ عبدالمومن الموحد بادشاہ بنا - جس نے سنہ ۱۱۶۳ء عیسوی تک فرمانروائی کی -

اندلس

قرطبہ کی اموی خلافت کے خاتمہ پر جو ۱۰۳۰ء میں وقوع پذیر ہوا اندلس کی سرزمین طوائف الملوکی کی آماج گاہ بن گئی۔ امرا نے مختلف مقامات پر اپنی اپنی ریاستیں قائم کر لیں جن کی تعداد بیس تک پہنچ گئی۔ ان ریاستوں کے درمیان جنگ وجدال کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ ان میں اشبیلیہ کی ریاست سب سے زیادہ بڑی اور اہم تھی۔ ۱۰۸۳ء میں قشتالیہ کے عیسائی بادشاہ نے اشبیلیہ کے امیر معتمد باللہ کو شکست دی۔ اس امیر نے مغرب یعنی مراقش کے نوخیز بادشاہ یوسف ابن تاشفین سے مدد مانگی۔ یوسف بربریوں کی فوج لے کر ہسپانیہ میں داخل ہوا۔ اور اس نے زلاقہ کے مقام پر عیسائیوں سے جنگ کر کے انہیں شکست فاش دی۔ اور اپنی فوج لے کر اپنے ملک کو واپس آ گیا۔

۱۰۹۰ء میں یوسف ابن تاشفین نے اندلس کی سرزمین کو مسخر کرنے کے ارادے سے چڑھائی کی۔ اور وہاں کے مسلمان امرا کی طوائف الملوکی کا خاتمہ کر کے اندلس کو بھی اپنی مملکت میں شامل کر لیا۔ دیارِ مغرب اور اندلس پر المرابطی بربری خاندان ۱۱۰۷ء تک حکمران رہا۔ محمد بن تومرت نامی ایک شخص نے موحدین کے نام سے ایک مذہبی جمعیت بنا کر اس خاندان کی حکومت کا تختہ الٹ دیا۔ اور مغرب اور اندلس میں موحدین کی حکومت قائم کر لی۔

محمد بن تومرت سنہ ۱۱۳۰ء تک حکمراں رہا اور اس کے بعد اس کا خلیفہ عبدالمومن الموحد بادشاہ بنا جس نے سنہ ۱۱۶۳ء تک حکومت کی اس بادشاہ نے سنہ ۱۱۴۷ء میں اندلسیہ میں المرابطی خاندان کے آخری نااہل امیر کا خاتمہ کر کے اس سرزمین پر بھی قبضہ جمالیا۔

جزیرہ صقلیہ (سسلی) پر عیسائیوں کا قبضہ

جزیرہ صقلیہ (سسلی) پر ٹیونیشیہ اور دیار مغرب کے اغلبی خاندان کے حکمرانوں نے خلیفہ مامون الرشید کے زمانے میں چڑھائی کر کے اسے اسلام کی مملکت میں شامل کیا تھا۔ اور سنہ ۹۰۲ء تک سارے جزیرے پر قبضہ جمالیا تھا۔ سنہ ۸۶۹ء میں اغلبی امرا نے جزیرہ مالٹا سر کیا اور سنہ ۸۳۱ء سے لے کر سنہ ۸۸۰ء تک اٹلی کے بہت سے حصوں پر حکمرانی کرتے رہے۔ افریقہ میں فاطمی خلافت کے قیام (سنہ ۹۱۰ء) کے بعد جزیرہ صقلیہ کے امرا آزادانہ حیثیت سے حکومت کرتے رہے۔ سنہ ۱۰۶۰ء میں یورپ کے نارمن کاؤنٹ روجر نامی نے اٹلی پر یلغار کرنے کے بعد جزیرہ سسلی پر چڑھائی کی اور مسینا کی بندرگاہ مسلمانوں سے چھین لی سنہ ۱۰۷۲ء میں پلرمو پر قبضہ جمالیا اور سنہ ۱۰۸۵ء میں سرقوصہ کا شہر سر کر لیا۔ سنہ ۱۰۹۰ء میں مالٹا فتح کر کے سنہ ۱۰۹۱ء میں سسلی کے اندر مسلمانوں کے رہے سہے تسلط کا خاتمہ کر دیا۔ اور خود بادشاہ بن گیا۔ روجر اول کے نارمن سسلی کے مسلمانوں

اِس درجہ متاثر ہوئے کہ روجر کا دربار مشرقی فرماں روا کا دربار بن گیا جس میں علما۔ فضلا۔ حکما۔ شعرا اور ہر قسم کے ارباب کمال جمع رہتے تھے۔ اِس نے بود و باش میں بھی مسلمانوں کے سے طریقے اختیار کر لئے۔ مسلمانوں کو پوری آزادی دی۔ نارمنوں کے عہد میں اِس جزیرے کے عیسائیوں نے بھی مسلمانوں کا تمدن اختیار کر لیا۔ چنانچہ روجر کے پوتے کے عہد تک سسلی اور مالٹا کی عیسائی عورتیں مسلمان عورتوں کا سا لباس زیب تن کرتی رہیں۔ مسلمانوں نے اٹلی کے اقطاع پر چالیس سال جزیرہ مالٹا پر دو سو بیس سال اور صقلیہ (سسلی) پر دو سو چونسٹھ سال حکومت کی۔

صلیبی مہموں کا آغاز

القدس پر فرنگستان کے عیسائیوں کا قبضہ

سنہ ۱۰۹۴ء سے سنہ ۱۱۴۹ء تک

صلیبیوں کی تاراجیاں

اس دور کا ایک اہم واقعہ ان صلیبی جنگوں اور مہموں کا آغاز ہے جو فرنگستان کے عیسائیوں نے عالم اسلام کے خلاف مذہبی تعصب کے جذبات سے مشتعل ہو کر اختیار کیں اور جن کا سلسلہ دو سو سال تک جاری رہا۔ اقوام فرنگ کی طرف سے مسلمانوں کو نیچا دکھانے اور اسلامی ملکوں پر قبضہ کرنے کی یہ پہلی کوشش تھی جو کامیاب نہ ہوئی۔ اور آخرکار ان کے دانت کھٹے کرنے پر منتج ہو کر رہی۔

اس سلسلہ کی پہلی دو مہمیں زیر تبصرہ دور میں اختیار کی گئیں اور ایشیائے کوچک۔ شام اور فلسطین کے اندر صلیبی عیسائیوں کی ریاستیں اور جاگیریں قائم کرنے کا موجب بنیں۔ یہ عیسائی ریاستیں دو سو سال تک مسلمانوں کی طاقت و قوت کا منہ چڑاتی رہیں۔

اقوام فرنگ کے مذہبی جوش کی بیداری

ہم لکھ چکے ہیں کہ سلطان الپ ارسلان سلجوقی نے ۱۰۷۱ء میں ملازگرد (منازگرد) کے مقام پر روم کے بازنطینی قیصر کو شکست فاش دی۔ اور اسے اسیر کرلیا۔ الپ ارسلان نے قیصر رومانوس سے اچھا سلوک کیا اور ایشیائے کوچک کا ملک لے کر اس کے ساتھ صلح کرلی اور اسے سالانہ خراج دینے کی شرط پر رہا کر دیا۔ قیصر نے ایشیائے کوچک کا ملک اپنے ہاتھ سے نکل جانے کو بہت محسوس کیا اور شاہان سلجوق کو تیئیس سال خراج دینے کے بعد ۱۰۹۴ء میں اس وقت کے قیصر الیکسیس کومنی نس نے پاپائے روم سے امداد کی التجا کی جس روحانی اور مذہبی اقتدار کے سامنے یورپ کے اکثر بادشاہ اور نواب اطاعت و انقیاد کا سر جھکاتے تھے۔

روم کا بازنطینی چرچ روما کے پاپائی چرچ کا شروع ہی سے حریف چلا آرہا تھا روما کے اسقف اعظم نے اپنے حریف کی التجا کو مغتنم سمجھا اور اسے زیر بار احسان کرنے کے لئے دنیائے عیسائیت

کو مسلمانوں کے خلاف ابھار کر آمادۂ جنگ کرنے کی ٹھان لی۔ پاپائے اعظم اربن دوم نے ۱۰۹۵ء میں جنوب مشرقی فرانس کے شہر کلیر مونٹ میں تقریر کرتے ہوئے فتویٰ صادر کر دیا کہ انقدس یروشلم کے مقدس گرجے کو شریر قوم مسلمان کے ہاتھوں سے چھڑانا عیسائیوں کا مذہبی فرض ہے۔ لہٰذا سارے عیسائیوں کو یروشلم کی طرف کوچ کرنا چاہیئے۔ پاپائے اعظم کی اس تقریر نے جادو کا سا اثر کیا۔ سارا یورپ اس آواز سے گونج اٹھا۔ یورپ بھر کے عیسائی اس مقدس جہاد کی تیاریاں کرنے لگے اور جوشیلے عیسائی قسطنطنیہ میں جمع ہونے لگے۔ جہاں کے قیصر نے انہیں خوش آمدید کہا۔ ۱۰۹۶ء تک قسطنطنیہ میں ڈیڑھ لاکھ کا لشکر جمع ہو گیا۔ جس میں مذہب کے دیوانے۔ گناہوں کا کفارہ ادا کرنے کا شوق رکھنے والے مجرم اور بادشاہ۔ فتوحات کا شوق رکھنے والے طالع آزما جاگیردار۔ اور اقتصادی مشکلات سے تنگ آئے ہوئے غربا۔ غرض ہر قسم کے لوگ موجود تھے۔ پیسا۔ وینس اور جنوآ کے تاجروں کی جمہوری حکومتوں نے اپنے تاجرانہ مفاد کو ترقی دینے کے لئے اس مہم کی حوصلہ افزائی کی۔ اور عوام کو اس میں شامل ہونے کے لئے ابھارا۔ اس جم غفیر میں فرینک۔ نارمن۔ بلغار اور یورپ کی دیگر اقوام کے لوگ شامل تھے اس لشکر نے پادریوں سے برکت لی۔ اور اپنے سینوں پر صلیبوں کے نشان آویزاں کر کے فلسطین کی طرف روانہ ہو گیا اس وقت تک

سلجوقی سلطان ملک شاہ فوت ہو چکا تھا اور اس کے چار بیٹے بادشاہ بننے کے لئے ایک دوسرے کے خلاف لڑنے اور بغاوتیں کرنے کے کھیل میں مصروف تھے۔ ایشیائے کوچک میں ایک سلجوقی امیر سلیمان برسرِ حکومت تھا۔ جو مرکز سے مدد نہ ملنے کے باعث اس ٹڈی دل کو روکنے سے قاصر رہا۔ صلیبی جنگ آزماؤں کا یہ لشکر ایشیائے کوچک کے ساحلی علاقے کو پامال کرتا ہوا۔ شام اور فلسطین میں داخل ہو گیا۔ یہ لوگ روحا طرسوس انطاکیہ اور حلب کے مقامات کو سر کرتے ہوئے القدس کی طرف بڑھے۔ جہاں کے مقدس گرجے کو مسلمانوں کے قبضہ سے نکالنا ان کا نصب العین تھا۔ انطاکیہ سے پادریوں اور سرداروں کو پرانے زمانے کا ایک نیزہ مل گیا۔ جس کے متعلق انہوں نے یہ بات مشہور کر دی کہ یہ وہی نیزہ ہے جس کے ساتھ یہودیوں نے حضرت یشوع مسیح کی پسلی مصلوب ہونے کی حالت میں توڑی تھی۔ اس نیزے کی یافت سے صلیبی مجاہدین کے حوصلے اور بھی بڑھ گئے۔ اور وہ دیوانہ وار بیت المقدس کی طرف بڑھتے چلے گئے۔ اور سات جون ۱۰۹۹ء کو یروشلیم (القدس) کی دیواروں کے نیچے جا پہنچے۔ اس وقت ان کی تعداد چالیس ہزار تھی۔ جن میں سے بیس ہزار آزمودہ کار فوجی جوان تھے۔

پہلے انہوں نے ننگے پاؤں تریال اور مینڈھوں کے سینگ بجاتے ہوئے فصیل کے ارد گرد چکر کاٹا تاکہ فصیل معجزانہ طور پر خود بخود

گرجائے۔ جب یہ معجزہ ظاہر نہ ہوا تو انھوں نے شہر کا محاصرہ جاری رکھا۔ اس وقت القدس میں مصر کے فاطمی خلیفہ المستعلی کے صرف ایک ہزار عسکری جوان تھے۔ تعجب کا مقام ہے کہ فرنگستان کے ان صلیبیوں کی روک تھام کرنے کی طرف مصر کے دربار خلافت نے کیوں توجہ مبذول نہ کی۔ اس کی وجہ صرف یہی ہو سکتی ہے کہ مصر کا دربارِ خلافت زوال اور انحطاط کا شکار ہو چکا تھا۔ اور المستعلی کا دربار اُمرا کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔

۵ر جولائی ۱۰۹۹ء کو صلیبیوں نے شہر پر حملہ بول دیا فصیل توڑ کر شہر میں داخل ہو گئے مسلمانوں کے قتل عام سے ہاتھ رنگے۔ مردوں، عورتوں اور بچوں سب کا صفایا کر دیا۔ بازاروں میں کٹے ہوئے سروں۔ بازوؤں۔ دھڑوں اور ٹانگوں کے ڈھیر لگ گئے۔ مقدس گرجے میں جا کر وہی خون آلودہ ہاتھ اٹھا کر جو انھوں نے مسلمانوں کے خون سے رنگین کر لئے تھے۔ آسمانی باپ اور یسوع مسیح کا شکرانہ ادا کیا۔ اس طرح بیت المقدس اور فلسطین کے اقطاع پر صلیبی عیسائی قابض ہو گئے۔ ان صلیبیوں نے ایشیائے کوچک اور شام کے ساحل کے ساتھ ساتھ اور فلسطین کے اندر اپنی متعدد چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم کر لیں۔

اس زمانے کا عرب مؤرخ لکھتا ہے کہ صلیبی جنگ جو وحشیوں کا گلہ تھے۔ ان کے بہادر اور لڑنا کا ہونے میں جائے کلام نہیں۔

لیکن وہ تہذیب و تمدن اور شائستگیٔ اخلاق سے یک سر کورے تھے عصرِ حاضر کے حقیقت شناس یوربین مورّخ بھی ان لوگوں کے جنگ جُو وحشی ہونے کا اعتراف کرتے ہیں۔

اس طرح یروشلیم کے مقدس شہر پر جس کی کنجیاں القُدس کے گرجے کے بطریق نے ۶۳۷ء میں امیر المومنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالے عنہ کے حوالے کی تھیں۔ اور جس پر مسلمانوں کے سپہ سالار ابوعبیدہ جرّاح نے محض اس شہر کے تقدس کی بنا پر حملہ کرنے سے احتراز کیا تھا یورپ کے عیسائیوں نے ۱۰۹۹ء میں اس وحشیانہ طریق سے قبضہ کرلیا۔ جس کا حال اُوپر کی سطور میں مذکور ہوا ہے۔

صلیبیوں نے دُوسری مُہم دو رِ زیرِ تبصرہ کے اختتام پر ۱۱۴۷ء سے لے کر ۱۱۴۹ء تک اختیار کی۔ یہ لشکر محض لوٹ مار کے لئے آیا تھا۔

صلیبی مسلمانوں کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا بُت پُوجنے والے کافر اور وحشی سمجھتے تھے۔ لیکن شام و فلسطین میں متمکن ہونے اور مسلمانوں کے ساتھ تعلقات پیدا کرنے پر انہیں معلوم ہوا کہ تہذیب و تمدن اور علوم و فنون میں مسلمان ان سے کئی درجے برتر ہیں۔ ان صلیبیوں نے جلد ہی مسلمانوں کی سی معاشرت اور ان کا سا تمدن اختیار کرلیا۔ مسلمان اور صلیبی عیسائی اُمرا کے درمیان دوستی کے روابط استوار ہونے لگے۔ آپس میں شادیاں کیں اور اپنے اپنے حریفوں کے مقابلے

میں ایک دوسرے کی امداد کرنے لگے۔ جائے استعجاب ہے کہ بیت المقدس چھن جانے پر دنیائے اسلام میں کسی قسم کی حرکت کے آثار پیدا نہ ہوئے اور مملکت اسلامی کے امراء وسلاطین آپس کی کشمکشوں ہی میں اُلجھے رہے۔ کسی کو نوّے سال تک اس مقدس زمین کے واپس لینے کا خیال تک نہ آیا۔ اس استعجاب کا جواب مسلمانوں کے اس دور کی تاریخ دے گی۔ ۱۰۹۹ء سے ۱۱۸۶ء تک کے عرصہ میں بلکہ اس کے بعد بھی مسلمانوں کے دو فرقے اہلِ سنّت والجماعت اور باطنی اسماعیلی ایک دوسرے کے قتل کا کھیل کھیل رہے تھے اور سلجوقی سلطانوں کی توجہات داخلی شورشوں کو دبانے اور مملکت کی مشرقی سرحد پر کافر ترکوں کے حملوں سے عہدہ برآ ہونے پر لگی ہوئی تھیں۔ مصر کے دربارِ خلافت پر اتنی سکت ہوتی تو وہ یروشلم پر عیسائیوں کو قبضہ ہی کیوں کرنے دیتا۔

علمی ادبی ثقافتی اور روحانی سرگرمیاں

عباسی خلافت کے چوتھے صد سالہ دور میں مملکت اسلامی کے سیاسی کوائف کے حالات بیان ہو چکے۔ یہ دور ایسے حالات میں ختم ہوا جب کہ صقلیہ (سسلی) اور مالٹا کے جزیروں پر عیسائی قابض ہو چکے تھے اور فرنگستان کے صلیبیوں نے اسلام کی ایشیائی مملکت کے مغربی ساحل کے ساتھ ساتھ اپنی متعدد ریاستیں قائم کر لی تھیں اور مشرقی سرحدوں پر نامسلم غز ترکوں کی تاخت و تاراج نے تباہی برپا کر رکھی تھی۔ اگلے دور کے حالات قلم بند کرنے سے پہلے اس دور کی علمی ادبی ثقافتی اور روحانی سرگرمیوں کا جائزہ لینا ضروری ہے۔ یہ دور بھی گزشتہ ادوار کی طرح مسلمانوں کی علمی ترقیات کے کارناموں سے پر ہے۔ معاشرے کی عام کیفیت بدستور علم پرور اور ادب نواز رہی۔ امرا اور سلاطین حسب معمول ارباب علم و فضل کے قدردان تھے۔ اس دور کے ممتاز عالموں ادیبوں شاعروں مصنفوں اور حکیموں کی فہرست بہت طویل ہے جنہوں نے اپنی لیاقت و قابلیت کے باعث جاودانی شہرت پائی اور ایسے آثار چھوڑے جو انسان کی علمی

تاریخ میں ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ اُن میں سے شمۂ قلیل کے اسمائے گرامی حسبِ ذیل ہیں:۔ ہر نام کے ساتھ خطوط وحدانی میں تاریخ وفات دی گئی ہے:۔

علی ابن حزم اندلسی (۱۰۶۴ء) تاریخ دینیات۔ حدیث منطق شعروسخن۔ مقابلۂ مذاہب اور تنقید انجیل پر چارسو جلدیں لکھیں۔ ابن زیدون شاعر قرطبہ (۱۰۷۱ء) الولّدہ شاعرہ (۱۰۸۷ء) ابن علام اندلسی ماہر زراعت۔ عنصر المعالی کیکاؤس (۱۰۸۲ء) نظام الملک (۱۰۹۲ء) ناصر خسرو شاعر۔ بحر باطنیین (۱۰۸۸ء) عمر خیام۔ ریاضی دان۔ منجّم اور شاعر (۱۱۳۲ء) بابا طاہر ہمدانی۔ ابوسعید ابوالخیر۔ ابو اسماعیل عبداللہ انصاری۔ (۱۰۸۸ء) شاہ مردان ابن ابی الخیر (۱۰۹۵ء) حجۃ الاسلام امام محمد الغزالی (۱۱۱۱ء) ارزاقی۔ شاعر (۱۱۳۰ء) مسعود ابن سعد شاعر (۱۱۴۷ء) عمق بخارائی شاعر (۱۱۴۸ء) حکیم سنائی شاعر۔ نظامی عروضی سمرقندی۔ ادیب الوری۔ رشید الدین وطواط شاعر۔ سوزانی ہجو نویس شاعر۔ معزّی شاعر۔ (۱۱۴۰ء) ادیب صابر شاعر۔ جبلی شاعر۔ ابوالفرج رونی لاہوری (۱۰۹۹ء) فخر الاسلام مفتی عبدالواسد ابن اسماعیل الرویانی۔

اس عہد کی شہرۂ آفاق تصانیف میں حضرت امام غزالی کی "احیاء العلوم"۔ الجوانقی کی "معرب"۔ عنصر المعالی کی "قابوس نامہ"

الشہرستانی کی کتاب "الملل والنحل"۔ الزوزانی کی "تفسیر سبعہ معلقہ" "ترجمان القرآن"۔ التبریزی کی تفسیر قرآن "کشاف" حکیم سنائی کی "حدیقۃ البلاغت" نظامی عروضی کی "چہار مقالہ" نصر اللہ ابن عبد الحمید کی "کلیلہ دمنہ" اور سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی "کشف المحجوب" خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان میں بعض کتابیں عربی میں اور بعض فارسی زبان میں ہیں۔

اس عہد کے صوفیائے کرام:۔

امام ابو حامد محمد الغزالی رحمۃ اللہ علیہ۔ شیخ ابو اسمٰعیل عبد اللہ الانصاری رحمۃ اللہ علیہ۔ شاہ مردان ابن ابو الخیر رحمۃ اللہ علیہ۔ اور سید علی ابن عثمان الجلابی الہجویری رحمۃ اللہ علیہ رح (داتا گنج بخش لاہوری) بابا طاہر ہمدانیؒ شیخ الانصاری رح مشہور ہیں۔

خلافتِ عباسیہ کا آخری یکصد و دوازدہ سالہ دَور

سنہ ۵۴۱ھ سے سنہ ۶۵۶ھ تک

سنہ ۱۱۴۶ء سے سنہ ۱۲۵۸ء

آغازِ دَور کی عام کیفیات

خلافتِ عباسیہ کے پانچویں صد سالہ دَور کے آغاز میں بغداد کے تختِ خلافت پر خلیفہ المقتفی لامر اللہ کو بیٹھے دس سال گزر چکے تھے۔ اور ایشیا کے وسیع و عریض اسلامی مملکت پر سلجوقی سلطان سنجر حکمرانی کر رہا تھا۔ ترکستان میں خوارزم (خیوا) کا امیر اتسیز سنہ ۱۱۴۰ء سے سلطان سنجر سے باغی ہو کر اپنی آزاد امارت قائم کئے بیٹھا تھا۔ اور اس امیر کی تحریک پر ملک خطا کے کافر ترک دولت سلجوقیہ کی شمالی مشرقی ولایت خراسان کو پہلی دفعہ تاخت و تاراج کر چکے

سے جن کے ہاتھوں سلطان سنجر کو پہلی ذلّت آمیز ہزیمت اُٹھانی پڑی۔ غزنیں اور پنجاب میں غزنوی خاندان یعنی سبکتگین اور محمود غزنوی کی اولاد کے اقتدار کا چراغ ٹمٹما تا نظر آرہا تھا۔ ایران کے کوہستان میں فرقہ باطنیہ اسماعیلیہ کے شیوخ بہت سے قلعوں پر قابض تھے۔ جن کا سردار حسن بن صباح کا جانشین اور قلعہ المَوت کی مصنوعی جنت کا مالک شیخ الجبل محمد ابن حسن بن صباح تھا اور اس فرقہ کے حشّاشی فدائی خنجر کے زاد ان استعمال سے مملکتِ اسلام کے اندر دہشت پھیلا رہے تھے۔ شام فلسطین اور ایشیائے کوچک کے سواحل پر صلیبی عیسائیوں نے متعدد چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم کر رکھی تھیں۔ مصر کے اندر فاطمیوں کی خلافت کا اقتدار رُو بہ انحطاط تھا۔ دیارِ مغرب اور اُندلس میں فرقہ موحدین کا سلطان اور امیر عبدالرحمٰن الموحد حکمران تھا۔ اس باب میں ہم حسبِ معمول سابق مملکتِ اسلامی کے جملہ اقطاع کے تاریخی حالات الگ الگ فصلوں میں بیان کریں گے تاکہ اس دَور کی کیفیات سمجھنے میں آسانی ہو۔

خلافت بغداد کی رُوداد

اِس دَور کے آغاز میں خلیفہ المقتفی لامر اللہ بغداد کے تختِ خلافت پر متمکن تھا جسے خلیفہ بنے دس سال گزر چکے تھے۔ مرکزِ خلافت کا حقیقی اقتدار پچھلے دَور ہی میں تمام و کمال سلجوقی سلاطین کے

ہاتھ میں منتقل ہو چکا تھا۔ خلفائے عباسی کا وجود عملاً برائے نام سا بن چکا تھا۔ دورِ سابق میں امراء اور سلاطین جو دوسروں پر غلبہ حاصل کر لیتے تھے مملکت کا نظم و نسق سنبھالنے کے لئے خلیفہ بغداد سے سند حاصل کرنا ضروری خیال کرتے تھے۔ لیکن اس دور میں اس رسم کے لزوم کی اہمیت کم ہوتی چلی گئی۔ تاہم عامۃ المسلمین کے دلوں میں منصبِ خلافت کا احترام بدستور باقی تھا اور مملکت کے طول و عرض میں جمعہ کے خطبات میں خلفائے بغداد ہی کا نام پڑھا جاتا تھا۔ اور اس کے ساتھ سلطان کا نام آیا تھا۔ اس دور کے عباسی خلفاء کے اسماء کی فہرست بصورت ذیل ہے:۔

المقتفی لامر اللہ :۔ سنہ ۵۳۰ھ سے سنہ ۵۵۵ھ تک

المستنجد باللہ :۔ سنہ ۵۵۵ھ سے سنہ ۵۶۶ھ "

المستضیٔ بامر اللہ :۔ سنہ ۵۶۶ھ " سنہ ۵۷۵ھ "

النّاصر لدین اللہ :۔ سنہ ۵۷۵ھ " سنہ ۶۲۲ھ "

الظّاہر بامر اللہ :۔ سنہ ۶۲۲ھ " سنہ ۶۲۳ھ "

المستنصر باللہ :۔ سنہ ۶۲۳ھ " سنہ ۶۳۹ھ "

المستعصم باللہ :۔ سنہ ۶۳۹ھ " سنہ ۶۵۶ھ "

خلیفہ المستعصم باللہ کے ساتھ بغداد کی عباسی خلافت کا بھی خاتمہ ہو گیا اور اسلام کی مملکت پر ترکستان سے لے کر شام و فلسطین تک منگولیا اور وسطِ ایشیا کے نامسلم اور وحشی قبائل

ہو گئے۔ مسلمانوں کے ایام کی گردش سے بہت بڑا پلٹا کھایا مغلوں نے اسلام کی مملکت کے قلب کو ایسا تاراج کیا کہ مسلمانوں کے تمدن کو جسے وہ ساڑھے چھ سو سال سے تعمیر کرتے چلے آرہے تھے خاکِ سیاہ میں ملا دیا۔ شہر اجاڑ دیئے گئے۔ آبادیاں ویران کر دی گئیں اور مغلوں نے اس دور کے مسلمانوں کو خون کا وہ غسل دیا کہ کلمہ گویانِ توحید لاکھوں کی تعداد میں تہ تیغ کر دئے گئے۔ آفتِ کبریٰ سنی مسلمانوں شیعوں۔ اسماعیلیوں۔ باطنیوں۔ اور دوسرے لوگوں پر یکساں طور پر نازل ہوئی۔ مغلوں کی تباہی خیز پامالی سے صرف ہندوستان مصر۔ عرب۔ دیارِ مغرب اور اندلس کے مسلمان بچے۔ اس عظیم تباہی کے حالات ہم اس باب کے آخر میں کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان کریں گے۔

غزنیں میں غوری خاندان کا اقتدار

شمالی ہند میں نئی اسلامی سلطنت کا ظہور

شاہانِ غور کا عروج

خاندانِ غزنوی کا بادشاہ بہرام شاہ اپنے ماموں سلطان سنجر سلجوقی کی مدد سے بادشاہ بنا تھا غور یعنی کوہستانِ فیروز کوہ میں جو ہرات اور قندھار کے درمیان پڑتا ہے، سرکش اور تند خو پٹھان تھے جنہوں نے ایک قسم کی آزاد یا نیم آزاد سی ریاست بنا رکھی تھی۔ اس ریاست کے حکمران خاندان کا ایک شہزادہ قطب الدین نامی اپنے بھائیوں سے ناراض ہو کر غزنیں کے دربار میں آ گیا۔ بہرام شاہ نے اس کی نوجوانی دلیری اور قابلیت سے متاثر ہو کر اسے اپنا داماد بنا لیا اور وہ غزنیں میں رہنے لگا۔ قطب الدین بہرام شاہ کی جگہ خود غزنی کا بادشاہ

بننے کا خواب دیکھنے اور اُمراسے ساز باز کرنے لگا۔ ایک روز اپنے گھر میں مُردہ پایا گیا اس کے بھائیوں یعنی غور کے حکمرانوں نے شبہ کیا کہ بہرام شاہ نے اُسے زہر کھلا کر مروا دیا ہے۔ غور کے امیر سیف الدین نے اپنے بھائی کا انتقام لینے کے لئے ۱۱۴۸ء میں غزنیں پر حملہ کیا اور شہر پر قبضہ کر لیا۔ بہرام شاہ پنجاب کی طرف بھاگ آیا اور یہاں سے مُسلمان اُمرا اور ہندو راجاؤں اور راناؤں کی فوج لے کر غزنیں پہنچا۔ بہرام شاہ نے سیف الدین کو پکڑ کر پہلے تو اُس کی خوب تذلیل و تشہیر کرائی۔ غزنیں کے لوگوں نے اس پر گندگی پھینکی اور اس کا مُنہ کالا کر اور گدھے پر بٹھا کر اُسے بازاروں میں پھرایا اور بالآخر مصلوب کر دیا۔ اس پر غوریوں کی آتش انتقام اور بھی بھڑکی اور امیر علاؤ الدین نے غزنیں کا شہر نذرِ آتش کر دیا۔ اس کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ سلطان محمود اور سلطان ابراہیم کے مقبروں کے سوا باقی سلاطین غزنویہ کے مزار تک مسمار کرا دیئے۔ کتب خانے جل کر راکھ کا ڈھیر بن گئے۔ علاؤ الدین نے اس کارنامہ کی بنا پر تاریخ میں "جہاں سوز" کا لقب پایا۔ یہ واقعہ ۱۱۵۲ء میں وقوع پذیر ہوا۔ اسی سال بہرام شاہ نے بمقام لاہور وفات پائی اور اس کا بیٹا خسرو پنجاب کا بادشاہ بن گیا۔ لیکن غوریوں نے اُسے شکست دے کر غزنیں اور پنجاب پر اپنی حکومت قائم کر لی۔ ۱۱۸۶ء تک خاندانِ غزنویہ کی حکومت کا کلی طور پر خاتمہ ہو گیا۔

پنجاب میں غزنوی اقتدار کا خاتمہ کرنے والا غوری امیر شہاب الدین نامی تھا جو ۱۱۷۶ء میں غزنیں کے تخت پر بیٹھا۔ ۱۱۸۶ء میں غزنوی خاندان کے سلطان خسرو شاہ کو شکست دے کر لاہور پر قابض ہونے کے بعد محمد غوری کی نگاہیں کفرستانِ ہند کی طرف اٹھنے لگیں۔ جس کے مختلف اقطاع میں راجپوت اور برہمن راجاؤں نے اپنی اپنی آزاد ریاستیں قائم کر رکھی تھیں۔ گمانِ غالب یہ ہے کہ ریاست قنوج کے راجہ جے چند نے شہاب الدین محمد غوری کو دہلی اور اجمیر کی ریاست پر حملہ کرنے کی طرف توجہ دلائی۔ کیونکہ راجا جے چند دہلی اور اجمیر کے راجہ پرتھوی راج سے ناراض تھا۔ اور اسے اپنا حریف اور دشمن خیال کرتا تھا۔

۱۱۹۱ء مطابق ۵۹۳ھ میں شہاب الدین محمد غوری نے دہلی کے راجا رائے پتھورا عرف پرتھی راج کی مملکت پر چڑھائی کی اور تراوڑی ضلع حصار کے میدان میں لڑائی ہوئی۔ اس لڑائی میں شہاب الدین کے لشکر نے شکست کھائی۔ شہاب الدین زخمی ہوا جسے اس کی فوج کے ایک نوجوان سوار نے میدانِ جنگ سے نکالا شہاب الدین ہندوؤں کے ہاتھوں شکست کھانے پر اس درجہ نادم و شرمسار ہوا کہ اس نے میدانِ جنگ سے پیٹھ دکھا کر بھاگ آنے والے سرداروں کو گھوڑوں کے توبرے پہنا کر انہیں چنے کھلانے اور خود دو سال (۲) تک اپنی پوشاک تبدیل نہ کی۔ دو سال کی تیاری کے بعد

شہاب الدین نے ۱۱۹۲ء میں پھر دہلی کی ریاست پر فوج کشی کی۔ رائے پتھورا نے ڈیڑھ سو راجگانِ ہند کا متحدہ لشکر لے کر تھانیسر کے میدان میں اُسے روکا اور مقابلہ کیا۔ راجگانِ ہند کے متحدہ لشکر نے شکست کھائی۔ پرتھی راج مارا گیا اور دہلی و اجمیر کی ریاست مملکتِ غور میں شامل کر لی گئی۔ قنوج کا راجہ جے چند راجگانِ ہند کے اس اتحاد سے الگ رہا۔

اگلے سال شہاب الدین محمد غوری نے قنوج کی ریاست پر حملہ کر کے اُسے بھی اپنی مملکت میں شامل کر لیا۔ کیونکہ پرتھی راج کی شکست کے بعد قنوج کا راجہ جے چند دہلی و اجمیر کی ریاست پر قابض ہونا چاہتا تھا۔ اور اس ریاست کو قرابت داری کی بنا پر اپنا حق سمجھتا تھا۔

راجگانِ ہند کا زور تھانیسر کی لڑائی ہی میں ٹوٹ چکا تھا۔ اس لئے محمد غوری کے ایک سالار بختیار خلجی نے بنگالہ تک یلغار کر کے اور دوسرے سالار قطب الدین ایبک نے گوالیار کالنجر اور گجرات کو سر کر کے سارے شمالی ہند کو غوریوں کی مملکت میں شامل کر لیا۔ دورِ سابق میں سلجوقیوں نے ایشیائے کوچک کو مملکتِ اسلامی میں شامل کیا تھا۔ اس دور میں غوریوں نے شمالی ہند کو سر کر کے اسلام کی مملکت کو وسعت دی۔

شہاب الدین محمد غوری نے پنجاب کی ایک سرکش قوم گھکڑ کے ہاتھوں ۱۲۰۶ء میں جامِ شہادت نوش کیا۔ غوری کی وفات کے

امرائے ہندو پنجاب نے اس کے ایک ترکی غلام قطب الدین ایبک کو جو بادشاہ کی طرف سے ولایاتِ ہند کا والی تھا۔ ہندوستان کا بادشاہ تسلیم کر لیا۔ اور ہندوستان میں مسلمانوں کی پہلی حکومت خاندانِ غلامان کی حکومت کے نام سے قائم ہو گئی۔ ایبک (وفات سنہ ۱۲۱۰ء) کے بعد اس کا ایک غلام شمس الدین التمش (وفات سنہ ۱۲۳۶ء) اور اس کے بعد التمش کی بیٹی رضیہ سلطانہ (وفات سنہ ۱۲۴۰ء) اور اس کے بعد التمش کا بیٹا ناصر الدین محمود ہندوستان کا فرماں روا بنا سقوطِ بغداد کے وقت یہی محمود ہندوستان کا بادشاہ تھا۔ خاندانِ غلامان نے سنہ ۱۲۹۰ء تک حکومت کی۔

قطب الدین ایبک نے دہلی میں قطب مینار اور ایک بڑی مسجد زینت المساجد کی تعمیر شروع کرائی۔ مینار کی تعمیر سلطان التمش کے عہد میں پایۂ تکمیل تک پہنچ گئی۔ لیکن مسجد کی صرف سامنے کی دیوار تعمیر ہوئی۔ اس کے بعد اسی حال میں اسے ادھورا چھوڑ دیا گیا۔ یہ مسجد ایک بہت بڑے مندر کے کھنڈرات پر تعمیر کرائی جا رہی تھی۔

سلجوقیوں کا زوال، خوارزمیوں کا عروج اور چنگیزی مغلوں کی پہلی یلغار

خوارزم شاہی کا ظہور

سلطان سنجر سلجوقی کے عہد کے حالات بیان کرتے ہوئے ہم لکھ چکے ہیں کہ سنہ ۵۳۳ھ ہجری مطابق سنہ ۱۱۳۰ء میں خوارزم کے ترک امیر اتسز نامی نے سلجوقیوں کی اطاعت سے سرکش ہو کر خود مختار بادشاہ بننے کا اعلان کر دیا۔ اور اپنی خود مختاری کو محفوظ و مستحکم کرنے کے لئے ملک خطا کے نامسلم (کافر) غُز ترکوں کو مملکتِ اسلام پر حملہ کرنے کیلئے اُکسایا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ غُز ترکوں نے سلطان سنجر کو شکست دی۔ ولایت خراسان کے ایک حصے کو تاراج کیا اور لوٹا۔ سلطان کی ملکہ کو گرفتار کر لیا۔ مرو، سرخس، نیشاپور، اور بیہاق کے شہر تین سال

تک غُزترکوں کی لوٹ مار کا تختۂ مشق بنے رہے۔ اور خوارزم کے بادشاہ
اتسیز نے ان شہروں پر قبضہ کر لیا۔ اتسیز مرو سے مشہور عالم دین ابو الفضل
کرمانی۔ اور دوسرے فاضل اشخاص کو خوارزم لے گیا۔ مرو اور خراسان
کے ان اقطاع میں ۱۱۴۲ء میں مئی سے لے کر جولائی تک ساہیہ
میں سلطان کے نام کا خطبہ بھی نہ ہو سکا۔ سلطان سنجر نے جوابی
یلغار کر کے خراسان سے غُزترکوں اور خوارزمیوں کو باہر نکالا اپنی
ملکہ کو چھڑایا اور ۱۱۴۳ء میں خوارزم (خیوا) کا محاصرہ کر لیا۔ لیکن
سنجر خوارزم کو سر نہ کر سکا۔ اس لئے اس نے اتسیز سے صلح کر لی۔
یعنی ترکستان پر اس کی بادشاہی تسلیم کر لی۔

خوارزم کے امیر شاہان سلجوقی کے جاگیردار تھے۔ ملک
شاہ سلجوقی نے اتسیز کے دادا انوش تگین کو جو بادشاہ کا ساقی
اور جاں نثار ملازم تھا۔ خوارزم کی ولایت جاگیر کے طور پر دی
تھی۔ اتسیز ۱۱۲۷ء میں خوارزم کا امیر بنا اور ۱۱۳۰ء میں
خود مختار بادشاہ بن بیٹھا۔

اجتماعی ملّی مفاد سے روگردانی اور بے اعتنائی

اس مقام پر ایک نکتہ خاص طور پر نوٹ کر لینے کے قابل
ہے۔ وہ یہ کہ اسلام کی تاریخ میں یہ پہلا اہم واقعہ ہے جب کہ

ایک مسلمان امیر نے ملتِ اسلامیہ کے اجتماعی اور مجموعی مفاد کو پسِ پشت ڈال کر اپنا مطلقانہ اقتدار قائم کرنے کے لئے مسلمانوں کے خلاف کافروں کی امداد و اعانت حاصل کی۔ اور اسلام کی مملکت پر لامذہب غز ترکوں سے حملہ کرا دیا۔ اِس سے قبل مسلمان امراء اور سلاطین اپنے اپنے حلقۂ اقتدار کو وسیع تر کرنے اور ایک دوسرے پر غالب آنے کے لئے بلاشبہ آپس میں مصروفِ جدال و قتال رہے اور مسلمانوں کے مختلف العقائد فرقے سیاسی اقتدار حاصل کرنے کے لئے ایک دوسرے کے خلاف مصروفِ پیکار رہے لیکن خوارزم کے امیر اتسیز سے پہلے کوئی ایسا شخص نوٹس میں نہیں آیا۔ جس نے ملت کے اجتماعی مفاد سے بے اعتنائی کر کے مسلمانوں کے خلاف کافروں سے امداد حاصل کی ہو۔ اور نامسلموں کو مسلمانوں پر چڑھائی کرنے کے لئے اکسایا ہو۔ اِس کے معنی یہ ہیں کہ خوارزم کے ترک اپنے آپ کو ترک زیادہ اور مسلمان کم خیال کرتے تھے۔ اِسی خیال کے ماتحت لامذہب غز ترکوں کو سلجوقیوں کے مقابلے میں اپنا سمجھا۔ اور اُن سے امداد لے کر ایک ایسی حرکت کے مرتکب ہو گئے۔ جس نے خطا۔ تاتار۔ اور منگولستان کی لامذہب وحشی اقوام کے دل و دماغ میں مملکتِ اسلام کے متمدن ملکوں کو تاراج کرنے اور لوٹنے کے خیالات و جذبات پیدا کر دیئے۔ جو جلد ہی مسلمانوں پر بڑی ہی ہولناک تباہی لانے کا موجب بن گئے۔

اس کا حال آگے چل کر بیان کیا جائے گا۔

خراسان پر غُز ترکوں کی دُوسری یلغار

اتسیز شاہ خوارزم کی تحریک پر ۵۴۳ھ میں ملک ختا کے ترکوں نے خراسان پر پھر چڑھائی کر دی اور سلطان سنجر کو شکست دے کر اُسے اپنی حراست میں لے لیا۔ غُز ترکوں نے اس مرتبہ سارے خراسان کو بُری طرح تاراج کیا۔ اُمرا، علما اور مشائخ کو بے دریغ قتل کیا۔ طوس اور نیشاپور کو لوٹا اور برباد کیا۔ دربار سلجوقی کے اُمرا نے غُز ترکوں کو بھاری شکست دے کر اپنے بادشاہ کو چھڑایا اور واپس جانے پر آمادہ کیا۔ لیکن سنجر ان شکستوں کے صدمات سے جانبر نہ ہو سکا اور ۵۵۲ھ میں مرو کے مقام پر فوت ہو گیا۔ اتسیز ایک سال پہلے فوت ہو گیا تھا۔

سنجر کی وفات کے بعد شاہانِ سلجوقی کا اقتدار زوال پذیر نظر آنے لگا۔ ولایات کے امرا اور اتابیک (گورنر) اپنی اپنی جگہ پر خود سر ہونے لگے اور مملکت خود مختار ریاستوں میں منقسم ہوتی چلی گئی۔ جو محض زبانی شاہانِ سلجوقی کے اقتدار اور خلافتِ بغداد سے وفاداری کا دَم بھرتی تھیں۔ سنجر کے بعد خاندانِ سلجوقی سے چھ سلاطین یکے بعد دیگرے سریر آرائے سلطنت ہوئے لیکن اُن میں سے کوئی بھی اس قابل نہ تھا کہ اپنے خاندان

کے اقتدار کو بحال کرنے کے لئے جدوجہد کرتا۔ اِس خاندان کا آخری بادشاہ رکن الدین طغرل تھا۔ جس کے اقتدار کا خاتمہ ۱۲۱۰ء کے قریب علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ نے کر دیا۔ اِس علاؤ الدین نے غزنیں۔ خراسان۔ اور ایران کے تمام خود مختار امیروں اور اتابکوں کو شکستیں دے دے کر دریائے سندھ سے کر دریائے فرات تک کے علاقے میں اپنی سلطنت قائم کر دی

علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ کی فتوحات

۱۱۹۹ء سے ۱۲۲۰ء تک

۱۱۵۶ء سے ۱۱۹۹ء تک اتسیز کے دو جانشینوں یعنی بیٹے اور پوتے نے خوارزم کی مملکت کا انتظام سنبھالا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ غزنی پنجاب اور ہندوستان میں غوری خاندان کے سلاطین عروج پکڑ رہے تھے۔ اور ایران میں شاہانِ سلجوقی کا اقتدار روبہ انحطاط تھا۔ ۱۱۹۹ء میں اتسیز کا پڑ پوتا علاؤ الدین محمد خوارزم کا بادشاہ بنا۔ اور اس نے گردو پیش کے حالات کا جائزہ لے کر اپنی سلطنت کو وسعت دینے پر کمر ہمت باندھ لی۔ علاؤ الدین محمد نے تیرہویں صدی مسیحی کے آغاز میں خراسان و ایران میں سلجوقیوں کے اقتدار کو پامال کر کے اور

غزنی میں غوریوں کو نیچا دکھا کر ایک وسیع سلطنت قائم کر لی جس کی مشرقی حد دریائے سندھ اور مغربی حد دریائے فرات تھی۔ شمال میں یہ سلطنت بحیرہ خزر اور کوہ یورال تک پھیلی ہوئی تھی۔ علاؤالدین محمد نے مملکتِ اسلامی کے امراء اور سلاطین میں سے بعض کو قتل کر دیا۔ اور بعض کو اپنا مطیع بنا لیا۔ ایران میں صرف فارس اور خوزستان کے علاقے دست برد سے بچ رہے۔ اس کے علاوہ ایشیائے کوچک کے سلجوقی بادشاہ۔ اور شام۔ موصل اور دیار بکر کے اتابیک بھی محفوظ رہے۔

علاؤالدین محمد اپنے خاندان کو شاہانِ سلجوقی کا جانشین بنانا چاہتا تھا لیکن بغداد کا دربارِ خلافت اسے مملکت کے انتظام و انصرام کی سند دینے سے متامل تھا۔ خلیفہ الناصر لدین اللہ نے علاؤالدین محمد کی بڑھتی ہوئی یلغاروں کا خطرہ محسوس کر کے غزنیں کے غوری سلاطین یعنی محمد غوری کے جانشین کو خط لکھا۔ کہ وہ خوارزمیوں کی روز افزوں طاقتوں کا سدِباب کرے۔ انہی دنوں میں علاؤالدین نے غزنی پر یلغار کی۔ اور خلیفہ کا خط پکڑ لیا۔

علاؤالدین یہ خط پڑھ کر خلیفہ کا دشمن بن گیا۔ اس نے ایک سید زادے کو خلافت کا حقدار قرار دے کر بغداد پر چڑھائی کر دی۔ لیکن موسم سرما کی شدت سے تنگ آکر راستے ہی سے لوٹ آیا۔

چنگیز خانی مُغلوں کا حملہ

۲۰-۱۲۱۹ء

شاہِ خوارزم علاؤالدین محمد نے ایران کے سلجوقی بادشاہ
ولایات کے اُمرا اور غزنیں کے غوری سلطان پر غلبہ حاصل کر کے
ایک وسیع سلطنت پیدا کر لی۔ عین اسی زمانہ میں منگولستان میں
ایک نئی طاقت جڑ پکڑ رہی تھی۔ اور چنگیز خاں اپنے حریفوں کو
روندتا اور پامال کرتا ہوا مُغلوں کے خانہ بدوش وحشی قبائل کو متحد کر کے
ایک سلطنت بنانے میں کامیاب ہو رہا تھا۔ خوارزم کا دربار حالات
کی اِن تبدیلیوں سے بے خبر اپنے زیادہ اقتدار کے نشے میں مست
تھا کہ منگولستان کے چارسو یا ساڑھے چارسو تاجر مملکت خوارزم
کے شہر اترار میں تجارت کرنے کی غرض سے داخل ہوئے اترار کے
سرحدی حاکم نے علاؤالدین محمد کے ایما سے ان سب کو قتل کرا دیا۔
چنگیز خاں نے سفارت بھیجی جس میں دو مغل تھے اور ایک بغرا نامی
ترک تھا۔ اِن سفیروں نے تاجروں کے قتل پر احتجاج کیا اور خانِ
اعظم کی طرف سے مطالبہ پیش کیا کہ اترار کا حاکم ہمارے حوالے کر
دیا جائے۔ علاؤالدین خوارزم شاہ نے بغرا خان ترک کو تو قتل

کرا دیا ۔ اور دونوں مغل سفیروں کو یہ کہہ کر واپس بھیج دیا کہ خوارزم کی وسیع و عریض سلطنت کا بادشاہ، مغلوں کے سردار کی اس نامعقول درخواست کو منظور نہیں کر سکتا۔

یہ جواب پا کر منگولیا کے مغلوں نے قورلتائی یعنی بڑی قومی مجلس مشاورت منعقد کی۔ اس مجلس نے فیصلہ کر لیا کہ خوارزم کی مملکت پر حملہ کر کے اپنے تاجروں کے قتل اور سفیروں کی ہتک کا انتقام لیا جائے۔

روایت ہے کہ خلیفہ النّاصر لدین اللہ کے ایلچی بھی مغلوں کے اس قومی اجتماع میں پہنچے اور اُنہوں نے خلیفہ کی طرف سے خانِ مغول کو خوارزم کے مسلمانوں کی مملکت پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ یا اُن کی قرارداد کی تائید کی۔ یعنی غیر مسلم طاقتوں کو مسلمانوں پر حملہ کرنے پر اُکسانے کی جس غلطی کا ارتکاب خوارزم کے پہلے بادشاہ اتسیز نے سنہ ۱۱۴۰ء میں کیا تھا۔ ویسی ہی غلطی اَب سنہ ۱۲۱۸ء میں امیر المومنین۔ خلیفۃ المسلمین النّاصر لدین اللہ سے سرزد ہوئی۔ اور مسلمانوں کو اس عہد میں اور اس کے بعد اگلی پشت میں ایسی ہی غلطیوں کا خمیازہ خوفناک تباہی و بربادی کی صورت میں بھگتنا پڑا۔ جس کا حال آنے والے اوراق میں بیان کیا جائے گا۔

مملکتِ خوارزم پر مغلوں کی یلغار

سنہ ۱۲۱۹ء میں مغلوں یعنی چنگیز خان کے لشکروں نے خوارزم کی مملکت پر چڑھائی کر دی اور اترار۔ ازکند۔ جند۔ بناکت۔ خجند۔ بخارا سمرقند اور خراسان کو تاراج کرتے ہوئے خوارزم تک پہنچ گئے۔ مغلوں کے لشکر جس شہر میں پہنچتے تھے۔ وہاں کے باشندوں کا قتلِ عام کر دیتے تھے۔ اور مال و منال کو لوٹتے اور شہروں کو نذرِ آتش کر دیتے تھے۔ جند کے لوگوں نے مزاحمت نہ کی۔ اور اپنی جاں بخشی کرا لی۔ خجند کے حاکم تیمور ملک نے مردانہ وار مقابلہ کیا۔ بخارا میں قاضی بدر الدین اور امام رکن الدین جیسے جید عالم اور فاضلانِ دہر لڑ کر شہید ہوئے۔ خوارزم (خیوا) پر ۵۰ ہزار مغلوں کے لشکر نے حملہ کیا۔ ہر مغل نے اوسطاً ۲۴ آدمی قتل کئے۔ شہدا میں مشہور و معروف صوفی نجم الدین کبریٰ بھی تھے۔ جنہوں نے اپنے خلیفوں اور مریدوں سے کہہ دیا کہ جو لوگ بھاگ کر جان بچانا چاہیں۔ وہ چلے جائیں۔ اور جو شہادت کا رتبہ حاصل کرنے کے متمنی ہیں۔ وہ میرے ساتھ رہیں۔ خوارزم کے بعد مغلوں کے لشکر نے ترمذ۔ بلخ۔ نصرت کوہ۔ نسا۔ نیشاپور۔ مرو۔ ہرات اور بامیان تاراج کئے۔ ان کے علاوہ اور جتنے قلعے اور قصبے راستے میں پڑے سب کے سب تاراج کر دیئے گئے۔ صرف مرو میں سات لاکھ مسلمان تہِ تیغ کئے گئے۔

مغلوں کی غارت گری اور وحشت کا یہ حال تھا کہ ایک عورت نے موتی نگل لیا۔ مغل نے اُسے قتل کر کے اِس کا پیٹ چاک کیا اور موتی نکال لیا۔ اکثر شہر اور قلعے جو مغلوں کے ہاتھ سے تباہ ہوئے پھر آباد نہ ہو سکے۔ بامیان سو سال تک کھنڈر بنا رہا۔ مغلوں کا ایک جم غفیر خراسان کی تاراجی میں مصروف تھا۔ دُوسرے نے غزنیں اور اس کے نواحی علاقوں کو پامال کیا۔ اور دریائے سندھ کے کناروں تک پہنچ گیا۔ یہاں دہلی کے خاندانِ غلامان کے سلطان التمش کے لشکر نے انہیں شکست دی۔ اور ان کو ہندوستان کی اسلامی مملکت پر یلغار کرنے سے روکا۔ اور ان کا منہ موڑ دیا۔

علاؤالدین محمد خوارزم سے بھاگا۔ اور نیشاپور۔ قزوین۔ گیلان اور مازندران میں سے ہوتا ہوا بحیرۂ خزر کے ایک جزیرے میں جا چھپا۔ اور سنہ ۱۲۲۰ء میں اسی جگہ فوت ہو گیا۔ مغلوں کے لشکر اس کے تعاقب میں رہے۔ ہمدان اور کوہستان البرز کے شہروں کو پامال کرتے ہوئے عراق کے حدود تک پہنچ گئے۔ وہاں سے آذر بیجان۔ آرمینیہ۔ دربند اور شیروان ہوتے ہوئے دشتِ قبچاق یعنی کوہ قاف کے پار دریائے والگا کی وادی میں پہنچ گئے جہاں اُنہوں نے وہاں کے ترک قبائل کو تاراج کیا۔

جلال الدین خوارزم شاہ

علاؤ الدین محمد تو ۱۲۲۰ء میں بحیرۂ خزر کے ایک جزیرے میں جاکر فوت ہوگیا۔ لیکن اس کا بہادر بیٹا جلال الدین مغلوں کے مقابلے میں ڈٹا رہا۔ اور مغلوں کے اس لشکر سے جس نے غزنین کی طرف یلغار کی۔ لڑتا بھڑتا دریائے سندھ کے کنارے تک پہنچ گیا۔ یہاں مغلوں کے ساتھ شدید جنگ ہوئی۔ اور جلال الدین کو دریا میں کود کر اور تیر کر اپنی جان بچانی پڑی۔ پنجاب میں جلال الدین خوارزم شاہ نے جودی کے راجہ سے جنگ کی۔ اور ملتان اور سندھ کے حاکم قباچہ سے لڑا۔ دہلی کے سلطان التمش نے اسے مدد دی۔ وہ اپنا لشکر لے کر اپنی مملکت حاصل کرنے کے لئے دریائے سندھ کو عبور کر گیا۔

جلال الدین نے خوارزم کی سلطنت کو دوبارہ حاصل کرنے کے لئے بہت جدوجہد کی۔ وہ مغلوں سے لڑتا رہا۔ اپنے بھائی غیاث الدین سے لڑا۔ کرمان کے بانی امیر براق حاجب سے لڑا۔ ترکمانوں سے الموت کے حشاشیوں سے۔ گرجستانیوں سے لڑا۔ خلیفہ بغداد سے ٹکرایا۔

جلال الدین ۱۲۲۳ء میں کرمان۔ فارس اور اصفہان کو سر کرتا ہوا آذربائیجان تک پہنچا۔ ۱۲۲۵ء میں اس نے خلیفہ کے سپہ سالار قشتیمور

کو شکست دی اور بغداد کی دیواروں تک پہنچ گیا۔ تبریز فتح کرکے گرجستانیوں پر کامیاب یلغار کی۔ ۱۲۲۶ء میں طفلس فتح کیا۔ اور کرمان کے باغی حاکم براق حاجب کی سرکوبی کی جو مغلوں سے مل گیا تھا۔ ۱۲۲۷ء میں اس نے ترکمانوں اور حشاشیوں کو شکست دی۔ اور دامغان میں مغلوں سے لڑا۔ اور ان کو شکست دے کر ۴۰۰ مغلوں کو تہ تیغ کیا۔ اصفہان کو مغلوں کے حملے سے بچایا۔ اور دوسری دفعہ گرجستانیوں کو شکست دی۔ جلال الدین خوارزم کی مملکت کو بحال کرنے کی انہی کوششوں میں لگا ہوا تھا اور لشکر بنا رہا تھا کہ ۱۲۳۱ء میں مغل جرنیل نویان جورماغون تیس ہزار کا تازہ لشکر جرار لے کر آن پہنچا۔ جنگ میں جلال الدین کو شکست ہوئی اور اسے کردستان کی پہاڑیوں کی طرف پس پا ہونا پڑا۔ نو سال کی طوفانی زندگی گزارنے کے بعد بہادر جلال الدین سخت دل شکستہ ہوا اور مغموم و افسردہ رہنے لگا۔ اس جگہ اس کی محبوبہ بھی فوت ہو گئی۔ زندگی بھر کے صدمات کا غم غلط کرنے کے لئے اس نے بیہوشی میں پناہ لی۔ ۱۵ اگست ۱۲۳۱ء کو ایک کرد نے خنجر مار کر اُس کی زندگی کا خاتمہ کر دیا۔

"تاریخ جہاں کشائی" میں حسب ذیل شہروں اور قصبوں کے نام درج ہیں جو ۱۲۱۹ء سے لے کر ۱۲۲۹ء تک کے عرصہ میں مغلوں کے ہاتھوں تاراج ہوئے۔

اترار ۔ جند ۔ بناکت ۔ نیشاپور ۔ سمرقند ۔ خبوشان ۔
طوس ۔ اسفرائن ۔ دامغان ۔ سمنان ۔ نخشب ۔ ارگنج ۔ قرگنج ۔
ترمذ ۔ بلخ ۔ نصرت کوہ ۔ نسا ۔ خندر ۔ مرو ۔ ہرات
کردوان ۔ بامیان ۔ غزنین ۔ رے ۔ قم ۔ مراغہ ۔ اربل ۔ کاشان
پیلقان ۔ ہمدان ۔

مغل قتل عام کرنے میں بے دریغ تھے ۔ اور جس جگہ پہنچتے تھے آبادیوں کو مکمل طور پر خون کا غسل دیتے تھے ۔ تاہم وہ اتنے سمجھدار ضرور تھے کہ کاریگروں ۔ صناعوں اور ہنروروں کے خون سے اپنی تلواریں رنگین نہ کریں ۔ بلکہ انہیں گرفتار کرکے منگولستان میں لے جائیں تاکہ ان سے کام لیا جا سکے ۔

مشہور و معروف عصری مورخ ابنِ اثیر لکھتا ہے کہ مغلوں کی کامیابی کی بڑی وجہ یہ تھی کہ علاؤالدین محمد خوارزم شاہ نے مملکتِ اسلامی کے بادشاہوں اور امیروں کو پامال کر دیا تھا ۔ اور خود اتنا طاقتور نہ تھا کہ مغلوں کے ٹڈی دل عساکر کی روک تھام کر سکتا ۔

بدامنی ۔ انارکی اور طوائف الملوکی کا دَور دَورہ

مغلوں کی یلغار کے باعث مملکتِ اسلام کا قلب بدامنی انارکی اور طوائف الملوکی کی آماجگاہ بن گیا ۔ جلال الدین خوارزم شاہ

نے جیسا کہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں اپنے شاہانہ اقتدار کو از سر نو قائم کرنے کے لئے سر توڑ کوششیں کیں۔ لیکن ناکام رہا۔ مغلوں کے حملے کے وقت یعنی سنہ ۱۲۲۰ء کے بعد حالات اتنے ابتر ہوئے کہ منگولیا کے مغل۔ الموحد کے جانشین اور مختلف اقطاع و ولایات کے امرا اپنے اپنے حلقۂ اقتدار کو وسعت دینے کے لئے آپس میں لڑنے لگے شام اور فلسطین کے صلیبی عیسائی جاگیردار۔ اس طوائف الملوکی کے شور و شغب میں اپنی اپنی طوطیاں الگ بجا رہے تھے۔ ✓

29-10-66

الموت کے حشاشین

ہم گزشتہ باب میں حسن بن صباح کے پیروؤں یعنی حشاشی باطنیوں کا حال بیان کر چکے ہیں اور بتا چکے ہیں کہ خلافت عباسیہ کے چوتھے صد سالہ دور میں جب مملکتِ خلافت کا نظم و نسق سنبھالنے کی ذمہ داری کا بوجھ سلجوقی خاندان کے سلاطین نے اپنے کندھوں پر ڈال رکھا تھا۔ باطنی اسماعیلیوں کی مشرقی شاخ نے حسن بن صباح کی قیادت میں مملکتِ اسلام کے قلب میں کس طرح قتل و خونریزی کا بازار گرم کیا اور کوہستان کے متعدد قلعوں پر قبضہ جما کر اپنی مذہبی امارت قائم کر لی۔ حسن ابن صباح اس مذہبی امارت کا پہلا شیخ الجبل تھا۔ جس نے ۵۳۷ھ ہجری مطابق ۱۱۴۲ء میں وفات پائی۔ اس کا جانشین اس کا بیٹا محمد نامی ہوا۔ جس نے ۱۱۶۲ء تک باطنیوں کے داعی الدعاۃ کی حیثیت سے قلعہ الموت میں بیٹھ کر اپنے فرقہ کے لوگوں پر جو ساری مملکت میں پھیلے ہوئے تھے۔ اور متعدد قلعوں پر قابض تھے حکومت کی۔ محمد کے بعد اس کا بیٹا حسن ثانی حکمران بنا۔

اس حسن نے اپنے آپ کو امام نزار ابن خلیفہ المستنصر فاطمی کی اولاد ظاہر کیا۔ اور داعی الدعاۃ ہونے کے بجائے خود امام ظاہر ہونے کا دعویٰ کردیا۔ اس امام نے جس کے نام کے ساتھ اس کے پیرو "علی ذکرہ السلام" لکھتے ہیں ۱۷ رمضان ۵۵۹ھ ہجری مطابق ۸ اگست ۱۱۶۴ء میں "عیدِ قیامت" کے نام سے اپنے پیروؤں کا ایک اجتماع عظیم کیا اور اس میں شریعت اسلام کے تمام ظاہری احکام منسوخ کرنے کا اعلان کردیا اور انہیں دعوت قیام دی۔ اس اقدام پر راسخ العقیدہ علمائے اسلام نے باطنیوں کے ملحد و زندیق ہونے کے فتوے صادر کئے۔ باطنیوں کے اِس امام نے "مومن آباد" کے نام سے ایک نیا گاؤں آباد کیا۔ حسن اپنے حلقہ اقتدار کو وسیع تر کرنے کی یہ تدبیریں ہی کر رہا تھا۔ کہ ۱۱۶۶ء میں حسین ابن نیاہ بویہی نے اُسے قتل کردیا۔ اور نورالدین محمد اس کا جانشین بنا۔

حشاشی فدائیوں کی سرگرمیاں ان شیوخ الجبل کے عہدوں میں بدستور جاری رہیں۔ باطنی نزلہ کے لیڈر فدائیوں کی تربیت بڑی محنت سے کرتے تھے۔ انہیں اسلحہ کے استعمال میں مہارت حاصل کرائی جاتی تھی جفاکش بنایا جاتا تھا۔ بھیس بدلنے اور دوسری زبانوں میں مہارت پیدا کرنے کی تعلیم دی جاتی تھی۔ اور یہ فدائی سلسلۂ باطنیہ کے دشمنوں کو خواہ وہ سنی ہوں شیعہ۔ مغل یا عیسائی کچھ بھی کیوں نہ ہوں بے دریغ قتل کردیتے تھے۔ فدائی اپنے شکار پر کھلم کھلا حملہ کرتے تھے۔

عام طور پر وہ مسلمانوں کو جمعہ کے اجتماع میں اور عیسائیوں کو گرجے کے اندر اتوار کے اجتماع میں دلیرانہ طور پر قتل کر دیتے تھے۔ اور سزائے موت سے قطعاً بے پروا ہوتے تھے۔ بعض اوقات یہ فدائی محض تہدید قتل ہی سے اپنا مقصد حاصل کر لیتے تھے۔ یعنی جس شخص کو ڈرانا ہوتا تھا اس کی خواب گاہ میں چپکے سے داخل ہو کر زمین کے اندر خنجر گھونپ آتے تھے۔ یہ اس بات کی علامت تھی کہ فدائی جب چاہیں اسے قتل کر سکتے ہیں۔ بعض اوقات باطنی فرقہ کے لوگ مخالفین کو مخالفت سے باز رکھنے کے لئے تہدید و تحریص دونوں سے کام لیتے تھے۔

روایت ہے کہ باطنیوں کے امام شیخ الجبل نورالدین محمد نے اسلام کے مشہور منطقی علامہ فخرالدین رازی کو اسی طریق سے ملاحدہ کے خلاف وعظ کہنے سے روکا۔ ایک فدائی خنجر اور کیسہ زر لے کر علامہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور کہا کہ دونوں میں سے ایک چیز قبول فرمالیں۔ علامہ رازی نے کیسہ زر قبول کر لیا اور باطنی ملاحدہ کے متعلق وعظ کہنا چھوڑ دیا۔ جب لوگوں نے وجہ دریافت کی تو اس ماہر منطقی نے جواب دیا کہ ملاحدہ نے مجھے "روشن اور تیز" دلائل سے قائل کر لیا ہے اس لئے اب میں ان کے متعلق کچھ نہیں کہتا۔ روایت ہے کہ نورالدین محمد علامہ رازی کو اس کے بعد بھی وظیفہ دیتا رہا۔

فدائی اپنے شیوخ کے ذرا سے اشارے پر جان قربان کر دینا ایک کھیل سمجھتے تھے۔ مذکور ہے کہ یروشلم کے صلیبی عیسائی بادشاہ

ہنری نے شام کے قلعہ بنیاس کے باطنی شیخ سے ملاقات کی۔ شیخ نے اس عیسائی کو متاثر کرنے اور اس کے دل پر اپنی طاقت کا سکہ بٹھانے کے لئے دو فدائیوں کو بلند مینار پر چڑھنے کا حکم دیا جنہوں نے شیخ کا اشارہ پاتے ہی اپنے آپ کو نیچے گرا دیا اور جان دے دی۔ ہنری اس واقعہ سے بہت متاثر ہوا۔ اور اس نے جان لیا کہ باطنیوں کے شیخ سے لڑنا آسان کام نہیں جس کے پیرو شیخ کے ذرا سے اشارے پر جان دینے میں دریغ سے کام نہیں لیتے۔

نورالدین محمد نے سنہ ۱۲۱۰ء میں وفات پائی۔ اور اس کی جگہ جلال الدین شیخ الجبل بنا باطنیوں کا یہ امام باطنی عقاید سے تائب ہو کر راسخ العقیدہ یعنی سنی مسلمان بن گیا اور اس نے تاریخ میں نومسلم ہونے کا خطاب پایا۔ خلیفہ بغداد الناصرالدین اللہ سے اظہار وفاداری کیا اور دوستانہ تعلقات قائم کر لئے۔ اپنی ماں کو بیت اللہ شریف کے حج کے لئے بھیجا قزوین کے علماء اور فقہا کو المؤت میں بلایا اور انہیں اختیار دیا کہ شیخ الجبل کے بھاری کتب خانہ کی چھان بین کریں اور تمام الحاد پرور کتابیں نکال کر جلا دیں۔ خلیفہ الناصرالدین اللہ نے اس شیخ الجبل کو بہت عزت دی جس کی وجہ سے علاؤالدین خوارزم شاہ حسد کی آگ میں جلنے لگا۔ صرف اس شیخ الجبل نے قلعۂ المؤت سے باہر نکل کر عراق۔ اران اور آذربیجان کا دورہ کیا۔ طوائف الملوکی کے زمانے میں یہ آتابیک مظفرالدین ایبک (سنہ ۱۲۱۳ء)

اور جلال الدین خوارزم شاہ کا حلیف بنا رہا۔ لیکن جب ۱۲۲۰ سنہ میں مغلوں کے لشکر کوہستان میں داخل ہوئے تو اُس نے اُن کی اطاعت قبول کر کے اپنے قلعوں کو تاراجی سے بچا لیا۔ اسی سال اس کے حرم کی عورتوں میں سے کسی نے اُسے زہر کھلا دیا۔ اور اسی طرح باطنی ملاحدہ کا مسلمان امام فوت ہو گیا۔

جلال الدین کے بعد اس کا بیٹا علاؤ الدین ۹ سال کی عمر میں شیخ الجبل بنا اور اس کے جوان ہونے تک اس کا وزیر مدار المہام کے طور پر مملکت کا انتظام سنبھالتا رہا۔ یورپ کے سیاح مارکوپولو نے جو منگولیا کے مغل شہنشاہ کے دربار میں رہا تھا اپنے سفرنامے میں اسی شیخ الجبل کا تذکرہ کیا ہے۔ علاؤ الدین کو ۶۵۳ہجری مطابق ۱۲۵۵ء میں اس کے بیٹے رکن الدین خورشاہ نے قتل کرا دیا۔ اور خود شیخ الجبل بن گیا۔ رکن الدین خورشاہ نے باپ کے قاتل حسن مازندرانی کو بھی مروا دیا تاکہ اس پر سے باپ کو قتل کرانے کا شبہ دُور ہو جائے ۱۲۵۶ء میں رکن الدین خورشاہ پر ہلاکو خان مغل کی صورت میں قہر خداوندی نازل ہوا۔ جس نے رکن الدین کو قید کر لیا اور قلعہ المُوت اور باطنیوں اور حشاشیوں کے مصنوعی بہشت کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اس کا حال ہم اس باب کی آخری فصل میں بیان کریں گے۔

مصر اور شام میں ایوبیوں کی سلطنت

صلاح الدین ایوبی کی صلیبی جنگیں

نور الدین زنگی

سنہ ۱۱۴۶ء سے

سنہ ۱۱۷۳ء تک

سلطان سنجر کے عہد میں سنہ ۱۱۴۶ء میں موصل اور دیار بکر کی ولایات کا اتابیک نور الدین زنگی مقرر ہوا۔ جو بڑا بہادر اور منتظم حاکم تھا۔ ایسے نور الدین زنگی نے سنہ ۱۱۵۴ء میں جب غزنین کے شہر کو غور کا سلطان علاؤالدین جہاں سوز نذر آتش کر چکا تھا۔ دمشق کا شہر مصر کے فاطمی خلیفہ کے ہاتھ سے چھین لیا اور ملک شام کے ان حصوں پر جن پر

کہ صلیبی عیسائی قابض نہ ہو سکے تھے اپنی حکومت قائم کرلی۔ ابن آتابیک کا ایک بہادر سالار صلاح الدین ایوبی تھا جس نے ۵۶۶ھ مطابق ۱۱۷۱ء میں مصر پر چڑھائی کی اور قاہرہ کا شہر سر کرکے وہاں کی اسماعیلی فاطمی خلافت کا خاتمہ کر دیا۔ دو سال بعد نور الدین زنگی کی وفات پر جب اس کا کوئی قابل جانشین آگے نہ آیا تو صلاح الدین ایوبی نے دمشق اور شام پر لشکر کشی کرکے ان انتظاع کو مملکت مصر میں شامل کرلیا اور ۱۱۷۳ء میں خاندان ایوبیہ کی سلطنت کو فاطمی خلافت کا جانشین بنا لیا۔

جہاد کا احیاء اور القدس کی بازیابی

صلاح الدین ایوبی پہلا شخص تھا جس کو القدس (یروشلم) اور فلسطین کے دوسرے انتظاع پر صلیبی عیسائیوں کا قابض ہونا ناگوار گزرا اور اس نے اس مقدس سرزمین کو غیر مسلموں کے چنگل سے چھڑانے کے لئے جہاد کا فریضہ ادا کرنے کی ضرورت محسوس کی۔ صلیبی عیسائیوں کو القدس پر قابض ہوئے دو کم نوّے سال گزر چکے تھے۔ اس طویل مدت میں مسلمان خلفا۔ سلاطین۔ امرا۔ اتابیک اور شیوخ جن میں سنی۔ شیعہ۔ اسماعیلی۔ اور باطنی ہر عقیدہ کے لوگ یکساں طور شامل تھے اپنے اپنے قدح کی خیر مناتے رہے۔ بعض اپنے اقتدار کو مستحکم کرنے اور دوسروں کو زک دینے کی

میں مصروف رہے۔ کسی نے اِس مقدس سرزمین کو عیسائیوں کے ہاتھ سے چھڑانے کا خیال تک نہ کیا۔

سلطان صلاح الدین ایوبی نے ۱۱۸۷ء مطابق ۵۸۳ھ ہجری میں یروشلم کے عیسائی بادشاہ کے خلاف جنگ شروع کر دی اور یکم جولائی کو چھ دن کے محاصرے کے بعد طبریہ کا قلعہ سر کر لیا۔ اس کے بعد حطین کے مقام پر یروشلم کے بادشاہ گائی ڈی لوگینان اور اس کے حلیف ڈیوک رچنالڈ آف چیٹیلان کے لشکر کے ساتھ بھاری جنگ کی۔ فرینکوں یعنی عیسائیوں کے لشکر کی تعداد بیس ہزار تھی۔ جمعہ کے روز لڑائی ہوئی۔ سلطان صلاح الدین نے عیسائیوں کا سارا لشکر اس کے بادشاہ اور سرداروں سمیت گرفتار کر لیا۔ سلطان نے یروشلم کے عیسائی بادشاہ سے نیا ہمانہ سلوک کیا لیکن رچنالڈ آف چیٹیلان کو بد عہدی کرنے کی بنا پر قتل کرا دیا۔ اس نے طبریہ کے محاصرے کے وقت اس مضمون کا حلفیہ وعدہ دے کر رہائی پائی تھی کہ وہ سلطان کے خلاف نہیں لڑے گا۔ لیکن حطین کی جنگ میں پھر مقابلے پر آ گیا۔ رچنالڈ نے پانی مانگ کر سلطان کا مہمان بننے کی کوشش کی تاکہ جان بچ جائے۔ کیونکہ مسلمان اپنے مہمان کو قتل نہیں کرتے تھے لیکن اسے پانی نہیں دیا گیا تھا۔ ۲ اکتوبر کو سلطان کی فوجیں یروشلم میں داخل ہو گئیں مسجد اقصیٰ میں ناقوس کی جگہ پھر اذانیں گونجنے لگیں۔ اور الصخرہ کے گنبد پر سے سونے کی صلیب اتار دی گئی۔ جو عیسائیوں نے

وہاں نصب کر دی تھی۔

اس کے بعد سلطان نے اور بہت سے قلعے عیسائیوں کے ہاتھ سے چھین لئے۔ صرف انطاکیہ۔ طرابلس اور صور عیسائیوں کے قبضے میں رہے۔

اہلِ فرنگ کی دُوسری صلیبی مہم

۱۱۹۲ء

یروشلم پر مسلمانوں کا قبضہ ہو جانے پر فرنگستان کی عیسائی دُنیا کے در و دیوار پر ایک دفعہ پھر لرزہ طاری ہو گیا۔ اور یورپ کے بادشاہوں اور نوابوں نے متحد العمل ہو کر پھر ایک زبردست صلیبی جنگ اختیار کی۔ جرمن کا بادشاہ فریڈرک باربروسا۔ انگلستان کا بادشاہ رچرڈ شیر دل۔ فرانس کا بادشاہ فلپ آگسٹس اور یورپ کے دُوسرے چھوٹے حکمران لشکر لے کر اور اپنے سینوں پر صلیبیں آویزاں کر کے چلے۔ فریڈرک راستے ہی میں غرق آب ہو گیا۔ رچرڈ نے جزیرہ قبرص سر کیا۔ فلسطین کے صلیبی عیسائی بادشاہ گائی ڈی لوزگنان نے حطین کی جنگ میں اِس مضمون کا حلفیہ وعدہ دے کر رہائی حاصل کی تھی کہ وہ پھر سلطان کے خلاف نہیں لڑے گا لیکن یورپ سے صلیبیوں کی نئی امداد کے آنے پر اُس نے حلف توڑا اور لشکر لے کر

عیلبیوں سے مل گیا۔ عیسائیوں نے عکّہ کے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ محصورین ہتھیار ڈال لئے اور اپنے آپ کو عیسائیوں کے رحم پر چھوڑ نے کے لئے مجبور ہو گئے۔ سلطان صلاح الدین لشکر لے کر آگے بڑھا۔ اور اب اس نے عکّہ کا محاصرہ کر لیا۔ جنگ جاری ہو گئی۔ رچرڈ قبرس سے اپنا لشکر لے کر عیسائیوں کی مدد کو آن پہنچا۔ اس کی آمد پر عیسائیوں نے بڑی خوشیاں منائیں۔ دونوں طرف کے بہادر داد شجاعت دینے لگے۔ عیسائیوں نے صلاح الدین کو پیغام بھیجا کہ ایک ماہ کے اندر اندر دو لاکھ طلائی دینار اور مقدس صلیب دے دو تو ہم عکّہ کے مسلمانوں کی جاں بخشی کریں گے ورنہ ان سب کو قتل کر دیں گے۔ ایک ماہ گذر جانے پر جب مطلوبہ رقم اور صلیب نہ ملی تو رچرڈ نے شہر کے ستائیس ہزار مسلمان قتل کرا دیئے۔ یہ صلاح الدین کے اس شریفانہ سلوک کا فرنگیانہ بدلا تھا جو سلطان نے یروشلم فتح کرتے وقت عیسائیوں سے کیا تھا۔ سلطان نے اس وقت ایک ہزار عیسائی قیدی اپنے بھائی کی سفارش پر اور ایک ہزار یروشلم کے بطریق (پادری) کی درخواست پر چھوڑ دیئے تھے۔ اور باقی ماندہ اپنی طرف سے رہا کر دیئے تھے۔

لڑائی جاری رہی رچرڈ کی طرف سے سلطان کو صلح کی پیشکش بھیجی گئی۔ شرطیں یہ تھیں کہ رچرڈ کی بہن صلاح الدین کے بھائی کو بیاہ دی جائے اور اس جوڑے کو یروشلم دے دیا جائے۔ صلاح الدین

نے یہ پیشکش منظور نہ کی۔ آخر ۲۔ نومبر ۱۱۹۲ء کو مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان ان شرطوں پر صلح ہو گئی کہ ساحلی علاقہ عیسائیوں کے قبضہ میں رہے اور یروشلم میں سب کو یعنی عیسائیوں یہودیوں اور مسلمانوں کو عبادت کرنے کی کھلی اجازت ہو۔

سلطان صلاح ایوبی اس واقعہ کے اگلے سال یعنی ۵۸۹ھ مطابق ۱۱۹۳ء میں فوت ہو گیا۔ اسی سال مملکتِ اسلامی کے مشرقی سرے پر سلطان شہاب الدین محمد غوری نے رائے پتھورا کو شکست دے کر ہندوستان میں ایک نئی اسلامی سلطنت پیدا کرنے کی بنیاد رکھی۔

ملک الناصر سلطان صلاح الدین ایوبی بہت بہادر بیدار مغز۔ علم پرور۔ عالم نواز۔ بادشاہ اور راسخ العقیدہ سنی مسلمان تھا۔ صلاح الدین اپنے دشمنوں کے ساتھ بھی نرمی اور فیاضی سے پیش آتا تھا۔ اس نے اپنے سلوک سے صلیبی سورماؤں کے دل موہ لئے۔ اس کی شجاعت اور مردانگی کے واقعات مشرق و مغرب کے لٹریچر میں داستانوں کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں اس نے رفاہِ عامہ کے بہت سے کام کئے۔ بند بنوائے۔ نہریں کھدوائیں اسکول کھولے۔ مسجدیں بنوائیں اور عمارتیں تعمیر کرائیں۔

مصروشام پر خاندانِ ایوّبی کی حکمرانی

سلطان صلاح الدین ایوبی کی وفات کے بعد اس کی اولاد میں سے نو بادشاہوں نے یکے بعد دیگرے ۶۵۲ھ مطابق ۱۲۵۴ء تک مصر اور شام کی سلطنت پر حکومت کی ان کے نام حسب ذیل ہیں :-

ملک العزیز عثمان (وفات ۵۹۶ھ) ملک المنصور محمد (وفات ۵۹۷ھ) ملک العادل سیف الدین ابوبکر (وفات ۶۱۵ھ) ملک الکامل محمد بن عادل (وفات ۶۳۵ھ) ملک العادل ابوبکر ابن کامل (وفات ۶۳۷ھ) ملک الصالح ایوب نجم الدین وفات ۶۴۷ھ (۱۲۴۹) ملک المعظم تورانشاہ وفات ۶۴۸ھ (۱۲۵۰) ملک الاشرف موسیٰ ابن یوسف (معزولی ۶۵۲ھ ۱۲۵۴ء) شجرۃ الدر کنیز ملک الصالح (

ملک الاشرف کی معزولی کے ساتھ خاندان ایوبیہ کی حکمرانی کا خاتمہ ہوگیا اور حکومت کی باگ ڈور ان مملوکوں (غلاموں) نے سنبھال لی جو سلاطین ایوبیہ نے فوج میں بھرتی کر رکھے تھے - یہ مملوک کردستان قفقاز گرجستان - اور فرنگستان سے لائے جاتے تھے - یہی ملک کا انتظام کرتے تھے - ملک الاشرف کی معزولی کے بعد یہ مملوک خود ہی اپنا امیر چن لیتے تھے - اور اسے بادشاہ تسلیم کر لیا کرتے تھے -

دیارِ مغرب اور اُندلس میں طوائف الملوکی

موحّدین کی حکومت

دیارِ مغرب یعنی تیونیشیہ - الجزائر اور مراقش میں ۱۱۰۷ء میں موحّدین نے حکومت قائم کر لی تھی اور ۱۱۴۵ء میں اندلس پر چڑھائی کر کے المرابطہ خاندان کے آخری امیر تاشفین کا خاتمہ کر دیا تھا موحّدین کے مشہور اُمرا محمد بن تومرت (بانی سلطنت) (وفات ۱۱۳۰ء) عبدالمومن الموحّد (وفات ۱۱۶۳ء) یوسف الموحّد (وفات ۱۱۸۴ء) یعقوب (وفات ۱۱۹۰ء) المنصور (وفات ۱۲۲۵ء) گزرے ہیں)

المنصور الموحّد نے ۱۱۹۵ء میں اندلس میں ارکش کے مقام پر عیسائیوں کے بھاری لشکر کو شکست دی۔ لیکن موحّدین کی طاقت کا شیرازہ جلد ہی بکھر گیا۔ اور ۱۲۲۵ء تک اندلس اور دیارِ مغرب میں پھر طوائف الملوکی کا دور دورہ ہو گیا۔ تیز میں میرینی خاندان

طلیسان میں زیجانی خاندان۔ تیونیشیہ میں حفصی خاندان۔ اندلس میں ابنِ ہود کے خاندان کے اُمرا نے اپنی اپنی ریاستیں قائم کرلیں۔ سنہ ۱۲۳۲ء میں نصری خاندان کے امیر نے غرناطہ میں ایک طاقتور ریاست قائم کی۔ اس خاندان کے امیر نے سنہ ۱۲۴۸ء میں قصر الحمرا کی تعمیر شروع کی۔ یہ قصر پورے سو سال تک تعمیر ہوتا رہا۔ اور عجائباتِ عالم میں شمار ہوا۔ اس کے کھنڈر اور آثار آج تک گردشِ زمانہ کے عبرتناک مناظر پیش کر رہے ہیں۔ سنہ ۱۲۳۶ء میں مسلمانانِ اندلس کے انتشار کو دیکھ کر ارلیون اور کیسٹیلیہ کی عیسائی ریاستیں ایک دوسرے میں مدغم کرلی گئیں۔ اور عیسائیوں نے متحد ہو کر سنہ ۱۲۴۸ء میں اشبیلیہ کی اہم اسلامی ریاست کا خاتمہ کردیا۔ اس کے بعد اندلس میں مسلمانوں کے اقبال کا ستارہ رُو بہ زوال ہونے لگا۔

افریقہ پر لوئیس نہم کی صلیبی یلغار

سنہ ۱۲۴۹ء میں دیارِ مغرب یعنی افریقہ کے مسلمانوں کو طوائف الملوکی میں مبتلا پاکر فرانس کے بادشاہ لوئی نہم نے الجزائر کی بندرگاہ دمیطہ پر چڑھائی کرکے اس پر قبضہ کرلیا اور وہاں سے قاہرہ کی طرف یلغار کرتے ہوئے مصر پر چڑھائی کی۔ مصر کا فرماں روا اس وقت الملک الصالح الیوب نجم الدین ایوبی تھا جو اسی سال فوت ہوگیا۔

اس کے جانشین توران شاہ نے لوئی نہم کو شکست دے کر گرفتار
کر لیا۔ لوئی نہم کا سارا لشکر تباہ کر دیا گیا۔ اور مصر کے سلطان نے
شاہ فرانس کو زرِ فدیہ لے کر رہا کیا۔

اس دَور کی علمی، ادبی، ثقافتی اور رُوحانی سرگرمیاں

زیرِ تبصرہ دَور میں بھی مسلمانوں کے معاشرے میں علمی - ادبی ثقافتی اور رُوحانی سب سرگرمیاں بہت ترقی پذیر رہیں۔ طلبِ علم کا شوق اِس حد تک بڑھا ہوا تھا کہ اندلس کے طالبانِ تحصیل علم کے لئے شام - عراق - ایران اور ترکستان تک آتے تھے اور ہندوستان تک سیاحتیں کرتے اور سفرنامے لکھتے تھے۔ صوفیائے کرام علم و عرفان کی روشنی پھیلانے کے لئے ساری اسلامی مملکت میں سفر کرتے تھے۔ اُمرا اور سلاطین اہلِ کمال کے قدردان تھے اور اربابِ علم و فضل کو اپنے پاس رکھنا اور اُن کی پرورش کرنا باعثِ فخر سمجھتے تھے۔ اِس دَور کے مشاہیر میں سے چند ایک کا تذکرہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

"حی ابن یقظان" کا مصنف مشہور فلسفی ابن طفیل اندلسی (وفات ۱۱۸۵ء) فلسفہ - ہیئت - طب کا ماہر حکیم ابن الرشد قرطبی - سلطان صلاح الدین کا شاہی طبیب اور فلاسفر موسیٰ

ابن میمون یہودی (وفات سنہ ۱۲۰۴ء) صوفی وعارف ابن عربی (وفات سنہ ۱۲۴۰ء) نباتیات کا ماہر ابن بیطار (وفات سنہ ۱۲۴۶ء) جغرافیہ نویس ابو عبداللہ محمد الادریسی (وفات سنہ ۱۱۶۶ء) تاریخ فلاسفہ کا مصنف قفطی - مرصاد العباد کا مصنف نجم الدین رازی - اساتذہ شعر خاقانی (وفات سنہ ۱۱۶۶ء) نظامی گنجوی (وفات سنہ ۱۲۰۲ء) ظہیر فاریابی (وفات سنہ ۱۲۰۱ء) انوری وفات سنہ ۱۱۸۹ء) مشہور ومعروف مورخ عزالدین ابن اثیر جزری (وفات سنہ ۱۲۳۳ء) مورخین ابن العبری مسیحی - جرجیس مسیحی - ابوالفدا حماتی - عتبی - البنداری - اسفندیاری وغیرہم جغرافیہ نویس یاقوت مصنف "معجم البلدان" و "مراصد الاطلاع" وغیرہ - زکریا القزوینی مصنف عجائب المخلوقات و آثار البلاد وغیرہ - منہاج السراج مصنف طبقات ناصری - ابن جبیر اندلسی سیاح - عوفی مصنف "لباب الالباب" "جامع الحکایات" و "الروایات" وغیرہ فخر الدین رازی (وفات سنہ ۱۲۱۹ء - دینیات - فلسفہ - ریاضی - طبیعیات - ہیئت کا متبحر عالم ناصر الدین طوسی مصنف "اخلاق ناصری" (وفات سنہ ۱۲۷۴ء) ستارہ شناس الجینی الخوارزمی (وفات سنہ ۱۲۲۱ء) شیخ محی الدین البونی ماہر طلسمات وسحر - تفاشی ماہر معدنیات - عزالدین زنجانی ماہر علم تجوید - جمال القراشی - مترجم صحاح - ابن الحاجب مصنف کافیہ شافیہ - ضیاء الدین ابن الاثیر - ماہر علم تجوید مجدالدین ابن الاثیر محدث - عبداللہ ابن عمر البیضاوی

مفسر قرآن - یاقوت المستعصمی خطاط ابو نصر فراہی مصنف نعت منظوم و مسائل فقہ منظوم۔

صوفیائے کرام میں سے نجم الدین کبریٰؒ (وفات سنہ ۱۲۲۱ء) فرید الدین عطار (وفات سنہ ۱۲۲۹ء) شیخ عبد القادر جیلانیؒ (وفات سنہ ۵۶۱ھ / سنہ ۱۱۶۵ء) ابو النجیب سہروردی (وفات سنہ ۱۱۶۷ء) شیخ شہاب الدین سہروردی (وفات سنہ ۱۲۳۴ء) شرف الدین ابو حفص عمر ابن الفرید الحموی (وفات سنہ ۱۲۳۵ء) شطّاح فارسی شیخ محمد ابو محمد روزبہان عباس ابن ابی نصر الباقی (وفات سنہ ۱۲۰۹ء) ابو سعید مجد الدین ابن المؤید البغدادی (وفات سنہ ۱۳۰۶ء) صدر الدین حموی (وفات سنہ ۱۲۵۲ء) نجم الدین دایہ (وفات سنہ ۱۲۵۶ء) شیخ عثمان ہارون (وفات سنہ ۶۳۰ء) خواجہ معین الدین چشتی (وفات سنہ ۶۳۲ھ سنہ ۱۲۳۳ء) خواجہ قطب الدین بختیار کاکی (وفات سنہ ۶۳۲ھ سنہ ۱۲۳۴ء) شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی (وفات سنہ ۶۶۱ھ سنہ ۱۲۶۳ء)

خلافتِ عباسیہ کا خاتمہ

مملکتِ اسلام کے قلب پر غیر مسلم مغلوں کا قبضہ

اب گردشِ ایام نے کروٹ لی اور قلبِ مملکتِ اسلام کے مسلمانوں پر منگولیا کے لامذہب ارواح پرست مغلوں کے اقتدار کی صورت میں ایک ایسی بلا نازل ہوئی جس کا تصور اسلام کے آغاز سے لے کر اس وقت تک کسی مسلمان کے خواب و خیال میں بھی نہ آیا تھا منگولیا کے مغلوں نے جو اس وقت تک چین - تاتار - ترکستان - یورپی روس اور فرنگستان کے دوسرے اقطاع کو سر کر کے ایک وسیع سلطنت قائم کر چکے تھے فیصلہ کر لیا کہ مملکتِ اسلام کو بھی ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک فتح کر کے اپنی عالمگیر سلطنت میں شامل کر لیں۔ ہم بتا چکے ہیں کہ منگولیا کے ان مغلوں نے ۱۲۱۹ء سے ۱۲۲۱ء تک خوارزم کی وسیع سلطنت میں

وحشیانہ یلغار کی۔ ترکستان۔ خراسان اور ایران کے شمالی قطعات کو تاراج کیا۔ شہروں کے شہر جلا دیئے۔ آبادیاں اُجاڑیں۔ مسلمانوں کا قتل عام کر کے ان کے معاشرے کو خون کا غسل دیا۔ ۱۲۲۹ء میں مغلوں کے لشکر نے نویان جورماغون کی سرکردگی میں ایران پر دوسرا حملہ کیا اور جلال الدین خوارزم شاہ کے سہمے ہوئے اقتدار کو جو مغلوں کی پہلی یلغار ہی سے بُری طرح مجروح ہو چکا تھا۔ آخری ضرب لگا کر اس کا خاتمہ کر دیا۔ ۱۲۳۱ء سے ۱۲۵۶ء تک پچیس سال میں اسلام کی مملکت کے یہ اقطاع بد امنی اور طوائف الملوکی کی آماجگاہ بن گئے۔ ریاستوں کے اُمرا نے ایک دوسرے پر غلبہ حاصل کرنے کے لئے آپس میں جدال و قتال کا معرکہ گرم کیا۔ بلکہ یہ کیفیت تو دس سال پہلے سے جب کہ مغلوں نے پہلی یلغار کی تھی رُونما ہو چکی تھی۔ اور اس سے پہلے علاؤالدین محمد خوارزم شاہ کی یلغاریں مملکت اسلام کے ان اقطاع میں ہل چل پیدا کر چکی تھیں۔ نصف صدی کی ان انتشار انگیز کیفیات میں اس دور کے مسلمان اپنی بہت سی خوبیوں کو ضائع کر چکے تھے۔ اور مغل جو اپنی تلوار اور اپنی تنظیم کے بل پر ایشیا اور یورپ کے وسیع قطعات میں ایک عالمگیر سلطنت برپا کر رہے تھے۔ مملکتِ اسلامی کی اس تباہ حالی سے پوری طرح باخبر تھے۔ چنانچہ انہوں نے ۱۲۵۵ء کی فوج کشائی

یعنی اپنی قومی مجلس کے بڑے اجتماع میں ملک گیری اور کشور کشائی کی دو بڑی مہمیں اختیار کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ جن میں سے ایک مہم تو چین کے جنوبی اقطاع۔ ہند چینی۔ سیام۔ برما اور ملایا وغیرہ کو سر کرنے کے لئے روانہ ہو گئی۔ اور دوسری مہم اسلام کی مملکت کو منگولیا کے قاآنِ اعظم منگو خاں کے حلقۂ اقتدار میں لانے کے ارادے سے مغرب کی طرف روانہ ہوئی۔ اس مہم کا سپہ سالار چنگیز خاں کا پوتا ہلاکو خاں تھا۔

باطنیوں کا استیصال

سنہ ۱۲۵۶ء

مغل اپنی پہلی دو مہموں میں بہت سے مسلمان کاریگروں صناعوں اور اربابِ علم و دانش کو اسیر کر کے منگولیا لے گئے تھے۔ اس لئے مسلمانوں کے تمدن۔ اس کے طریق بود و باش اور ان کے افکار و خیالات سے کافی حد تک آگاہ ہو چکے تھے۔ اس کے علاوہ خود خراسان اور ایران کے اندر بعض مسلمان امرا ایسے پیدا ہو چکے تھے جو چڑھتے آفتاب کی پرستش کو لازم گردانتے ہوئے مغلوں کے ساتھ دوستی اور وفاداری کے روابط قائم کر چکے تھے۔ تاہم مسلمانوں کی ذلاتت کے دو مرکز یعنی باطنیوں کے شیخ الجبل کا قلعۂ الموت اور مشتی مسلمانوں کا مرجع عقیدت عباسی دارالخلافہ کا

دارالخلافہ بغداد ان کی نگاہوں میں خار کی طرح کھٹک رہے تھے۔
ہلاکو خان انہی دو مراکز کو تاراج اور ختم کرنے کا نقشہ لے کر منگولیا کے
کوہ "التاقت" کے دامن سے چلا۔ اور پہلے وہ کیش سے آگے
بڑھ کر باطنیوں کے شیخ الجبل کا خاتمہ کرنے کے درپے ہوا۔ ہلاکو خان
نے حشاشین کے بہت سے قلعے تون۔ خورف۔ خسف وغیرہ
سر کر لئے۔ بعض قلعے شیخ الجبل رکن الدین نے رشوت کے طور پر
نذر کر دیئے۔ جہاں اسماعیلیوں نے مغلوں کا مقابلہ کیا وہاں انہوں
نے اپنے قاعدۂ جنگ کے مطابق ان کا قتلِ عام کرنے میں دریغ
سے کام نہ لیا۔ رکن الدین نے اپنے بھائی شہنشاہ کو تین سو باطنیوں
کے ساتھ یرغمال کے طور پر ہلاکو خان کے پاس بھیجا۔ لیکن مغلوں
نے جمال آباد میں اس کو اور اس کے ساتھیوں کو بھی قتل کر دیا۔
اس کے بعد قزوین میں باطنیوں کا قتل عام کیا۔ رکن الدین نے
یہ حال دیکھ کر خان سے یرلیغ (جاں بخشی کا فرمان) حاصل کیا اور
اپنے آپ کو مغلوں کے حوالے کر دیا۔ ہلاکو خان نے المُوت اور میمون
دژ کے قلعے باطنیوں کے مصنوعی بہشت سمیت تاراج کر کے
جلا دیئے۔ باطنیوں کے جو قلعے باقی رہ گئے وہ بھی مغلوں کے لشکر
نے دو تین سال کی مدت میں سر کر لئے۔ لمسر ۱۲۵۸ء میں اور
گودکوہ ۱۲۶۰ء میں فتح ہوا۔

مغل شیخ الجبل رکن الدین کو جس نے اپنے باپ کو قتل کرایا

تھا۔ پہلے ہمدان لے گئے۔ وہاں سے ایک مغل لڑکی خدمت کیلئے دی گئی۔ گھوڑے دیئے گئے۔ اور دارالسلطنت قراقورم کی طرف روانہ کردیا گیا تاکہ قاآنِ اعظم منگو خاں کے حضور میں پیش ہو اور آداب بجالائے۔ مغل شہنشاہ نے اس کی آمد کی خبر پاتے ہی اُسے قتل کرنے کا حکم دے دیا اور کہا کہ ڈاک کے گھوڑوں کو خواہ مخواہ تکلیف دی گئی کہ اس بے مصرف بارکو اُٹھا کر یہاں تک لائیں۔ مغلوں نے ایران میں اسماعیلیوں کے قتل نام سے اچھی طرح ہاتھ رنگے۔ اور بہتوں نے ادھر اُدھر بھاگ کر جانیں بچائیں۔ چترال۔ زنجبار۔ شام۔ ہندوستان اور پاکستان (بمبئی سورت اور کراچی) میں اب بھی اس فرقہ کے لوگ موجود ہیں جن کا امام آغا خان ہے۔

بغداد کی تاراجی

مملکتِ اسلام کے اسنّی مسلمان خوش تھے کہ مغل کا فرول نے فرقہ باطنیہ کے ملاحدہ کا استیصال کردیا۔ لیکن ان کی یہ خوشی وقتی اور عارضی ثابت ہوئی۔ ۱۲۵۷ء میں ہلاکو خان نے ہمدان سے بغداد کے خلیفہ مستعصم باللہ کو لکھا:-

"شہنشاہِ جہاں قاآنِ اعظم کی اطاعت قبول کرو۔ اپنے آپ کو اور بغداد کو ہمارے حوالے کردو۔ اگر ایسا نہ

کروگے تو قادرِ مطلق آسمانِ بالا ہی جان سکتا ہے کہ تمہارا کیا حشر ہوکر رہے گا؟"

خلیفہ نے شرف الدین عبداللہ ابن جوزی کو سفیر بنا کر مذاکراتِ صلح کے لئے خان کے پاس بھیجا۔ لیکن ہلاکو خان نے دربارِ خلافت کی شرطیں منظور نہ کیں۔ سفارت ناکام واپس لوٹی۔

نومبر ۱۲۵۷ء میں ہلاکو خاں نے بغداد پر چڑھائی کر دی۔ مسلمان امرا میں سے سعدی شیرازی کا ممدوح ابوبکر بن سعد زنگی اتابیک شیراز اور بدرالدین لولو اتابیک موصل ہلاکو خان کے ہمرکاب تھے۔ ان کے علاوہ اور بہت سے مسلمان بھی جنہوں نے مغلوں کی ملازمت اختیار کر لی تھی۔ مغلوں کے لشکر میں شامل تھے۔ مشہور حکیم ہیئت دان ناصرالدین طوسی مصنف "اخلاق ناصری" بھی جو شیخ الجبل رکن الدین کا مصاحب تھا ہلاکو کا ملازم بن چکا تھا۔ تیس ہزار مغلوں کے ایک لشکر نے ہلاکو خاں کی سرکردگی میں مشرق کی طرف سے بغداد کا قصد کیا اور اسی ہزار مغلوں کا دوسرا لشکر تکریت کی راہ سے چلا تاکہ مغرب کی طرف سے دارالخلافت پر حملہ کرے۔ خلیفہ اسلام کی طرف سے بیس ہزار مجاہدین نے تکریت کے مقام پر مغلوں کے لشکر کا مقابلہ کیا۔ اور شکست کھا کر دجلہ کا پُل توڑ دیا۔ لیکن مغل جلد ہی دُجیل الاسحاقی نہر ملک اور نہر عیسٰی کے علاقوں میں پہنچ گئے۔ دوسرا معرکہ ۱۱ جنوری ۱۲۵۸ء کو دُجیل کے مقام پر

ہوا۔ مسلمانوں کے لشکر نے تعداد کی کمی کے باوجود مغلوں پر فوقیت حاصل کرلی۔

مُغل پسپا ہوئے۔ آپ اُنہوں نے رات کے وقت چینی انجنیروں کی مدد سے دریا کے بند توڑ دیئے۔ سارے علاقہ میں سیلاب آگیا اور خلیفہ کے لشکر نے شکست کھائی۔ ان معرکوں میں مسلمانوں کے لشکر کی قیادت مجدالدین ایبک اور ملک عزالدین ابن فتح الدین نامی دو سالار کر رہے تھے۔

اس شکست کے بعد دربار خلافت کے بعض اُمرا نے خلیفہ اسلام المستعصم باللہ کو بھاگ نکلنے کا مشورہ دیا۔ لیکن خلیفہ کے وزیراعظم موید الدین محمد ابن علقمی نے اس رائے کی مخالفت کی۔ مُغلوں نے ۲۲ جنوری ۱۲۵۸ء کو بغداد کا محاصرہ کرلیا۔ ان کے دونوں لشکر اکٹھے ہوگئے۔ آٹھ دن کے محاصرہ کے بعد ۳۰ جنوری کو اُنہوں نے شہر پر حملہ بول دیا۔ ہلاکو خان کے فریب کارانہ وعدوں پر وزیر ابن علقمی کے مشورے سے خلیفہ نے اپنے آپ کو اس کے حوالے کردیا۔ ہلاکو خان نے خلیفہ کے دو بیٹوں ابو العباس احمد اور ابو الفضائل عبدالرحمان کو قتل کرادیا۔ اور خلیفہ مستعصم باللہ کو نمدے میں لپیٹ کر گھوڑوں کے سُموں سے پامال کراکر ہلاک کرادیا۔ کیونکہ مُغل بادشاہوں کا خون گرانے کو معیوب سمجھتے تھے۔

محاصرہ کے دنوں میں دربارِ خلافت کے اُمرا علما اور مشائخ نے ہلاکو خان کو پیغام بھیجا کہ دارالسلام (بغداد) کو تباہ کرنے اور خلافتِ عباسیہ کو پامال کرنے سے باز آجاؤ۔ اللہ کے قہر سے ڈرو۔ اگر خلیفۂ اسلام کو تمہارے ہاتھوں سے گزند پہنچا تو نظامِ عالم تباہ ہوجائے گا۔ سورج چھپ جائے گا۔ ستارے ماند پڑجائیں گے۔ بارشیں بند ہوجائیں گی۔ نباتات نہیں اُگے گی۔ لیکن ہلاکو خان پر اخواف و انذار کا کچھ اثر نہ ہوا۔ کیونکہ مشہور منجم وستارہ شناس ناصرالدین طوسی نے جسے ہلاکو خان نے قلعۃ الموت سے حاصل کیا تھا۔ زائچہ دیکھ کر اور ستاروں کا حساب لگا کر اُسے یقین دلایا تھا کہ ستاروں کی گردش آپ کے موافق ہے۔ آپ کو اس مہم میں ضرور فتح حاصل ہوگی۔ ہلاکو خان بغداد پر قبضہ کرنے کے بعد جب قصرِ خلافت میں داخل ہوا تو اُس نے تحقیر و تضحیک کے طور پر خلیفۂ اسلام کی دعوت کی اور سونے اور چاندی کی خالی طشتریاں خلیفہ کے سامنے رکھ کر کہا کہ ان کو کھاؤ۔ جو تم نے بڑی احتیاط سے جمع کر رکھی ہیں۔ ہلاکو خان نے سونے اور چاندی کے برتنوں اور لوہے کی پیٹیوں کی طرف جن میں قیمتی سامان بند تھا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ کہ اگر تم ایسی لوہے سے جن کے صندوق بنوا کر تم نے اپنی دولت چھپا رکھی ہے "بلوا تیر" بنوالیتے۔ اور اس سونے کو اپنی ذریح پانے کے لئے استعمال کرتے

تو انہیں یہ روز بد دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔

۱۳ر فروری کو مغلوں کے لشکر نے بغداد کو تاراج کرنے کا کام شروع کیا۔ مسلمانوں کا خون بے دریغ بہایا گیا۔ یہ سلسلہ آٹھ روز تک جاری رہا۔ آٹھ لاکھ مسلمان تہ تیغ کردیئے گئے۔ خزانے اور گھروں کا قیمتی ساز وسامان لوٹ لیا گیا۔ کتب خانے اور علمی ذخیرے تباہ کردئے گئے۔ اور بغداد شہر کو جس کے اندر پانچ سو سال سے مال ودولت زر وجواہر اور عیش وعشرت کے ہر گونہ سامان جمع ہو رہے تھے ویرانہ بنادیا۔

سنہ ۱۲۶۰ء تک ہلاکو خان کے لشکروں نے ولایت شام تک ساری اسلامی مملکت سر کرلی اور قرہ قورم (منگولیا) کے مغل شہنشاہ قاآن اعظم کبلائی خان سے ایل خان یعنی چھوٹے خان (نائب قاآن) کا خطاب حاصل کرکے دریائے سندھ سے لے کر بحیرہ روم تک کے مسلمانوں پر منگولیا کے لامذہب اور ارواح پرست مغلوں اور تاتاریوں کی حکومت قائم کرلی۔ مغل عقیدہ رکھتے تھے کہ ہر شے ایک روح رکھتی ہے۔ اور یہ ارواح انسانوں کی زندگی میں تصرف کرنے کی طاقت رکھتی ہیں۔ نیک ارواح کی پرستش زندگی میں فائدہ مند ثابت ہوتی ہے۔ بری ارواح کے شر سے بچنے کے لئے ان کو پوجنا اور انہیں نذریں دینا ضروری ہے۔ آسمانِ بالا کی روح سب ارواح

سے برتر اور سب پر فائق اور سب سے طاقت ور ہے۔
مُغل اپنے شہنشاہوں کی موت پر بہت سی خوب صورت
لڑکیوں کو اور شہنشاہ کے وفادار نجی ملازموں کو قتل کر کے
اُس کی قبر کے پاس ہی دفن کر دیتے تھے تاکہ اُن کی رُوحیں
بادشاہ کی خدمت گزاری کرتی رہیں۔ مُغل اپنے بادشاہوں کی
تکفین وتدفین میں حصّہ پانے والوں کو بھی قتل کر دیتے تھے۔
تاکہ وہ شہنشاہ کی موت کی خبر کو قبل از وقت نشر نہ کر پائیں۔
مُغلوں کے مذہبی عقاید کو شمنیت کے نام سے تعبیر کیا جاتا۔
شمن ان کے مذہبی پیشوا کو کہتے ہیں جن کے متعلق ان کا عقیدہ
تھا کہ وہ ارواح کے ساتھ ہم کلام ہونے کا راز جانتے ہیں۔
ان کے جھنڈے پر گھوڑوں کی دُمیں آویزاں کی جاتی تھیں۔
فرنگستان کے عیسائی اس جھنڈے کو واڑ والی صلیب قرار
دیتے تھے۔ ہلاکو خان کی بیوی دین مسیحی کی پیروکار تھی۔ اس کے
زیر اثر ہلاکو خان نے مسلمانوں کے خلاف عیسائیت کے
مذہبی پیشوا پاپائے رُوم سے دوستانہ روابط پیدا کرنے
کی کوشش کی۔

ناصر الدین طوسی اور ابن علقمی

خلیفہ المستعصم باللہ کے وزیر اعظم موید الدین محمد ابن علقمی کے متعلق مشہور منجم ناصر الدین طوسی لکھتا ہے کہ ابن علقمی چونکہ شیعہ تھا اس لئے اس نے خلافت عباسیہ کو تباہ کرنے کے ارادہ بد سے ہلاکو خاں کے ساتھ خفیہ ساز باز کی۔ اور خلیفہ کو غلط مشورے دے کر اس کا خاتمہ کرا دیا۔ یہی الزام بعض دوسرے مورخین نے ناصر الدین طوسی پر شیخ الجبل رکن الدین کے سلسلے میں لگایا ہے۔ اور لکھا ہے کہ چونکہ وہ شیخ الجبل کے پاس خوش نہ تھا اس لئے اس نے ہلاکو خان سے ساز باز کی اور رکن الدین کو غلط مشورے دے کر ہلاکو کے ہاتھ سے تباہ کرا دیا۔ ہلاکو خان نے مملکت اسلام کا فرمانروا بننے پر ناصر الدین طوسی کو اپنا وزیر بنا لیا طوسی اور ابن علقمی دونوں شیعہ تھے۔ ہلاکو خان سے در پردہ ساز باز رکھنے کے شبہات کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو ماننا پڑے گا طوسی نے شیعہ ہونے کے باوجود اسماعیلیوں کے مرکز کو تباہ کرایا اور ابن علقمی نے خلیفہ اسلام سے غداری کی۔ ابن علقمی کو ہلاکو خان نے خلیفہ کے قتل کے تین ماہ بعد اس دلیل کی بنا پر مروا دیا کہ جو شخص اپنے بادشاہ کا وفادار ثابت نہ ہوا اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن طوسی کو اس نے اپنا وزیر بنا لیا

رکھا۔ حالانکہ شیخ الجیل کے ساتھ اس نے بھی بے وفائی کی تھی۔
ابن علقمی پر خلیفہ سے جان بوجھ کر غداری کا الزام ثابت نہیں۔
لیکن اگر اس نے ہلاکو خاں سے درپردہ کسی قسم کی سازباز کی ہو تو
یہ قیاس آرائی درست نہیں کہ اس نے شیعہ ہونے کی وجہ سے
ایسا کیا طوسی اور ابن علقمی غیر مسلم فاتح کے سامنے جھک گئے۔
تو یہ اُن کے ذاتی کردار کا نتیجہ تھا۔ ایسے حالات میں موقع شناس
لوگ عام طور پر اسی طرح کیا کرتے ہیں۔ یہاں یہ بات نوٹ کرنے
کے قابل ہے کہ ناصر الدین طوسی کو یہ موقع شناسی راس آگئی
لیکن ابن علقمی کو راس نہ آئی۔

خلافتِ عبّاسیہ کے پنجصد سالہ عہد کی چند خصوصیّات

معاشرے کی عام کیفیّت

خلافتِ عبّاسیہ کے پنج صد سالہ عہد میں مملکتِ اسلام کے اندر معاشرے کے اندر جاگیرداری کا وہی پُرانا نظام قائم رہا۔ جو ازمنۂ دراز سے دُنیا کے مُلکوں میں رائج چلا آرہا تھا۔ دُنیا کے دُوسرے مُلک مثلاً۔ چین۔ تاتار۔ ہندوستان اور یورپ کا نظامِ معاشرت بھی اِس زمانے میں جاگیردارانہ تھا۔ فرق صرف یہ تھا کہ مسلمان تہذیب و تمدّن علمی اور فنّی ترقیات۔ آدابِ معاشرت۔ ثقافت اور اخلاق کے لحاظ سے دُوسری قوموں سے بہت آگے نِکل گئے۔ اُنہوں نے پُرانے علوم و فنون کا نہ صرف احیا کیا بلکہ نئی علمی تفتیشوں کے بل پر اُنہیں ترقی کی بلند

معراجوں تک پہنچایا اور بہت سے نئے علوم ایجاد کئے جن کی دریافت کا سہرا تاریخ نے اسی دور کے مسلمانوں کے سر پر باندھا ہے۔ ہر قسم کے علوم نے عربی زبان میں جنم لیا۔ لیکن اس دور کے نصف آخر میں فارسی زبان بھی ہر اعتبار سے عربی کی ہم پایہ بن گئی۔ بلکہ ایشیائی ملکوں میں اُس نے عربی کی جگہ خود لے لی۔

اس پنج صد سالہ دور میں مسلمان خوش حالی اور فارغ البالی کی زندگی بسر کرتے تھے۔ دولت کی فراوانی تھی تجارت اور صنعت و حرفت ترقی پر تھی۔ اُمرا اور تجار کے پاس ثروت کی اسی قدر بہتات تھی کہ وہ رفاہِ عامہ کے اُمور پر بے دریغ روپیہ صرف کرتے تھے۔ اور معاشرے میں فقرا و مساکین کے طبقے کو فاقہ کشی کے مصائب میں مبتلا نہیں ہونے دیتے تھے۔ اس سارے دور میں کوئی ایسی تحریک پیدا نہیں ہوئی جس کی محرک احتیاج ہو۔ بلکہ امرا و سلاطین کی باہمی کشمکشیں محض حصولِ اقتدار کی خاطر تھیں۔ یا اختلافِ عقائد کی بنا پر مذہبی جماعت بندیاں مملکت کے اقطاع میں سیاسی تبدیلیاں کرنے کا موجب بنتی رہیں۔ معاشرہ اُمرا۔ ان کے درباریوں اور مصاحبوں جن میں سے اکثر اربابِ کمال ہوتے تھے۔ اُمرا کے لشکریوں۔ سرکاری ملازموں۔ پیشہ وروں اور حرفت کاروں۔ تاجروں۔ مزدوروں۔ درویشوں فقیروں

اور مسکینوں کے طبقات پر بنا ہوا تھا۔ اُمراء کے دسترخوان اور مشائخ کرام کے لنگر بہت وسیع ہوتے تھے۔ اس لئے اس معاشرے میں کوئی شخص فاقہ کشی کی مصیبت میں مبتلا نہیں ہو سکتا تھا۔ اس سارے عہد میں اسلامی مُلک چونکہ صنعت وحرفت۔ ثروت و دولت۔ تہذیب و تمدن اور علوم وفنون میں ساری دُنیا کے ملکوں پر بدرجہا برتر اور فائق تھے اس لئے ان کے تاجر دُور دُور تک تجارت کرتے تھے۔ چین۔ ہندوستان روس۔ اندرون افریقہ اور یورپ کے تمام ملکوں میں ان کی تجارت کا وسیع جال پھیلا ہوا تھا۔ عربوں کے یعنی خلفائے بنو عباس کے سکے فن لینڈ۔ سویڈن اور جرمنی تک کی کھدائیوں میں برآمد ہو چکے ہیں۔

صنعتی ترقیات میں کاغذ سازی کی صنعت کو دُنیا میں فروغ دینے کا باعث اسی عہد کے مسلمان بنے۔ یہ صنعت مسلمان عربوں نے فتح سمرقند (سنہ [illegible]ء) کے بعد چینیوں سے حاصل کی۔ سنہ [illegible]ء تک بغداد میں کاغذ سازی کا بڑا کارخانہ کھل گیا۔ ایک سو سال کے بعد مصر کے اندر بھی کاغذ تیار ہونے لگا۔ سنہ ۱۱۰۰ء کے قریب مراقش میں اور سنہ ۱۱۵۰ء کے قریب اندلس میں کاغذ سازی کے کارخانے کھل گئے۔ طباعت کے فن کا ابتدا بھی اندلس کے مسلمانوں ہی نے کیا۔ زراعت اور باغبانی

کے فنون کو علمی حیثیت سے بہت ترقی دی سنگترے کا پودا اور پھل اسی عہد کے مسلمانوں کی کوششوں سے ہندوستان سے چل کر شام و فلسطین کے باغات کو آباد کرتا ہوا اندلس (ہسپانیہ) اور بحیرہ روم کے ساحلی ملکوں میں پہنچا۔ گنے کی کاشت اور شکر سازی کی صنعت کو بھی اسی عہد کے مسلمانوں نے بنگال سے باہر نکال کر ایشیا اور یورپ کے ملکوں تک پہنچایا۔ قلمیں لگا کر پھلوں کو بہتر بنانے کے ہنر کو بہت ترقی دی۔

اس پنج صد سالہ عہد میں بھی عام معاشرے پر مذہبیت کا اثر غالب رہا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ سوسائٹی کے بعض معائب نے بھی ترقی کی۔ مذہبی اعتبار سے اس دور میں دو بڑے گروہ پیدا ہوئے۔ ایک اہل سنت والجماعت اور اور دوسرے اسماعیلی شیعہ۔ ان کے علاوہ خوارج، اموی دین کے پیرو۔ اثنا عشری شیعہ۔ زیدی شیعہ بھی موجود رہے۔ اسماعیلیوں میں سے قرامطہ اور حسن بن صباح حشاشین نے بہت زور پکڑا۔ تاہم مملکت کے اندر اہل سنت والجماعت یعنی آئمہ اربعہ کے پیروؤں کی بھاری اکثریت ہر دور میں موجود رہی۔ ائمہ دین۔ علما۔ فقہا اور صوفیا، دین کے چرچے کو جاری رکھتے۔ عوام کو دیندار بنانے اور غیر قوموں میں اسلام کو پھیلانے کے لئے سرگرمی کے ساتھ کوشاں رہے۔ دینی

شخصی کی اس فراوانی کے باوجود اُمراء کے طبقے میں اور ثروت مند لوگوں میں سوشل بُرائیاں جڑ پکڑتی گئیں۔ حرم بسانے یعنی ایک سے زیادہ بیویاں اور بہت سی کنیزیں رکھنے کے رواج نے ترقی کی۔ حرم کے انتظام کے لئے خواجہ سراؤں کا سلسلہ جاری کیا گیا۔ یہ بُرائیاں مسلمانوں نے بازنطینی قیصروں کی معاشرت سے اخذ کیں۔ غلامی اور بردہ فروشی کا رواج جاری رہا۔ لیکن مسلمانوں کی سوسائٹی میں غلاموں کو اپنی اولاد کی طرح رکھا جاتا تھا۔ حتّٰی کہ غلام سلطان بادشاہ تک بن جاتے تھے۔ تعددِ ازدواج اور کنیزیں رکھنے کے رواج کے باعث مسلمان اُمرا میں مردانگی کے اوصاف زوال پذیر ہونے لگے۔ اور سوتیلے بھائیوں اور بہنوں کی رقابتوں اور کشمکشوں کے باعث خاندانی انتشار پیدا ہوا۔ شراب نوشی اور رقص و سرود نے بھی سوسائٹی میں رائج ہو کر گھر کر لیا۔ اور امراء کا طبقہ عیش و عشرت کا دلدادہ بنتا چلا گیا۔ کھیلوں اور ورزشوں میں اس دَور کے اندر شکار گھوڑے کی سواری۔ تیر اندازی۔ شمشیر زنی۔ پہلوانی۔ نیزہ بازی میں مہارت حاصل کرنا فیشن میں داخل تھا۔ شطرنج اور گنجفہ وغیرہ پر وقت ضائع کرنے کی لت ترقی کر گئی۔ اُمرا کے لئے علمی شغف اور ادب و شعر کا ذوق رکھنا گھوڑا سواری۔ شکار۔ تیر اندازی اور شمشیر زنی میں ماہر ہونا وقت کے فیشن میں

داخل تھا۔

اِس دَور کے تاریخی ریکارڈ میں وقتاً فوقتاً ارضی اور سماوی آفتوں کے نازل ہونے اور وباؤں کے پھیلنے کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔ سیلابوں۔ زلزلوں۔ ژالہ باریوں اور قحطوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور طاعون۔ تپ لرزہ۔ چیچک۔ خسرہ۔ وغیرہ چالیس قسم کی وباؤں کے پھوٹ پڑنے کا حال بیان کیا گیا ہے۔ وباؤں کا انسداد اور آفات ارضی وسماوی کا مقابلہ کرنے کے لئے حکومت کی طرف سے مناسب تدابیر اختیار کی جاتی تھیں ہسپتال کھولنا اور حفظانِ صحت عامہ کے محکمے قائم کرنا اسی دَور کے مسلمانوں کی ایجادات میں داخل ہے۔ شہروں میں سڑکوں کو پختہ اور بازاروں کو مسقف بنانا۔ عام شاہراہوں پر روشنی کا انتظام کرنا۔ صفائی اور حفظانِ صحت کی تدابیر اختیار کرنا۔ اسی دَور کے مسلمانوں نے حکومت کے فرائض میں داخل کیا۔ خلیفہ مامون الرشید کے عہد (۸۱۳ء سے ۸۳۳ء) میں بغداد میں ایک بہت بڑا ہسپتال قائم کر دیا گیا تھا اس کے علاوہ مضافات میں ۳۴ ہسپتال کھول دیئے گئے۔ قاہرہ مصر میں ۸۷۲ء میں بڑا ہسپتال کھلا اور اس کے بعد ساری مملکتِ اسلامی میں جابجا سرکاری ہسپتال قائم ہو گئے۔

مسلمانوں سے اہلِ فرنگ کی اثر پذیری

سرزمین فرنگ یعنی یورپ کے لوگ ان ادوار میں تہذیب وتمدن سے یکسر عاری تھے اور دین مسیحی کے پادریوں کے زیر اثر وحشیوں کی سی زندگی بسر کرتے چلے آرہے تھے پڑھنا لکھنا سیکھنا اور علم حاصل کرنا اُن کے لئے شجر ممنوعہ تھا۔ غسل اور طہارت سے پرہیز کرنا۔ اور جسم اور ہاتھوں کو میلے رکھنا ان کے نزدیک کار ثواب تھا۔ لیکن تہذیب وتمدن کے اوّلین علم برداروں یعنی مسلمانوں کے ساتھ اختلاط پیدا ہونے کے باعث یورپ کے لوگ آہستہ آہستہ مُسلمانوں کے افکار وخیالات ان کے آداب اور ان کے طرز بود وباش سے متاثر ہونے لگے۔ یہ اختلاط تین جگہوں پر ظہور پذیر ہوا۔ ایک اندلسؔ میں جہاں مُسلمانوں نے حکمران بن کر علم و تہذیب کی شمعیں روشن کیں اور تمدّن کو بام عروج تک پہنچایا۔ اس دیار کے عیسائی باشندے حکمرانوں کے خلاف تعصب رکھنے کے باوجود اُن کی معاشرت سے بہت اثر پذیر ہوئے اور اُنھوں نے مُسلمانوں سے شستہ اور مہذب زندگی گذارنے کے بہت سے ڈھنگ سیکھے۔ اُندلس کے مُسلمانوں کو دیکھ کر وہاں کے اور فرانس کے عیسائیوں میں

علم حاصل کرنے کا شوق پیدا ہوا جو پادریوں کی اندھی مخالفت کے باوجود ترقی کرتا چلا گیا۔ دوسرا مقام جہاں یورپ کے لوگ مسلمانوں سے اثر پذیر ہوئے جزیرہ صقلیہ تھا۔ یہاں بھی مسلمان حکمران ہونے کی حیثیت سے پہنچے اور ڈھائی سو سال تک حکمران رہے۔ صقلیہ یعنی سسلی کے عیسائیوں نے اس عرصہ میں مسلمانوں کی سی معاشرت اختیار کر لی۔ اور جب ۱۰۹۱ء میں نارمن ڈیوک روجر اول نے ساری سسلی پر قبضہ کر کے وہاں اپنی بادشاہی قائم کر لی۔ تو اس نے مسلمان سلاطین کے سے طور طریقے اختیار کر لئے۔ مسلمانوں کا لباس اختیار کیا۔ ان کی سی معاشرت اختیار کی۔ اپنے دربار میں مسلمان امرا و سلاطین کی طرح عالموں فاضلوں حکیموں۔ طبیبوں۔ ادیبوں اور شاعروں غرض ہر قسم کے ارباب کمال کو جمع کیا۔ جن میں اکثر مسلمان تھے۔ حرم بنایا۔ صقلیہ کی عورتیں بھی مسلمان عورتوں کا سا لباس پہنتی تھیں روجر اول نے اور اس کے جانشینوں نے مصر کے امرا کے ساتھ دوستی کے روابط قائم کئے۔ انہیں مسلمان امرا کی طرح شکرے اور شاہین پالنے کا بہت شوق تھا۔ سسلی اور نیپلز میں دارالعلوم قائم کئے۔ دارالتراجم بنائے۔ عربی کتابوں کی لائبریریاں قائم کیں اور عربی سے یورپی زبانوں میں کتابوں کے ترجمے کرائے۔ ان دنوں یورپ میں مسلمانوں کے

کارخانوں کا بنایا ہوا کپڑا بہترین لباس سمجھا جاتا تھا۔ جلدسازی اور پیتل پر سونے چاندی اور تانبے کی مرصع کاری کے فن یورپ کے لوگوں نے اسی دور میں مسلمانوں سے سیکھے۔

مسلمانوں اور عیسائیوں کے باہمی اختلاط کی تیسری جگہ شام اور فلسطین کے وہ اقطاع تھے جہاں صلیبی عیسائیوں نے ۱۰۹۹ء کی صلیبی مہم کے بعد اپنی ریاستیں قائم کریں۔ یہ صلیبی جنگ جو وحشی جانور تھے۔ انہوں نے شام و فلسطین میں تباہی مچائی اور دہشت پھیلائی۔ مشرق ادنیٰ کے مسلمانوں کے دل مجروح کئے۔ جن کی تلخ یاد آج تک باقی ہے۔ لیکن مہذب و متمدن مسلمانوں کے ساتھ اختلاط پیدا ہونے کے بعد ان کی آنکھیں کھلیں اور یہ لوگ یورپ میں مسلمانوں کی تہذیب اور ان کے علم و ہنر کو منتقل کرنے کا موجب بن گئے۔ ان صلیبیوں کی وساطت سے یورپ والوں نے حسب ذیل موٹی موٹی باتیں مسلمانوں سے سیکھیں۔

داستان گوئی اور افسانہ نویسی۔ ہسپتال بنانا۔ جذامیوں کے لئے الگ اڈے بنانا۔ حمام کھولنا۔ دوہری کمان بنانا۔ زرہ بکتر پہننا۔ زرہ بکتر کے نیچے روئی کے گدے رکھنا۔ طبل اور نقارہ استعمال کرنا۔ قاصد کبوتر پالنا۔ فتح کا جشن منانا۔ چراغاں کرنا۔ مردانگی کے کھیلوں کے معرکے یعنی ٹورنامنٹ کرنا

محاصرہ شکنی کے آلات یعنی منجنیقیں وغیرہ استعمال کرنا سرنگیں لگانا - بارود استعمال کرنا - آتشیں اسلحہ بنانا - تل سرسوں لیموں پیاز - لہسن - ادرک اور دوسرے پودوں کو کاشت کرنا - خوبانی اور دوسرے ثمردار درختوں کے باغ لگانا - عطریات خوشبوئیں - گرم مسالے - مٹھائیاں - شربت - عرق اور شکر بنانا اور استعمال کرنا - ململ - دمشق - اطلس - ساٹن وغیرہ کے کپڑے پہننا - تجارت میں ہنڈیوں کے استعمال کو رواج دینا اور بینک بنانا - جہازرانی میں اصطرلاب کو استعمال کرنا - غرض کہاں تک ذکر کیا جائے - قصہ مختصر یورپ والوں نے اس دور میں کام کی باتیں اور تہذیب وتمدن کے گر مسلمانوں سے حاصل کئے - صرف ایک بات جو یورپ کے لوگوں نے مسلمانوں سے حاصل نہ کی وہ دین اسلام تھا - اس معاملے میں یورپ کے عیسائی ہندوستان کے ہندوؤں کی طرح سخت محافظ کار اور متعصب ثابت ہوئے -

اسلام کی تبلیغی فتوحات

خلافتِ عباسیہ کے پنج صد سالہ دور میں اسلام کے مفتوحہ علاقوں ایران افغانستان میں جو صوفیائے کرام کی کوششوں سے اُن غیر مسلموں گبروں اور بُدھ مت کے پیرووں نے بھی جو بنو اُمیّہ کے عہد میں مسلمان نہ ہوئے اسلام قبول کر لیا اور ترکستان میں لا مذہب ترکوں کے بہت سے قبائل جوق در جوق حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ یوغور ترکوں کی مملکت میں ۹۰۰ء کے قریب اِس مملکت کے ایک بادشاہ ستک بزا خاں نامی نے دینِ اسلام قبول کیا اور ترکوں میں اِس دین کی خوب نشر و اشاعت کی۔ یہ بادشاہ اسلام کا پُرجوش مُبلّغ تھا۔ یوغور ترکوں کی مملکت کاشغر سے لے کر بحیرہ ارال تک پھیلی ہوئی تھی۔ اِس کے جانشینوں میں سو سال کے بعد ایک بادشاہ ایلک خاں نامی گزرا ہے۔ جس نے اپنی قوم میں پھر سرگرمی کے ساتھ دینِ اسلام کی تبلیغ کی۔ یہ ایلک خاں سلطان محمود غزنوی کا ہم عصر تھا۔ اس نے بخارا پر بھی چڑھائی کی تھی۔ اِس مملکت کے ایک اور بادشاہ ارسلان خاں کے عہد میں جو ۱۰۳۱ء سے شروع ہوا تبت کے خانہ بدوش کافر ترک وہاں سے نکل کر کاشغرستان میں آباد ہو گئے۔ اِس بادشا

کے جانشین بغرا خاں نے ان قبائل میں دینِ اسلام کی تبلیغ کی اور اُن میں بہتوں کو مسلمان بنا لیا۔ عباسی دور میں سندھ ملتان اور پنجاب کی بہت سی ہندو قوموں نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ اُن مفتوحہ ملکوں میں دینِ اسلام کی نشر و اشاعت میں جبر و اکراہ کو کسی قسم کا دخل حاصل نہ تھا۔ کیونکہ مسلمان اِن ذمیوں کے مذہب سے کسی قسم کا تعرض نہ کرتے تھے۔ جو حکومتِ اسلام کی اطاعت قبول کر لیتے تھے۔ تاہم اِن اقطاع میں مبلغینِ اسلام کو اپنی حکومت قائم ہو جانے کی وجہ سے بہت سہولتیں میسر آتی رہیں۔ اسلام کے مبلغ اِس بات سے قطع نظر کر کے اپنا کام کرتے تھے۔ کہ آیا کسی جگہ پر سیاسی حیثیت سے مسلمان غلبہ حاصل کر چکے ہیں۔ حضرت خواجہ معین الدینؒ اجمیری۔ شہاب الدین محمد غوری کے حملے سے بہت پہلے اجمیر کے مقام کو اپنی تبلیغی سرگرمیوں کا مرکز بنا چکے تھے۔ جب کہ وہاں کا حکمران دہلی کا راجہ رائے پتھورا تھا۔ اِسی طرح اسلام کے مشائخ نے تاتار کے ترکوں میں جا جا کر دینِ اسلام کو پھیلایا اور اِن اقطاع کے خانہ بدوش قبائل کو حلقہ بگوشِ اسلام بنایا۔ غیر مسلم اقوام مسلمانوں کے عادات و اطوار دیکھ دیکھ کر خود ہی اسلام کی طرف مائل ہو جاتی تھیں اور غیر مسلم عوام کو اسلام سے قریب تر لانے کا کام صوفیائے کرام اور اولیاء اللہ اپنے کردار کی پختگی کی بنا پر سر انجام دیتے تھے۔ مسلمان فاتحین نے

جنگ کے دوران میں ایسے مندروں کو جو ہندوؤں کے جنگی مراکز ہوا کرتے تھے بلاشبہ مسمار کرایا۔ اور بُت شکنی کی۔ لیکن انہوں نے مسلمان بننے کے لئے کسی پر جبر نہیں کیا۔

اس کے علاوہ اس دور میں اسلام کا دین ایسے اقطاع میں بھی پھیلا جہاں مسلمان فاتحین کی حیثیت سے نہیں بلکہ محض تاجروں کی حیثیت سے جاتے تھے۔

عہد عباسی کے تاجروں اور سیاحوں کے سفرنامے ظاہر کرتے ہیں کہ اس دور میں مسلمان تاجر نہ صرف کھمبایت گجرات کاٹھیاواڑ۔ وسطی ہند۔ ملیبار۔ سراندیپ (لنکا) مدراس سماٹرا۔ جاوا۔ سنگاپور۔ فلپائن اور چین تک جاتے تھے۔ بلکہ انہوں نے ان ملکوں میں اپنی آبادیاں بھی قائم کرلی تھیں۔ اور ان ملکوں کے باشندے جن میں بیشتر بُدھ مت کے پیرو تھے۔ مسلمان تاجروں سے اثر پذیر ہو کر دینِ اسلام قبول کرتے رہے۔

عرب تاجروں کے سفرناموں میں لکھا ہے کہ اسلام کا پیغام چین کے شہر کینٹن میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں پہنچ گیا تھا۔ جب کہ عرب تاجر سنہ ۶۲۹ عیسوی میں شہنشاہ چین کے نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دعوت اسلام کا مکتوب لے کر گئے اس وقت کے فغفور چین

تائی تسونگ نے اس مکتوب کی بہت عزت کی اور مسلمان تاجروں کو کینٹن میں مسجد بنانے اور اپنے دین کی تبلیغ کرنے کی اجازت دے دی۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ بار کے راجا نے جس کا لقب زموروِن تھا اور جسے عرب سامری کہتے ہیں۔ شق القمر کا معجزہ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ او جب اسے عرب تاجروں سے اس خرقِ عادت کے ظہور کی حقیقت معلوم ہوئی تو وہ مسلمان ہو گیا اور اس نے مسلمانوں کو کالی کٹ میں مسجد بنانے اور اپنے دین کی تبلیغ کرنے کی اجازت دے دی۔ شدہ شدہ نائر قوم کے بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے۔ عرب تاجروں نے ان سے تعلقات قائم کر لئے سلے بار کی مفلح یا موپلا قوم عربوں اور نائروں کے اسی اختلاط کا نتیجہ ہے۔ کچھ وقت گذر جانے کے بعد سلے بار میں مسلمانوں کی تعداد اتنی بڑھ گئی کہ وہاں کے راجا نے اُن کے لئے قاضی مقرر کر دیا۔ اس کے علاوہ تاجروں اور سیاحوں کے بیانات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وسطی ہند اور دکن کے بلہرا راجگان کی مملکت میں بھی مسلمانوں کی کافی تعداد پیدا ہو چکی تھی اور اس خاندان کے راجا مسلمانوں کو عزت کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔

اسی طرح سراندیپ۔ جاوا۔ سنگاپور۔ فلپائن اور جیرہ

میں مسلمان تاجروں کی بستیاں دینِ اسلام کو فروغ دینے کے مراکز ثابت ہوئیں۔ اور تبلیغ دین کے شوق میں تاجروں کے ساتھ درویش اور صوفیائے کرام بھی وہاں پہنچنے لگے۔ اسلام کی نشرواشاعت کا یہ کام اِن اقطاع میں عسکری فتوحات کے بغیر ہی بڑی کامیابی کے ساتھ ہو رہا تھا۔ جو ملیبار سراندیپ۔ جاوا اور ملایا فلپائن کے اصلی باشندوں کی بہت بڑی تعداد کو اسلام کے حلقے میں داخل کرنے پر منتج ہوا۔

جسدِ اسلام کو پہلا چشم زخم

شمسی حساب سے چھ سو پینتیس اور قمری حساب سے چھ سو پچپن سال ہرگونہ عروج و ترقی کے زینوں پر چڑھنے اور اقبال مندی اور کامرانی کی سعادتوں سے مسلسل بہرہ ور ہونے کے بعد ۱۲۵۸ء مطابق ۶۵۶ہجری میں جسدِ اسلام کو منگولیا کے مغلوں کے ہاتھوں پہلا زخم کاری اٹھانا پڑا۔ بغداد کی عباسی خلافت کا خاتمہ ہوگیا اور مغلوں کی نامسلم نسل نے ترکستان اور دریائے سندھ سے لے کر بحیرہ ابیض کے ساحل تک کی اسلامی مملکت کو تاراج کر کے اپنی عالمگیر سلطنت کا جزو بنالیا۔ بارہویں صدی مسیحی اور چھٹی صدی ہجری کے اختتام پر مسلمانوں کی سطوت و شوکت کا ستارہ عروج پر تھا۔ اس وقت شہاب الدین محمد غوری کفرستانِ ہند میں ایک نئی اسلامی سلطنت کی بنیاد استوار کر رہا تھا۔ صلاح الدین ایوبی نے فلسطین میں یورپ کے صلیبیوں کی طاقت کو شکست فاش دے کر ارضِ مقدس کو سو سال کے بعد پھر مملکتِ اسلام میں شامل کرلیا تھا۔ اندلس کا امیر المؤمنین الموحد اراکوس کے مقام وہاں کے عیسائیوں کو شکست دے

لیکن اِن واقعات کو ابھی بیس سال بھی نہ گزرنے پائے تھے کہ
وسط ایشیا کے مرغزاروں سے گھوڑ سوار مغلوں کا ایک ٹڈی
دل آندھی کی طرح اُٹھا اور بگولے کی طرح مملکتِ اسلام کے
قلب پر سے گزر کر اُسے تاراج کر گیا۔ اس پہلی تاراجی کے ۳۶
سال بعد اِن مغلوں کے بیٹے اور پوتے مملکتِ اسلام پر قبضہ
جمانے کے ارادے سے نکلے اور شیخ الجبل کی امارت اور خلیفۂ
بغداد کی خلافت کا خاتمہ کر کے مملکتِ اسلامی کے اِس
وسیع حصّے کے حکمران بن گئے۔ مغلوں کی اِن کامیابیوں کا
راز ان کی بہتر عسکری تنظیم اور اُس دور کے مسلمانوں کی باہمی
خانہ جنگی اور عدمِ تنظیم میں مضمر ہے۔ مُغل مسلمانوں سے زیادہ
بہادر نہ تھے۔ لیکن اُنھوں نے اپنی برتر عسکری تنظیم اور مسلمانوں
کے انتشار و تشتّت کی بدولت کامیابی حاصل کر کے مسلمانوں کے
دلوں پر ایسی ہیبت طاری کی۔ کہ بقیۃ السّیف مسلمان جو مُغلوں
کے قتلِ عام سے بچے اُن کے سامنے بھیڑوں اور بکریوں کے
گلّے بن کر رہ گئے۔ ایک مُغل سپاہی سترّہ سترّہ اور بیس بیس
مسلّح مُسلمانوں کے گاؤں کو ہانک کر لے جاتا تھا۔ اور کسی کو جُرأت
نہ ہوتی تھی کہ اُسے قتل کر کے سب کی رہائی کا سامان پیدا کر لے۔
سنہ ۱۲۶۰ء تک ترکستان سے لے کر شام تک ساری اسلامی مملکت
اصنام پرست مغلوں کے قبضے میں چلی گئی اور صرف ہندوستان

کی اسلامی سلطنت جس میں خاندان غلامان کا درویش بادشاہ ناصرالدین محمود حکومت کر رہا تھا اور مصر کی اسلامی سلطنت جس پر ملوک اُمرا حکمران تھے باقی رہ گئیں۔ ان کے علاوہ عرب کے شیوخ نیز دیارِ مغرب اور اندلس کے اُمرا کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم رہیں۔ اس طرح مسلمانوں کی ہر گونہ شان و سطوت کے زوال کا پہلا دور شروع ہو گیا۔ اور اس وقت کے مشہور شاعر سعدی کو مرثیہ لکھنا پڑا۔ جس کا پہلا شعر یہ ہے ؎

آسمان را حق بود گر خوں ببارد بر زمین
بر زوالِ ملکِ مستعصم امیر المؤمنین

تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ

تاریخِ اسلام

جلد دُوم

جس میں (۱) حضرت عثمانؓ و حضرت علیؓ کے زمانۂ خلافت (۲) بنو اُمیہ کے زمانۂ خلافت اور (۳) بنو عباس کے زمانۂ خلافت کے مستند تاریخی حالات تشریح و تبصرہ کے ساتھ جمع کیے گئے ہیں

مؤلفہ

مرتضیٰ احمد خان

ناشران

تاج کمپنی لمیٹڈ

لاہور —— کراچی —— ڈھاکہ